خزائنِ معرفت و محبت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ : گلشن اقبال کراچی

خزائنِ معرفت و محبّت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت و ارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو مَیں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب : خزائنِ معرفت و محبت
ملفوظات : عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
موضوع : مجموعۂ ملفوظات
مرتب : حضرت سید عشرت جمیل میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
تاریخ اشاعت : ۴؍ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۴؍ مارچ ۲۰۱۶ء بروز پیر
زیرِ اہتمام : شعبہ نشرواشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی
پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، 92.316.7771051
ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com
ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک نمبر ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہوکر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشرواشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

عرضِ مرتب ۱۶
علم کی حفاظت کے لیے نصیحت ۱۸
اللہ کی راہ میں مزاحمت ترقی کا ذریعہ ہے ۱۹
اللہ کی محبت کا نشہ ۲۱
درسِ تسلیم و رضا ۲۳
اذکار و وظائف کا مقصد ۲۴
عُجب کا نہایت مؤثر علاج ۲۵
متفرق ملفوظات ۲۷
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی قیمت ۲۹
تعلق مع اللہ حاصل کرنے کا طریقہ ۳۰
دین کے معاملے میں مخلوق کی لعن طعن کی پروا نہ کیجیے ۳۲
اہل اللہ کی وضع قطع کی اہمیت ۳۵
رسوخِ ایمان کی علامت ۳۷
اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھنا شعبۂ ایمان ہے ۳۸
گناہ کی پُر فریب لذّت کی مثال ۳۸
راہِ حق میں مخلوق کے طعن و تشنیع سے نہیں ڈرنا چاہیے ۳۹
حفاظتِ نظر پر قربِ الٰہی کی مٹھاس کا انعام ۴۱
طالب علموں کے لِیے نصیحت اور بچوں کو دیندار بنانے کی تلقین ۴۲
نفع کامل کے لیے شیخ کی صحبت میں طویل مدت رہنا ضروری ہے ۴۳
خوابوں کی تعبیر اور عملِ صالح کی ترغیب ۴۳
بیعت میں جلدی نہ کرنے کی وجہ ۴۵
بعض لوگوں پر دنیا اور آخرت کی مشقت آسان ہونے کا سبب ۴۵
آخرت کی کھیتی کی مشقت اُٹھانے کی ترغیب ۴۸
نظامِ کائنات کے پسِ پردہ دستِ قدرت کار فرما ہے ۵۰
عشقِ الٰہی سے مجروح قلب کی آہ کا اثر ۵۰

عاشقِ حق کو قربِ بے انتہا پر بھی صبر نہیں آتا ۵۳
اللہ کے راستے کے غم کی عظمت ۵۷
صحبت یافتہ اہل اللہ کو دنیائے حقیر کا غم نہیں ہوتا ۵۹
شیخِ کامل اور اس کی تربیت کے انداز ۶۰
اہلِ دین اور اہلِ دنیا کا فرق ۶۲
مبتدی اور منتہی کی تلاوت کا تفاوت ۶۳
آنسو اللہ تعالیٰ کے وجود اور محبت پر شاہد ہوتے ہیں ۶۳
آیت ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ الخ کی الہامی تفسیر ۶۴
ایک نومسلم کو نصیحت ۶۵
مدرسہ کے لیے چندہ سے احتراز کی تلقین ۶۸
اہل اللہ کے فہم اور ادب کی ایک مثال ۶۹
علماء کے اُمرا سے میل جول کے مفاسد ۶۹
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت ۷۰
مہتممینِ مدرسہ کو چندہ مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ترغیب ۷۰
شیخ کی تربیت کی مثال ۸۴
نگرانیٔ قلب سلوک کا آلۂ منجنیق ہے ۸۷
نگرانیٔ قلب ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے ۸۹
خاتمہ کا خوف جاہی اَمراض کا علاج ہے ۹۰
تبلیغ کرتے ہوئے اپنی حقارت کا استحضار لازم ہے ۹۱
دل کی نگرانی ہی اخلاص ہے ۹۲
عُجب و کبر بلکہ ہر مرض کا علاج خاتمہ کا خوف ہے ۹۳
مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر کی الہامی شرح ۱۰۱
دو نصیحتیں ۱۰۳
سامعین کی تعداد مقصود نہیں، وعظ سے رضائے حق تعالیٰ مقصود ہے ۱۰۳
دین پر چلنے میں کسی کی پروا نہ کرنا چاہیے ۱۰۴
مخلوق کے استہزا پر صبر کے معنیٰ ۱۰۵
روح کی نشو و نما کے لیے دو حرارتوں کی ضرورت اور اس کی تفہیم کی مثال ۱۰۷
مرشد کے لیے ولی ہونا ضروری ہے ۱۰۷

اللہ کی غفوریت بوجہ ان کی ودودیت کے ہے ۱۰۹
گناہ گاروں کے لیے طلوعِ آفتابِ اُمید ۱۱۱
نظر کی حفاظت شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے ۱۱۴
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو نصیحتیں ۱۱۶
دین کی دولت کا سبب دنیاوی مصائب و حوادث نہیں فضل خداوندی ہے ۱۱۶
آخرت کے شاہینوں کا میدانِ پرواز ۱۱۹
شیطان کا مکر ضعیف ہے ۱۲۱
حصولِ اخلاص و بقائے اخلاص ۱۲۲
انبیاء علیہم السلام کی شانِ عاشقانہ ۱۲۳
قتلِ خواہشات کا عظیم الشان خوں بہا ۱۲۳
اپنے نفس پر حکومت کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ ۱۲۵
ایک دعا ۱۲۶
اللہ کے یہاں آہ کی قدر و قیمت ۱۲۶
وحی الٰہی کی جامعیت اور خود ساختہ قانون کا بوداپن ۱۲۷
شیخ سے کیسی محبت کرنی چاہیے؟ ۱۲۸
قصہ نازکی لب کا ۱۲۸
حق تعالیٰ کو کون پاتا ہے اور کون محروم رہتا ہے؟ ۱۲۹
گناہوں کو چھوڑنے کا ایک دلکش طریقہ ۱۳۲
حسنِ مجازی کی مثال چاند کے عکس سے ۱۳۸
مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اِلہامی علوم ۱۴۰
ایک حسین شعر اور اُس کی شرح ۱۴۱
تکلیف اور بیماری میں شکایت کا سبب خود کو بے قصور سمجھنا ہے ۱۴۳
دین سے دوری کا سبب ماحول نہیں، قلّتِ طلب ہے ۱۴۳
حزن و غم بھی رحمت و شفقت ہے ۱۴۴
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ...الخ کی تفسیر ۱۴۶
ولایت کے اعلیٰ ترین مقام سے روکنے کا شیطانی حربہ ۱۴۷
قوتوں میں ضعف کے بعد بھی عبادت کا پورا اجر ملتا ہے ۱۵۱
غیر اللہ سے دل کی حفاظت کا ایک وظیفہ ۱۵۱

بیت اللہ کا مزہ اور خصوصی انوار و برکات کس کو حاصل ہوتے ہیں؟........ ۱۵۱
قرب کا مدار اعمال اختیاریہ پر ہے اعمال غیر اختیاریہ پر نہیں.......... ۱۵۲
شیطان کی ایک بہت بڑی چال سے نجات ۱۵۲
احقر کے ایک شعر پر حضرتِ والا کی کیف انگیز تشریح ۱۵۳
غارِ حرا کا حاصل ۱۵۴
ایک مسنون دعا کی تلقین ۱۵۴
روحانی نشو و نما کی ایک مثال ۱۵۴
طالبِ جاہ کو اللہ نہیں مل سکتا.................................. ۱۵۵
آیت رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا ...الخ پر ایک الہامی علم ۱۵۷
آیت يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا کی تفسیر ۱۵۷
علم اور خشیت لازم و ملزوم ہیں ۱۵۸
گناہ کی فوری تلافی کا انعام.................................. ۱۵۹
اِسلام کے دینِ فطرت ہونے کی دلیل ۱۵۹
مقامِ محبت.................................. ۱۶۳
دُنیا میں خوشی و غم کے تمام حالات رَبوبیتِ الٰہیہ کے تحت ہیں.......... ۱۶۴
ایک بار اسمِ ذات کہنے سے ننانوے اَسمائے صفات کی تجلی حاصل ہوتی ہے ۱۶۴
وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ الٰخ کی تفسیر.................. ۱۶۵
صحبتِ شیخ سے دل کا نرم ہونا اور پھر ذکر اللہ کا اثر.................. ۱۶۵
وصول الٰی اللہ شیخ کے بغیر نا ممکن ہے ۱۶۶
ایمان بالغیب کی ایک عجیب حکمت ۱۶۶
انسان کے دل کی بے مثال قیمت ۱۶۷
اہل اللہ کی خدمت نہ کرنے پر قیامت کے دن باز پُرس ہوگی ۱۶۷
جلوتِ نبوت کی جان خلوتِ نبوت ہے.................................. ۱۶۸
اعمال اور میزانِ عدل کی تمثیل پولنگ اسٹیشن سے ۱۷۰
شہواتِ نفسانیہ کی تفہیم ایک مثال سے ۱۷۱
ذکر لاکھ فکروں اور تشویش کے ساتھ بھی مفید ہے ۱۷۲
قبض و بسطِ قلب بمثل مد و جزرِ بحر ۱۷۳
مزاح.................................. ۱۷۳

ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ایک الہامی طریقہ ۱۷۴
ارواح پر محبت کی اَزلی چوٹ ۱۷۵
اللہ تعالیٰ کے ملنے کے دو ہی راستے ہیں ۱۷۵
قرآنِ پاک اپنے بندوں کے نام اللہ تعالیٰ کا خط ہے ۱۷۶
نادانی کی محبت سے بجائے رحمت کے غضب نازل ہو جاتا ہے ۱۷۷
اللہ والے شیخ سے کیسی محبت ہونی چاہیے ۱۷۸
سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا امتحانِ عاشقی اور حق تعالیٰ کی قدردانی ۱۷۹
سنّت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ کرنے کی ایک ترکیب ۱۸۰
امتحان کے پرچے ۱۸۱
روح کی مقوی غذا ۱۸۲
اسلام میں جمہوریت کی حقیقت ۱۸۳
تکلیفِ مجاہدہ کے بعد لذتِ مشاہدہ کی تمثیل ۱۸۴
ایک شعر کی مختصر درد انگیز تشریح ۱۸۵
احقر کے بارے میں حضرتِ والا کے دو شعر ۱۸۵
علمِ دین حاصل کرنے میں نیت کی درستگی ۱۸۵
سب سے بڑی دولت سرمایۂ ایمان ہے ۱۸۷
آیتِ شریفہ میں **ظَلُوْمًا جَھُوْلًا** فرمانا دُشنامِ محبت ہے ۱۸۹
جنّتی ہونے کی علامت ۱۹۱
دین پر ثابت قدمی کا نسخہ ۱۹۲
برائی کا بدلہ نیکی سے دینے کی تلقین ۱۹۴
سائنس اور اہلِ سائنس کا بطلان ۱۹۷
قلب پر رحمانی حکومت اور شیطانی حکومت کی پہچان ۱۹۸
دین محبت ہی محبت ہے ۱۹۹
ظرف کی قیمت مظروف سے ہوتی ہے ۱۹۹
سچا مسلمان بننے کی چار تدابیر ۲۰۰
ذکر اللہ کا اہتمام ۲۰۰
دین صرف آخرت کا نہیں دنیا کی راحت کا بھی ضامن ہے ۲۰۱
اسلام کی حقانیت اور سائنس کا بودا پن ۲۰۷

مخلوقاتِ الٰہیہ میں تفکر، انعاماتِ الٰہیہ کا مراقبہ ۲۱۱
دھن ۲۲۱
دھیان ۲۲۱
لذّاتِ دنیویہ کے قلیل المیعاد اور لذّاتِ روحانیہ کے طویل المیعاد ہونے کی حکمت ۲۲۲
مخالفت ایمان کی پختگی کا ذریعہ ہے ۲۲۳
رُوحانی تربیت کا ایک راز ۲۲۳
حضرتِ والا دامت برکاتہم کی بے پایاں شفقت کی ایک مثال ۲۲۴
قرآن کی حفاظت کا وعدہ حفاظِ کرام کی حفاظت کو مستلزم ہے ۲۲۵
اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی عقلی دلیل ۲۲۶
ابو طالب کی محرومی کا سبب ۲۲۶
ایک الہامی دعا ۲۲۷
اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کی سب سے زیادہ محبوب ادا ۲۲۷
ربوبیت کا ایک خاص اثر ۲۲۸
بقائے نعمت کا طریقہ ۲۲۸
بھوک کی مثال سے شہوتِ نفس کی عجیب دلیل ۲۲۹
اللہ نے اپنی رحمت کے خزانے لٹانے کے لیے ہمیں پیدا کیا ۲۲۹
ایک خواب کی انوکھی تعبیر ۲۳۰
عروج بصورتِ نزول ۲۳۱
دنیائے فانی کے آثار سے کون محفوظ ہوتا ہے؟ ۲۳۱
کیفیتِ دَرد ۲۳۲
ایک علمِ عظیم ۲۳۳
ڈاکٹر ایوب کے خط کا جواب بذریعہ ڈاک لندن بھجوایا ۲۳۴
تقویٰ کی کان کی کرامت ۲۳۴
صحبت کے فوائد ۲۳۵
آخرت کے پرچے میں سوفیصد کامیابی ۲۳۵
ماضی حال اور مستقبل کیسے روشن ہوتا ہے؟ ۲۳۵
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب دعا ۲۳۶
شیخ کا صرف وَلی نہیں مُرشد ہونا بھی ضروری ہے ۲۳۶

توبہ و ندامت سے ماضی حال اور مستقبل کی تلافی ۲۳۶
تعلق مع اللہ کی علامت ۲۳۷
ماضی، حال اور مستقبل روشن کرنے کیلیئے ذکر کماً اور کیفاً کامل ہونا چاہیے ... ۲۳۷
حضرتِ والا کی خوش طبعی و محبت ۲۳۹
احقر کے لیے بشارتِ عظمیٰ ۲۴۰
ربوبیت کے واسطے سے معافی مانگنے کی حکمت ۲۴۱
دنیا کب اچھی نہیں لگتی؟ ۲۴۱
شیخ سے مناسبت کی اہمیت ۲۴۲
مجاہدہ کا انعام ۲۴۳
آدمیت اور شیطانیت کا فرق ۲۴۳
صورت پرستی کے نقصانات ۲۴۴
عافیت میں دعا کا انعام ۲۴۵
حضرتِ والا کا اِستغناء ۲۴۵
کمالِ انسانیتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ۲۴۵
تجلی اسمِ ظاہر و باطن ۲۴۶
صرف ذاتِ حق تعالیٰ محبت کے قابل ہے ۲۴۶
حق تعالیٰ کی محبت کے اسرار ۲۴۷
دو احادیثِ پاک کے اسرارِ عجیبہ ۲۴۷
احقر کے لیے قابل وجد واقعہ ۲۴۸
کھانے کے بعد کی مسنون دعا کی انوکھی تشریح ۲۴۹
ایک علمِ عظیم ۲۵۰
دنیاوی حوادث سے پریشانی کا سبب ۲۵۲
تکبر کا علاج ۲۵۳
مقربیت کی تکمیل محبوبیت پر ہوتی ہے ۲۵۴
اہل اللہ آخر تک نفس سے بے خوف کیوں نہیں ہوتے؟ ۲۵۴
حضرت مہدی کو علیہ السلام کیوں کہا گیا؟ ۲۵۵
اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے معنیٰ ۲۵۶
ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ سے محبتِ الٰہیہ پر استدلال ۲۵۶

یُخۡرِجُھُمۡ مِّنَ الظُّلُمَاتِ الخ پر ایک علمِ عظیم ۲۵۸
ایک تفسیری غلطی کا ازالہ ۲۵۹
طالب کا وسوسہ کہ شیخ کو مجھ سے تکدر ہے خود مانع فیض ہے ۲۶۰
محرومی کا سبب بدگمانی ہے ۲۶۰
کون سی مصیبت عذاب اور کون سی نعمت ہے؟ ۲۶۱
حضوری کا لطف معافی مانگنے پر ہے ۲۶۱
ولی کامل کی پہچان ۲۶۲
اشکِ ندامت کی کرامت ۲۶۳
کرم بالائے کرم ۲۶۵
مربیؒ سے اشد محبت کا انعام ۲۶۵
اہل اللہ سے استفادے کی شرط ۲۶۶
اللہ کا ہر نام عمل کی دعوت دیتا ہے ۲۶۷
ذکرِ قلبی ذکرِ لسانی سے پیدا ہوتا ہے ۲۶۷
ذکرِ حق از دل زدل تا جاں رسد ۲۶۷
آیت فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا کی عاشقانہ تشریح ۲۶۸
دین کی لذّت کی مثال ۲۶۸
عشقِ مجاز کا حاصل ۲۷۰
حفاظت نظر کا حکم حق تعالیٰ کی محبت اور رحمت کا مظہر ہے ۲۷۰
اہل اللہ کی دنیا بھی سرمایۂ آخرت ہے ۲۷۱
خزانۂ قرب کیسے ملتا ہے؟ ۲۷۱
ایک علمِ عظیم ۲۷۲
ابو طالب کے لیے دعا کا قبول نہ ہونا عبدیتِ نبوت کا عروج ہے ۲۷۲
اَمیروں کو غریبوں کا ممنون ہونا چاہیے ۲۷۴
گمراہ لوگوں کا تھرما میٹر ۲۷۴
جملہ فعلیہ سے نازل ہونے کا راز ۲۷۵
گناہ سے دونوں جہاں کا نقصان ہے ۲۷۵
عناصر کے حرام تقاضوں کی ویرانی سے روح سکون پاتی ہے ۲۷۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اعتدال ۲۷۶

رُوحانی اِمپورٹ ایکسپورٹ ۲۷۷
صحبت کی مثال قلمی اور دیسی آم سے ۲۷۸
محبتِ شیخ کے حدود ۲۷۹
حالتِ قبض، حالتِ بسط سے بھی زیادہ مفید ہے ۲۸۱
بجز فضلِ الٰہی کے اللہ کا راستہ طے نہیں ہوسکتا ۲۸۱
گناہوں کی معافی کے ساتھ گناہوں سے پاکی کی دعا ۲۸۲
حضرتِ والا کی محبت اور بشارتِ عظمیٰ ۲۸۲
حضرتِ والا کی بے مثال محبت اور احقر کے لیے دعا ۲۸۳
حضرتِ والا کی دِلجوئی اور شفقت ۲۸۳
سنّت کے مطابق شادی بیاہ اور ولیمہ ۲۸۴
ہدیہ کے بعض آداب ۲۹۳
آخرت کی یاد دلانے والا ایک مضمون ۳۰۰
حسینوں کو دیکھنا بھی بُت پرستی ہے ۳۰۱
نفس کی چار تعریف ۳۰۲
نفس اور شیطان کی دشمنی کا فرق ۳۰۳
اللہ کے راستے میں شیرانہ چال چلو ۳۰۶
پُرلطف حیات پانے اور مُعذب حیات سے بچنے کا نسخہ ۳۰۷
نفس کا مزاج دوزخ کا سا ہے ۳۰۹
اِنسان کا مقصدِ حیات کیا ہے؟ ۳۱۰
عشقِ مجازی سے بچنے کا ایک عجیب و غریب مراقبہ ۳۱۱
عشقِ مجازی کا انجام ذلت و رسوائی ہے ۳۱۴
دنیاوی معشوقوں کی بے وفائی کا حال ۳۱۴
حُسن و عشق کی دنیا کی بے چینیاں ۳۱۶
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ ۳۱۷
مشورہ کرنے کی سنّت پر عمل کر کے اپنی صوابدید پر عمل کرنا ۳۱۸
شہادت کے درجے سے صدیقیت کا درجہ افضل ہے ۳۱۹
مشورہ دینے والوں کے بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجیے ۳۱۹
سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے ایک مخلص کے مشورے کا جواب ۳۲۱

مشورہ دینے کے تین درجے ۳۲۲
مشورہ دینے کے بعد انتظار کرنا اپنے دین کی بربادی ہے ۳۲۲
مشورہ دینے کا اہل کون شخص ہے؟ ۳۲۳
مشورہ پر عمل واجب نہیں ۳۲۳
مشورہ پر عمل نہ ہونے کے باوجود اپنی عبدیت کا توازن قائم رکھو ۳۲۴
مشورہ کی حقیقت کو جانو ۳۲۴
مشورہ کا حق کس کو ہے؟ ۳۲۵
اِنتظامی اُمور میں مشورہ دینے کی شرط ۳۲۶
طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھو ۳۲۶
مشورہ پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں ۳۲۷
پی۔ آر۔ ایف ہسپتال کے افتتاح کے موقع پر نصیحت ۳۲۷
دعائے صلوٰۃِ حاجت کی عجیب عاشقانہ تشریح ۳۳۰
دوسری شادی کے متعلق ملفوظات ۳۳۸
شیخ کے ادب کی تعلیم ۳۴۲
چندے سے متعلق حضرتِ والا دامت برکاتہم کی نصیحتیں ۳۴۴
حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ۳۴۵
حضرتِ والا دامت برکاتہم کا طرزِ عمل اور سلسلے کی برکات ۳۴۷
ہمارے اکابر کا طریقہ ۳۴۸
رنگون کے ایک مولوی صاحب کا واقعہ ۳۴۹
حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل ۳۴۹
بعض مہتمم حضرات کے طرزِ عمل پر نکیر ۳۵۱
ایک عالم کا افسوسناک واقعہ ۳۵۱
علمائے کرام کے لیے آبِ زر سے لکھنے کے قابل بات ۳۵۲
اِستغنا کی برکات کا واضح ثبوت ۳۵۳
اللہ والوں سے چندے کی سفارش کرانے کی قباحت ۳۵۳
اہل اللہ کی اصل میراث اُن کا دردِ دل ہے ۳۵۴
سارا عالم حضرتِ والا کے دردِ دل کا قدر دان ہے ۳۵۵
شیخ کے ساتھ معاملے کا ایک سبق ۳۵۵

حضرتِ والا کی شانِ استغنا ۳۵۶
مدرسۃ البنات سے متعلق ضروری ہدایات ۳۵۸
اخلاقیات ۳۵۹
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ مبارک ۳۵۹
حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق ۳۶۰
کامل ایمان والا کون ہے؟ ۳۶۱
عورتوں پر شوہر کے حقوق ۳۶۱
شوہر اور بیوی میں مساوات کا مسئلہ کم عقلی کی دلیل ہے ۳۶۲
سسرال سے نباہ کرنے کا طریقہ ۳۶۲
بڑوں کا ادب کرنے پر دو انعامات کی بشارت ۳۶۳
اچھے اور بُرے اخلاق کے ثمرات ۳۶۵
مسلمان کے لیے مجلس میں جگہ بنانا اس کا حق ہے ۳۶۶
مخلوق کے ساتھ بھی اخلاص مطلوب ہے ۳۶۷
مخلوق کی تکلیف دُور کرنے پر جنّت کی بشارت ۳۶۸
مخلوق میں محبوبیت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے ۳۷۰
ابرار کون لوگ ہیں؟ ۳۷۲
بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین ۳۷۴
بیویوں کا ایک حق ۳۷۵
والدین کو ستانے والے کی توبہ کا طریقہ ۳۷۷
بندیوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی سفارش ۳۸۰
اچھے اخلاق کثرتِ عبادت کا نام نہیں ۳۸۱
غصہ چالاک ہوتا ہے ۳۸۳
غصہ کا علاج ۳۸۳
پُرسکون زندگی حاصل کرنے کا طریقہ ۳۸۴
بیوی کو ستانے کا عذاب ۳۸۴
بیوی پر مہربانی کرنے کا انعام ۳۸۵
اکمل ایمان کیسے حاصل کریں؟ ۳۸۶
مخلوق پر احسان کرنا اچھے اخلاق کی نشانی ہے ۳۸۷

بیویوں کی کڑوی باتوں پر درگزر سے کام لیں ۳۸۹
عورت کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنے کی وجہ ۳۹۱
شوہر کو ناز دِکھانا عورت کا حق ہے ۳۹۳
بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معیار ۳۹۴
حقوق میں کوتاہی پر بیویوں سے بھی معافی مانگی جائے ۳۹۵
جیب خرچ دینا بیوی کا حق ہے ۳۹۶
عورت کی وفاداری کا عبرت انگیز واقعہ ۳۹۶

◆ ◆ ◆ ◆

عالمِ شباب

وہ عالمِ شباب کہ طوفاں کہیں جسے
سیلاب کی زد میں تھی مرے عشق کی بستی
محفوظ جوانی تھی مری شیخ کے صدقے
گو حُسن کی دولت تھی مرے سامنے سستی
آنکھوں میں وہ نشّہ تھا کہ توبہ مری توبہ
اور حُسن کے گلشن میں جوانی تھی مہکتی
ہر خونِ تمنّا سے مِلا دردِ دل مجھے
ایمان کے پھُولوں کی تھی رنگت بھی نکھرتی
زینت سے بے نیاز تھی وہ میری جوانی
صُورت تھی مری زُلفِ پریشاں سے سنورتی
آئی نظر جو چشمِ بصیرت مری کھُلتی
دُنیائے حُسن تھی مری آنکھوں میں سسکتی
اختؔر نے جب اُلٹ دیا خواہش کا سیلِ آب
منزل مری جانب کو چلی آئی مچلتی

عرضِ مرتب

آج سے تقریباً ۴۴؍ سال پہلے ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں جب احقر پہلی بار حضرت مرشدی ومولائی قرۃ عینی و قلبی، سراج الملۃ والدین، مجددِ دوراں، غوثِ اعظم، شیخ العرب والعجم، عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

کیا کہوں جب حضرتِ والا کا نامِ نامی زبان پر آتا ہے تو قلب وروح میں شہد گھل جاتا ہے اور کیف میں ڈوب جاتا ہوں اور قلم اپنی روش چھوڑ کر حضرتِ والا کی مدح سرائی پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرشدی دامت برکاتہم کا سایۂ عاطفت ہمارے سروں پر تاحیات قائم رکھے اور حضرتِ والا کو پھر سے صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور میرے قلبِ مضطر کو چین بخشے، آمین۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ ۴۴؍ سال قبل جب پہلی بار حضرتِ والا کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرتِ والا حسبِ عادت شریفہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی محبت کی گفتگو اور اپنے ارشادات سے مشرف فرماتے تو احقر کیف و وجد میں ڈوب جاتا کہ ایسے ارشادات نہ کبھی کانوں نے سنے تھے نہ کتابوں میں پڑھے تھے۔ اس وقت احقر کے پاس نہ ٹیپ ریکارڈ تھا، نہ قوی حافظہ تھا، نہ علمی استعداد تھی، جب موقع ملتا تو اپنی یادداشت سے ان ملفوظات کو نوٹ کرلیتا، بعض دفعہ دو دو تین تین دن کے بعد نوٹ کرتا۔

اب اتفاقاً ایک دن وہ پرانا رجسٹر اٹھا کر دیکھا تو احقر کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ عظیم الشان مضامین جو قرآن وحدیث کے الہامی علوم کے ساتھ تصوف وسلوک کی روح اور محبت ومعرفت کے بیش بہا خزانے ہیں نہ جانے کس طرح اس ناکارہ سے قلم بند

ہو گئے۔ کیوں کہ احقر خود کو جانتا تھا کہ نہ احقر کے پاس اتنا قوی حافظہ تھا، نہ علم تھا، نہ کوئی صلاحیت، بے ساختہ دل نے گواہی دی کہ یہ صرف اور صرف حضرتِ والا کی کرامت کا ظہور ہوا ہے جو یہ مضامین ایک بندۂ ناکارہ کے ذریعے ضبط ہو گئے۔

جتنے ملفوظات مرتب ہو سکے وہ پیش نظر کتاب میں شایع کر دیے گئے ہیں، باقی کا ان شاء اللہ آیندہ اشاعت میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ آخر میں چند ملفوظات ۱۹۹۷ء اور اس کے بعد کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شرف قبول عطا فرمائیں، امتّ مسلمہ کے لیے نافع فرمائیں اور قیامت تک صدقۂ جاریہ بنائیں، امین۔

یارب العالمین بحرمة سید المرسلین علیه الصلٰوة والتسلیم

احقر سید عشرت جمیل میرؔ عفا اللہ عنہ
خادم خاص حضرتِ والا دامت برکاتہم
۲۲/ شوال المکرم ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۰/ ستمبر ۲۰۱۲ء

◆ ◆ ◆ ◆

دیدۂ اشک باریدہ

لذّتِ قربِ ندامت گریۂ زاری میں ہے
قرب کیا جانے جو دیدہ اشک باریدہ نہیں

جس کو استغفار کی توفیق حاصل ہو گئی
پھر نہیں جائز یہ کہنا کہ وہ بخشیدہ نہیں
اخترؔ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خزائنِ معرفت و محبت

۱۳؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۹؁ھ ؍ ۳۰؍ مئی ۱۹۶۹؁ء، بروز جمعۃ المبارک
مدرسہ امداد العلوم واقع موسیٰ کالونی کراچی

علم کی حفاظت کے لیے نصیحت

بعد فجر اپنے مدرسے.... میں حضرتِ والا مع چند متعلقین کے تشریف لائے۔ چائے کی دعوت تھی۔ کچھ صاحبان بغیر پنسل کاغذ آگئے تھے، فرمایا کہ کیا آپ لوگوں نے یہ سمجھا کہ بس چائے پی کر اور گپ شپ کرکے واپس آجائیں گے۔ مسلمان کی خلوت ہو یا جلوت اللہ کے ذکر سے خالی نہیں ہوسکتی۔ ایسی مجلس جو اللہ کے ذکر سے خالی ہو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منحوس فرمایا ہے۔ یہ ہماری مجلسیں بھی اسی لیے ہوتی ہیں کہ اللہ کی یاد میں ترقی ہو۔ کسی بھی کام میں لگے ہوئے ہو دل اللہ کے ساتھ رہے، کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غافل نہ گزرے جیسے صحابہ کی شان تھی کہ شام میں ہیں اونٹوں پر غلّہ لادرہے ہیں اور زبان پر اللہ کا تذکرہ چھڑا ہوا ہے؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

ہماری کوئی تقریب محض ہنسی مذاق اور گپ شپ اور تفریح کے لیے نہیں ہوتی یہ تو کافروں کا شیوہ ہے، کیوں کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ دوسرے اپنے مربی کی باتوں کی حفاظت کرنی چاہیے کیوں کہ ان ہی باتوں میں تمہارے دل کی تربیت کا سامان موجود ہے۔ ممکن ہے کسی موقع پر ایسی بات منہ سے نکل جائے جو پچھلے پندرہ سال میں نہ نکلی ہو اور آیندہ بھی پھر کبھی منہ سے نہ نکلے کیوں کہ اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ میں تو اپنے شیخ کے ساتھ جب بھی ہوتا تھا چاہے سفر پہ ہوں یا گھر پر یا کہیں ہمیشہ

اپنی جیب میں ایک کاغذ پنسل رکھتا تھا۔ ایک بار تانگہ میں تشریف لیے جارہے تھے بخاری شریف پڑھتے پڑھتے ایک دم کتاب بند کردی اور فرمایا: حکیم اختر! سن لو دعا مانگتے مانگتے اگر آنسو نکل پڑیں تو سمجھ لو قبول ہوگئی۔

اگر میرے پاس اس وقت کاغذ پنسل نہ ہوتی تو میں بھی ایسے ہی بیٹھا رہتا۔ علم کی بڑی قدر کرنی چاہیے، جو شخص علم کی قدر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اسے محروم رکھتے ہیں۔ آیندہ اگر کوئی خالی ہاتھ آیا تو اس کو سزا دی جائے گی۔ جیسے کوئی یوں کہے کہ گلاب جامن کھا! نہیں تو ڈنڈے ماروں گا۔ گلاب جامن کے لیے ڈنڈا کھانا بے وقوفی ہے کہ نہیں۔ اللہ کا ذکر تو دنیا کی تمام گلاب جامن سے کہیں زیادہ لذیذ ہے۔

اللہ کی راہ میں مزاحمت ترقی کا ذریعہ ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ گھر والے یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت کے پاس آنے سے دنیا کے کام کا نہیں رہے گا اس لیے بعض اوقات کچھ مزاحمت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ اس راستے میں جتنی مزاحمت ہوتی ہے اتنی ہی ترقی ہوتی ہے اور جن کو کچھ مزاحمت نہیں اٹھانا پڑتی ان کی ترقی بھی کم ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص آگے بڑھنا چاہ رہا ہو اور کوئی اس کو پیچھے کو گھسیٹ رہا ہو تو اس کو آگے بڑھنے کے لیے قوت صَرف کرنا پڑے گی اور کیوں کہ آگے بڑھنے میں اس کو مشقت ہوگی تو جو کچھ حاصل کرے گا اس کی اس کے دل میں قدر ہوگی، اور جدوجہد میں قوت پرواز بھی بڑھتی ہے بہ نسبت اس شخص کے جس کو کچھ مشقت اٹھانی نہیں پڑرہی وہ ایک خاص رفتار سے آگے بڑھتا رہتا ہے اور جس کو مشقت کرنا پڑتی ہے وہ لامحالہ اپنی رفتار کو تیز کرتا رہتا ہے کہ کہیں گھسیٹنے والا غالب نہ آجائے۔ یہ راستہ ہی ایسا ہے کہ اس میں لوگوں کی لعن طعن بھی سننا پڑتی ہے۔ لیکن اس لعن طعن کے باوجود جو اپنی جگہ پر قائم رہے اس کا ایمان اور تازہ ہوجاتا ہے اس کے دل سے پھر مخلوق کا خوف نکل جاتا ہے۔ بس استقامت کی ضرورت ہے۔ دنیادار سمجھتے ہیں کہ اللہ والے نکمے ہوتے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اہلِ دنیا اپنی نادانی کی وجہ سے انہیں کاہل کہتے ہیں لیکن آخرت کے کاموں میں تو یہ چاند سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔

کارِ دنیا را زکل کاہل ترند
درره عقبیٰ ز مہہ گومی برند

یہ دنیا کے کاموں سے کاہل نظر آتے ہیں تم آخرت کے کاموں سے کاہل ہو۔ ذرا ایک گھنٹہ مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر کے دکھادو تو پتا چل جائے کہ کیسے جفاکش ہو۔ بات یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل میں ہے جس کے بارے میں حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حقیقت ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں، اور آخرت کی فکر نہیں جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ دنیا آخرت کے تابع ہے، آخرت حقیقت ہے دنیا سایہ۔ سائے کے پیچھے بھاگو گے حقیقت اور دور ہوتی جائے گی۔ آخرت کو پکڑلو سایہ خود قبضے میں آجائے گا۔ اسی وجہ سے اللہ والوں کو روزی بھی عزت سے ملتی ہے، وہ دنیا کو ٹھکراتے ہیں دنیا ان کے قدموں میں آتی ہے۔ بس اللہ والے بن جاؤ یعنی جو مشقتیں اس راہ میں اٹھانی پڑیں انہیں جھیل لو۔ کیا جن کے لیے ہم قربان ہونے کو تیار ہیں انہیں اتنی قدرت نہیں کہ ہماری ضروریات کو پورا کردیں۔ جب آخرت عطا فرمادیں گے تو دنیا جیسی حقیر چیز کیوں نہ دیں گے۔ بہرحال اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے اور والدین اگر اس راستے میں حائل ہوتے ہیں انہیں نرمی سے سمجھادینا چاہیے۔ اگر کبھی کچھ سخت الفاظ نکل جائیں تو دوسرے وقت انہیں راضی کرلو۔ والدین کے سامنے کندھوں کو جھکائے رہو اور اُف تک مت کہو۔ ہاں اگر کسی گناہ کے کام کا حکم کریں تو اطاعت مت کرو۔ والدین جو اللہ کے راستے میں حائل ہوتے ہیں یہ ان کی نادانی کی محبت ہے حالاں کہ یہ ان کی خوش قسمتی ہے کہ ان کا بچہ اللہ والا ہوجائے۔ نیک اولاد صدقۂ جاریہ ہے۔ جو نیک کام یہ کرے گا اس کا ثواب ان کو پہنچتا رہے گا۔ ان کے مرنے کے بعد بھی جب تک نیک اولاد زندہ رہتی ہے والدین کو ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ یہ کوٹ پتلون والے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ ان کی کار کام آئے گی، نہ بنگلہ کام آئے گا۔ ان والدین کو تو اپنی خوش نصیبی پر شکر ادا کرنا چاہیے بجائے اس کے فکر مند ہوتے ہیں۔ مجھے تو انتہائی خوشی ہو اگر مظہر میاں خالی دین کے کام میں لگے رہیں اور دنیا کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوں تو مجھے تو کبھی یہ خیال نہ آئے کہ یہ اپنی زندگی تباہ کررہے ہیں۔ خوش قسمتی کو اگر آدمی تباہی سمجھ لے تو اس کی بدنصیبی ہے۔

اللہ کی محبت کا نشہ

ارشاد فرمایا کہ

ساقیا برخیز دردہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

حافظ شیرازی فرماتے ہیں کہ اے ساقی! اٹھ یعنی اے اللہ! کرم فرمایئے اپنی محبت کا جام پلا دیجیے اور غمِ ایام کے سر پر خاک ڈال دیجیے۔ نشے میں کوئی غم معلوم ہوتا ہے؟ بس ایک غم ہوتا ہے، محبوب کا غم، جو مست کیے رہتا ہے، ہر حال میں ان کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ کوئی حال ہو نظر اللہ تعالیٰ پر رہتی ہے کہ اگر وہ خوش ہیں تو ہر غم لذیذ ہے ورنہ اگر وہ خوش نہیں تو تخت و تاج بے کار ہے۔ جنہیں وہ اپنی محبت کا جام پلا دیتے ہیں دنیا کے غموں سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ ان کی محبت کا نشہ کسی حال میں نہیں اترتا، تلواروں کی دھار کے نیچے بھی نہیں اُترتا۔ جہاد میں سیسے کی دیوار بنے کھڑے ہیں جسم کے پرخچے اڑ رہے ہیں، کیوں نہیں بھاگتے؟ جان پر سے یہ نشہ ہی تو نہیں اُترتا۔ بخلاف اس کے دنیا کا غم کمر توڑ دیتا ہے کیوں کہ بیہودہ ہے۔ اللہ کا غم لذیذ ہے، ایسا نشہ رکھتا ہے کہ غمِ ایام کے سر پر خاک ڈال دیتا ہے۔

وہ تو کہیے کہ ترے غم نے بڑا کام کیا
ورنہ مشکل تھا غمِ زیست گوارا کرنا

اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے میں جو غم اٹھانا پڑتا ہے اللہ کی محبت ہی اسے گوارا کرتی ہے۔ ان کا غم جس سینے میں نہیں ہوتا وہ نافرمانیوں سے بچنے کے غم کو گوارا نہیں کر سکتا۔ مصیبت میں گرفتار ہو جانا معصیت میں گرفتار ہو جانے سے کہیں بہتر ہے کیوں کہ مصیبت تو اللہ کا اور مقرب کر دیتی ہے اور معصیت اللہ سے دور کر دیتی ہے۔ ایک بزرگ کسی مصیبت میں مبتلا تھے کسی نے دیکھا تو بڑا اظہارِ افسوس کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ مصیبت میں گرفتار ہوں معصیت میں نہیں۔ الحمد للہ کہ ”بمصیبتے گرفتار ہستم نہ بمعصیتے۔“ معصیت سے بچنے کے لیے مصیبت بھی مول لی جاتی ہے۔ آخر کیا بات تھی کہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے بیڑیاں پڑ رہی ہیں زنداں میں ڈالا جارہا ہے سب کچھ منظور ہے لیکن محبوب کی نافرمانی منظور نہیں ؎

حُسن جب مقتل کی جانب تیغ برّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابہ جولاں لے چلا

آں چنانش انس و مستی داد حق
کہ نہ زنداں یادش آمد نے غَسَق

زنداں میں انہیں ایسا عشق و مستی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ نہ پھر انہیں زنداں یاد آیا نہ زنداں کی تاریکی ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

جن کے سینے اللہ کی محبت سے خالی ہیں وہ اس خنجر تسلیم کی لذّت کو کیا جانیں۔ ان دنیادار بوالہوسوں کو کیا معلوم کہ اللہ کے غم میں کیا لذّت ہے، وہ تو ہوس رانی میں لگے ہوئے ہیں اور اس غم سے محروم ہیں جو اللہ کی محبت میں اپنی ہوس کو تشنہ رکھنے میں آتا ہے اور خواہشات کو شمع رضائے الٰہی میں جلانے سے میسر آتا ہے۔ سوز غم تو پروانوں کو ہی ملتا ہے، کبھی کسی مکھی کو شمع پر جلتے ہوئے دیکھا ہے؟ مکھی کیا جانے کہ شمع پر جل جانے میں کیا مزہ ہے۔ سرمد بڑے مشہور صوفی گزرے ہیں دہلی میں مدفون ہیں فرماتے ہیں ؎

سرمد غمِ عشق بوالہوس رانہ دہند
سوزِ غمِ پروانہ مگس رانہ دہند

اللہ تعالیٰ اپنا عشق بوالہوس یعنی دنیاداروں کو نہیں دیتے، اپنے عاشقوں کو عطا فرماتے ہیں۔ پروانے کا سوزِ غم پروانے کو ہی دیتے ہیں مکھی کو نہیں دیتے۔ یہ دنیادار تو مکھی ہیں جو دنیا کی لذتوں اور گناہوں کی غلاظت پر بھنبھنارہی ہے، اپنی ہوس کے تقاضوں پر عمل کررہی ہیں انہیں پروانوں کا سوز غم یعنی اللہ تعالیٰ کا عشق نصیب نہیں۔ کیا کسی مکھی کو شمع کے قریب جاتے ہوئے دیکھا ہے؟ جیسے مکھی شمع کے عشق سے محروم ہے ایسے ہی

یہ دنیادار اللہ کے عشق سے محروم ہیں۔ دردِ عشق تو ان کو ہی عطا ہوتا ہے جو پروانوں کی طرح خود کو، اپنے ارادوں کو، گناہ کے تقاضوں کو، رضائے الٰہی کی شمع پر جلا کر خاکستر کر رہے ہیں، اپنی خواہشات کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کر دیتے ہیں، نافرمانیوں کے قریب بھی نہیں جاتے۔ کبھی کسی پروانے کو غلاظت کے قریب جاتے ہوئے دیکھا ہے؟

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باید کرد

یا تن بہ رضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر زیار می باید کرد

فرماتے ہیں کہ اے سرمد شکایت کو مختصر کرو اور ان دو کاموں میں سے ایک کام کرو یا تو اپنے جسم کو رضائے دوست کے حوالے کر دو یعنی احکامِ جسم کو رضائے الٰہی کے تابع کر دو یا پھر دوست سے ہی نظر اٹھا لو یعنی یا تو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کر دو اگر ایسا نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں نہ ملیں گے۔

درسِ تسلیم و رضا

بندے کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہیے۔ حالات موافق ہوں شکر ادا کرو کہ اے اللہ! میں اس قابل نہ تھا میری نا اہلیت کے باوجود آپ نے اپنا فضل فرمایا، اور حالات مخالف ہوں تو اور یقین رکھو کہ اس میں ہی تمہاری کوئی مصلحت ہے البتہ اپنی حاجت کے لیے گریہ وزاری کرتے رہو، مانگتے رہو۔ شکایت کا کوئی لفظ زبان پر نہ آئے نہ دل میں کوئی غلط خیال رہے، مثلاً کسی کی شادی نہیں ہوتی تو یوں سوچنے لگے کہ اگر ہمارے پاس مال و دولت ہوتی تو ہماری بھی شادی ہو جاتی۔ خوب سمجھ لو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہیں پوری کائنات اور کائنات کا ہر ذرّہ اس کی زیرِ ربوبیت ہے۔ امیر ان کی ربوبیت سے خارج نہیں۔ اگر امیروں کو آرام میں دیکھتے ہو تو وہ بھی ان کی ربوبیت کی ایک شان ہے، ان کا یہ آرام روپیہ پیسہ کی وجہ سے نہیں ہے۔ مال میں یہ اثر نہیں ہے کہ ان کی خواہشات کو پورا کر دے۔ جس کو چاہتے ہیں جس حال میں رکھتے ہیں۔

کتنے امیر ایسے ہیں کہ مال دھرا رہ جاتا ہے اور ان کی آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں۔ یوں تو کفار بھی دنیا میں عیش اڑا رہے ہیں کیا کسی مسلمان کے دل میں نعوذ باللہ! یہ تمنا ہو سکتی ہے کہ ہم بھی کافر ہوتے کہ خوب عیش اڑاتے۔ ایسی تمنا کرنا بھی کفر ہے۔ خوب سمجھ لو کہ روس اور امریکا بہ رعایت مراحمِ خسروانہ زندگی کے ایّام گزار رہے ہیں کبھی ان پر لالچ نہ کرنا۔ پھانسی کے مجرم ہیں حکومت نے اپنے خزانے سے روپیہ دے دیا ہے کہ پھانسی لگنے سے پہلے پہلے عیش کرلو، کوئی آرزو دل میں نہ رہ جائے۔ کیا ایسے مجرم کو کھاتا پیتا دیکھ کر کوئی یہ تمنا کرے گا کہ کاش ہمیں بھی یہ عیش مل جاتا۔ ارے تمہارے پاس تو وہ دولت ہے کہ ساری کائنات اس کے سامنے بے قیمت ہے۔ اپنے پاس خزانہ چھپائے ہوئے ہو اور دربدر کوڑیوں کی بھیک مانگتے پھرتے ہو۔

یک سبد پُر ناں ترا بر فرقِ سر
تو ہمی جوئی لبِ ناں دربدر

روٹی سے بھری ہوئی ایک ٹوکری تیرے سر پر رکھی ہے اور تو روٹی کے ٹکڑے کے لیے دربدر مانگتا پھرتا ہے۔ دولتِ ایمان کے سامنے دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ جیسے اہلِ دنیا چاندی کے سکوں کی حفاظت کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ایمان کی حفاظت اور ترقی کی دھن لگی رہنی چاہیے۔

اذکار و وظائف کا مقصد

دین صرف تسبیح گھمانے کا نام نہیں۔ وظائف کا مقصد ہے کہ باریک باریک گناہ نظر آنے لگیں۔ وظائف اسی لیے بتائے جاتے ہیں کہ یہ استعداد پیدا ہو جائے۔ ورنہ اگر اللہ اللہ تو کر رہے ہو لیکن گناہوں سے کوئی پرہیز نہیں تو ایسے وظیفے بالکل بے کار ہیں، کیوں کہ ان کا مقصد تو حاصل ہی نہیں ہوا۔ موٹے موٹے گناہ کا علم تو ہر شخص کو ہوتا ہے حتیٰ کہ خود گناہ گار جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ باریک باریک گناہ نظر آنے لگیں اور ان سے بچنے کا اہتمام طبیعت میں پیدا ہو جائے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سفر کر رہے تھے کہ رات کو ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹھہرنا ہو گیا وہاں کا

اسٹیشن ماسٹر حضرت کا معتقد تھا لیکن تھا ہندو کیوں کہ پلیٹ فارم پر اندھیرا تھا اس لیے وہ لالٹین لے آیا۔ حضرت کو خیال ہوا کہ یہ تو ریلوے کی ہوگی، فرمایا کہ بھائی یہ لالٹین ریلوے کی ملک ہے، ریلوے کے کاموں ہی میں استعمال ہوسکتی ہے ذاتی استعمال میں لانا ہمارے لیے جائز نہیں اسے واپس لے جاؤ۔ وہ ہندو رونے لگا، کہا کہ یہ ہیں اللہ والے۔ کافروں کے دلوں میں بھی اسلام کی حقانیت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اللہ والوں کو دیکھ کر۔ غرض جس جگہ بھی ہو جس کام پر بھی ہو یہ خیال رہے کہ کوئی ایسی بات تو سرزد نہیں ہورہی جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو خصوصاً مدرسوں کے اہتمام اور چندہ کے لیے بڑے تقویٰ کی ضرورت ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ کام اسی کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے جو اعلیٰ درجہ کا متقی ہو، معمولی تقویٰ والے کو تو اس کام کے قریب بھی نہ جانا چاہیے ورنہ ثابت قدم رہنا سخت مشکل ہے۔ اگر کسی میں تقویٰ نہیں ہے تو بے احتیاطی میں مبتلا ہوجاتا ہے اور یہ بے احتیاطی اس راہ میں سمِ قاتل ہے۔ بہت سوں کے حالات خراب ہوگئے۔ ساری ترقی مسدود ہوگئی اور دنیا دار بن کر رہ گئے۔ میرے ایک پیر بھائی تھے ایک مدرسہ کا چندہ وصول کرنا ان کے ذمہ تھا لیکن کرتے کیا تھے کہ ادھر رسید کاٹی اور ادھر خربوزے منگوا لیے، چائے اڑا رہے ہیں لسی پی رہے ہیں۔ نتیجہ کیا ہوا کہ دین تباہ ہوگیا اور بالکل دنیا دار ہوگئے۔ اور صحابہ کا طرزِ عمل کیا تھا کہ ایک بار بیت المال کا اونٹ کھو گیا۔ حضرت عمر خود تلاش کرنے چل دیے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ایک اونٹ کی تلاش میں کیوں جارہے ہیں؟ خدام چلے جائیں گے۔ فرمایا کہ قیامت کے دن عمر سے سوال ہوگا، خادموں سے نہیں۔ اگر اللہ نے سوال کرلیا کہ بیت المال کا اونٹ گم ہوگیا تھا تم نے تلاش کیوں نہیں کیا تو کیا جواب دوں گا۔

عُجب کا نہایت مؤثر علاج

غرض ظاہری و باطنی گناہوں سے بچنے کی ہر وقت فکر رہنی چاہیے۔ بعض دفعہ آدمی ظاہری گناہوں سے بچتا ہے لیکن باطنی گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے مثلاً چندہ اور اہتمام کا کام تو دیانت سے کیا مخلوق میں واہ واہ ہوگئی اور عُجب پیدا ہوگیا کہ واقعی میں بڑا

اچھا کام کرتا ہوں، میں بھی کچھ ہوں۔ بس سمجھ لو کہ کام خراب ہو گیا۔ جب آدمی اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے تو اللہ کی نظر میں بُرا ہوتا ہے۔ اس لیے جب مخلوق تعریف کرے یا دل تعریف کرے تو سالک کو کیا کرنا چاہیے؟ دشمن خارجی ہو یا داخلی دونوں سے ہوشیار رہنا چاہیے اور داخلی اور خارجی دونوں دفاع مضبوط رکھنا چاہیے۔ جب دل تعریف کرے تو داخلی دفاع کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت یہ سوچنا چاہیے کہ میں پیشاب پاخانے سے بدتر ہوں، مجھ سے اچھا وہ کُتّا ہوگا بلکہ پاخانے کا کنستر مجھ سے اچھا ہوگا اگر میرا خاتمہ خراب ہو گیا۔ کیوں کہ اس غلاظت سے حساب کتاب نہیں ہوگا۔ جب تک خاتمہ بالخیر نہیں ہو جاتا اس وقت تک اپنے آپ کو کیسے اچھا سمجھ لوں کیوں کہ خاتمہ پر ہی اچھا یا بُرا ہونا منحصر ہے اور مجھے ابھی اپنے خاتمہ کا علم نہیں کہ کیا مقدر ہے۔ ہاں جس دن خاتمہ صحیح ہو جائے گا اس دن سمجھ لوں گا کہ میں اچھا تھا، اگر آج اپنے آپ کو اچھا سمجھ لوں اور خدانخواستہ خاتمہ خراب ہو جائے تو کیا میں حقیقت میں اچھا ہوں گا اور کیا یہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنا مجھے اللہ کی نظر میں اچھا کرے گا۔ اس لیے جب تک خاتمہ بالخیر نہیں ہو جاتا اس وقت تک میں پیشاب پاخانہ سے، کُتّے اور سور سے بدتر ہوں۔ اسی طرح جب مخلوق تعریف کرے تو گویا خارجی دشمن حملہ آور ہوا ہے۔ اس لیے خارجی دفاع کو مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت اپنے اللہ سے یوں کہو کہ اے اللہ! آپ کی ستّاری ہے کہ آپ نے میرے عیوب کو مخلوق سے چھپا دیا۔ اگر ان عیوب میں سے کسی ایک عیب کی آپ پردہ دری فرمادیں تو لوگ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہ کریں۔ میرے اندر تو ہزاروں عیوب ہیں یہ آپ کا کرم ہے کہ آپ نے لوگوں سے ان کو چھپا دیا۔ اے اللہ! بھلائیاں آپ کو زیبا ہیں برائیاں ہم کو لائق ہیں۔ جس طرح پیٹ کے اندر پاخانہ چھپا ہوا ہے اگر پیٹ میں کوئی سوراخ ہو جائے تو لاکھ عطر لگاؤں لوگ تعفن سے قریب نہ پھٹکیں آپ نے نیکی کا یہ تھوڑا سا عطر لگا دیا اور میرے عیوب کے پاخانہ کو جو میرے اندر موجود ہے چُھپا دیا۔ ہر بیماری کا علاج اپنے اللہ سے مشغول ہو جانا ہے۔ شیطان نے تو تمہارے کان میں پھونک ماری تھی دشمنی سے کہ اللہ سے دور ہو جائے وہ دشمنی ذریعۂ قرب بن گئی پیر کے راستہ بتانے سے۔ کیوں کہ اگر دل

کی تعریف کرنے سے یا مخلوق کی تعریف سے خوش ہو کر تم اپنے آپ کو اچھا سمجھ لیتے تو شیطان کامیاب ہو جاتا لیکن تم نے اپنے آپ کو اور حقیر کرلیا اور اللہ سے مشغول ہو گئے۔ شیطان نے جو دشمنی کرنی چاہی تھی وہ ذریعۂ قرب ہو گئی۔

اللہ والے کسی کی تعریف سے متأثر نہیں ہوتے اسی لیے انہیں قطب کہتے ہیں۔ قطب ستارہ اپنی جگہ سے ہلتا نہیں۔ نہ مخلوق کی تعریف ان پر اثر انداز ہوتی ہے نہ برائی۔ مدح وذم ان کے لیے برابر ہوتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی اپنے مریدوں کے ساتھ ایک بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک بڑھیا نے انہیں مکار کہا۔ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ صرف اس بڑھیا نے جنید کو صحیح پہچانا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ امداد اللہ پر اللہ کی ستّاری ہے ورنہ یہ علماء مجھ سے بیعت ہو سکتے تھے؟ اللہ والوں کی نظر اپنے کمالات پر نہیں ہوتی اپنے عیوب پر ہوتی ہے، وہ اپنے آپ کو دنیا کی ہر شے سے حقیر سمجھتے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بانگ دہل ہولم از دور بود
بغیب اندرم عیب مستور بود

میرے ڈھول کی آواز سے میرا رعب وہیبت دور دور پہنچ گیا ہے لیکن میرے اندر کا جو پول نظر نہیں آرہا اس کی بدولت میرا عیب پوشیدہ ہو گیا ہے۔ ڈھول کے اندر پول ہوتا ہے۔ میرا رعب وہیبت مثل ڈھول کی آواز کے ہے کہ آواز تو دور دور جارہی ہے لیکن اندر سے خالی ہے، عیب دار ہے۔ کیوں کہ وہ نظر نہیں آرہا ہے اس لیے عیب پوشیدہ ہو گیا۔

۱۵؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۶۹ء بروز اتوار

متفرق ملفوظات

آج صبح جب حسبِ معمول حاضرین جمع ہوئے اور حضرتِ والا اپنے ملفوظات سے بہرہ ور فرمانے والے تھے کہ حضرت کے بھانجے کا لڑکا جو ماشاء اللہ بہت شریر ہیں آگئے اور شرارتیں کرنے لگے۔ حضرت نے انہیں ڈانٹ کر اندر بھجوا دیا اور باہر سے کواڑ بند کرا لیے۔ ارشاد فرمایا کہ شیطان علم کے راستے میں اپنا ہر حربہ استعمال کرتا ہے ایسے

موقعوں پر بچوں پر مسلط ہو کر تماشے کراتا ہے تاکہ خلل پڑے اور لوگ علم حاصل نہ کر سکیں۔ لِكُلِّ شَیۡءٍ اٰفَةٌ وَّلِعِلۡمٍ اٰفَاتٌ ہر شے کے لیے ایک آفت ہے اور علم کے لیے بہت سی آفتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس میں شروع میں طالب علم بہت داخل ہو جاتے ہیں لیکن دس پندرہ میں چار پانچ ہی عالم بن کر نکلتے ہیں۔ شیطان اکثر کو بہکا دیتا ہے، کسی کو کچھ پریشانی لاحق ہو گئی، کچھ بیماری ہو گئی یا پڑھنے میں دل نہ لگا بس وہ کان میں پھونک دیتا ہے کہ چھوڑو علم حاصل کرنا تمہارے بس کا نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ کام میں لگے رہتے ہیں اور کسی بات کی پروا نہیں کرتے وہی اس کے مکائد سے محفوظ رہتے ہیں۔ شیطان کو یہ بات کب پسند ہو سکتی ہے کہ اللہ کا علم پھیلے اور کوئی لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ ہو جائے، اس لیے وہ علم سے روکنے میں اپنی پوری قوت صَرف کرتا ہے۔

مدرسہ کا ایک بچہ تسبیح لایا اسے حضرتِ والا نے روزانہ ۳۰۰؍ بار اللہ اللہ کرنا بتا دیا۔ فرمایا کہ ہم اس کے گرو ہیں یہ ہمارا سب سے چھوٹا چیلا ہے۔ مشائخ پہلے طالب علم کو مرید ہونے کو منع فرماتے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی نے طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی فرمایا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اس وقت علم حاصل کرنے میں لگے رہو۔ لیکن اب کیوں کہ فتنے کا زمانہ ہے، جو طالب علم بغیر کسی اللہ والے سے تعلق کیے ہوئے علم حاصل کرتے ہیں مدرسوں سے بالکل کورے نکلتے ہیں، کتابی علم ہوتا ہے سینے نور سے خالی ہوتے ہیں۔ لہٰذا میرے شیخ نے اس فیصلے کو تبدیل فرمایا، اور فرمایا کہ اس زمانے میں طالب علموں کو چاہیے کہ کسی اللہ والے سے بیعت ہو جائیں تاکہ علم کا نور ان کے دلوں میں اُتر جائے اور عمل کی توفیق ہو جائے۔ زمانے کے ساتھ احکام بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے کی برکت سے ان طلبا کی باتوں میں اثر ہی کچھ اور ہو جاتا ہے اور جو اس زمانے میں اللہ اللہ نہیں کرتے وہ کیوں کہ خود عمل سے کورے ہوتے ہیں ان کی باتوں میں اثر بھی نہیں ہوتا۔

کالج کے ایک طالب علم حاضر ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو جو معمولات بتائے تھے پورے کر رہے ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! کلمہ طیبہ کی جو مقدار آپ نے بتائی تھی روزانہ پوری کر لیتا ہوں۔ فرمایا کہ ہاں یہ بہت ضروری ہے۔ اللہ کا نام لینے

سے نور پیدا ہوتا ہے اور طاعت آسان ہو جاتی ہے۔ جو شخص معمولات پورے نہیں کرتا تو ظلمت پیدا ہونے لگتی ہے، طاعات چھوٹنے لگتی ہیں، شیخ کے پاس جانے سے جی چراتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ ہر جنس اپنی جنس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کبوتر کبوتر کے ساتھ رہتا ہے اور باز باز کے ساتھ ”کبوتر با کبوتر باز با باز“۔ اس کی وجہ جنس کی کشش ہے معمولات چھوٹنے سے کیوں کہ ظلمت پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے نور والوں کے پاس اس کا دل نہیں لگتا۔ اور جو شخص اللہ اللہ کر کے نور حاصل کر لیتا ہے اس کا دل کہیں نہیں لگتا سوائے اللہ والوں کی صحبت کے۔ اسے ان کی باتوں میں نور معلوم ہوتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

نوریاں مر نوریاں را جاذب اند

نور والوں کو نور والے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اس لیے اگر کبھی طاعات میں تساہل ہونے لگے اور شیخ کے پاس جانے میں وحشت محسوس ہونے لگے تو سمجھ لو کہ یا تو معمولات چھوٹ رہے ہیں یا کسی گناہ میں مبتلا ہو رہے ہو تو بہ کر لو اور کام میں لگ جاؤ۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی قیمت

ارشاد فرمایا کہ معلوم ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی کیا قیمت ہے؟ حدیثِ شریف میں ہے کہ اگر ساتوں زمین و آسمان ترازو کے ایک پلڑے پر رکھ دیے جائیں اور ایک میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تو یہی پلڑا جھک جائے گا۔ اللہ اکبر! ایسی نعمتیں ہمارے پاس ہیں اور کافر ملکوں کے عیش پر ہم لوگ رال گراتے ہیں۔ ارے ان کافروں کے پاس کیا رکھا ہے۔ کافر صدر ہو یا کافر بادشاہ انہیں کوئی اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ اصلی دولت تو ان کے پاس ہے ہی نہیں۔ کافر بادشاہ یا کافر حاکم تو زمین کے ذرا سے ٹکڑے پر حکومت کر کے اللہ سے غافل ہو گئے اور مومن جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتا ہے تو ساتوں زمین اور ساتوں آسمانوں پر اس کی بادشاہت ہوتی ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ساتوں زمین و آسمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے مقابلے میں ہلکے ہیں۔ بڑی بڑی کافر حکومتوں کے سربراہ اور جملہ کفار تو پھانسی کے مجرم ہیں۔ انگریزوں کے زمانے میں

قانون تھا اور آج بھی ہے کہ پھانسی کے مجرم کو حکومت شاہی خزانے سے روپیہ دلاتی ہے کہ اس کو خوب کھلاؤ پلاؤ، اس کی کوئی آرزو تشنہ نہ رہنے پائے کیوں کہ اسے پھانسی لگنے والی ہے۔ تین دن کے لیے حکومت کی طرف سے چھوٹ دے دی گئی ہے کہ وہ خوب عیش کرلے۔ پھانسی کے مجرم کے تین دن اور ان کافروں کے ساٹھ سال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے انہیں چھوٹ دے رکھی ہے کہ خوب عیش اُڑالو، چاند پر پہنچ جاؤ لیکن کل تمہیں کوئی طاقت ہماری پھانسی سے نہ بچاسکے گی کیوں کہ تم مجرم ہو، تم نے اپنی زندگی کے مقصد کو نہ پہچانا۔ کیا تمہیں چاند پر جانے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا؟ تمہیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا تھا، لیکن اپنے غرور میں تم نے ہماری آیات کا انکار کیا جب کہ ہم نے انسان اور جن کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

تعلق مع اللہ حاصل کرنے کا طریقہ

ارشاد فرمایا کہ زمانہ ایک رخ بہے جارہا ہے پھر زمانے کے خلاف چلنے کی قوت کیسے پیدا ہو، ایمانِ کامل کیسے حاصل ہو؟ بس اس کا ایک ہی راستہ ہے کسی اللہ والے کے پاس رہ پڑو۔ ایمان کا ادنیٰ درجہ تو ہر مومن کو حاصل ہے، ضرورت تو کمال ایمان کی ہے۔ یہ راستہ تو ولایت کا ہے، ایمان کے ادنیٰ درجے پر قناعت کرنے کا نہیں۔ ایمان کا کمال حاصل ہو گا کسی اللہ والے کے پاس رہنے سے۔ جو لوگ ہر وقت فاسقوں اور نافرمانوں کے پاس بیٹھتے ہیں ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی ان جیسے ہی نہ ہو جائیں، جیسے کوئی ناک والا نکٹوں میں چلا گیا تھا تو نکٹوں نے اسے ہی نکٹا بنادیا شور مچ گیا کہ نکٹا آگیا نکٹا آگیا، نکٹوں کے پاس رہنے سے پھر وہ سوچنے لگتا ہے کہ میں ہی نکٹا ہوں اور یہ گناہ کی لذّتیں اٹھانے والے ہی صحیح ہیں۔ گھروں میں، دفتروں میں کالجوں میں بازاروں میں آج کل ایسے ہی نکٹے بھرے ہوئے ہیں جہاں داڑھیوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، نماز روزہ کرنے والے پر پھبتیاں کسی جاتی ہیں، جہاں دین اور آخرت کی بات کی تو فوراً کہا جاتا ہے کہ ہٹ جاؤ مولوی صاحب آگئے۔ اس لیے گھروں اور دفتروں سے کسی ناک والے کے پاس کچھ دیر کے لیے آجایا کرو۔ وہ تمہیں بتائے گا کہ تمہاری ناک ہی ٹھیک ہے نکٹوں

کے کہنے پر نہ جاؤ۔ اس کے پاس آنے سے نکٹوں کی صحبت کا اثر زائل ہوتا رہے گا اور تمہیں اپنی ناک کا یقین بڑھتا رہے گا۔ مخلوق کے طعن میں کیا رکھا ہے۔ مخلوق تو مٹی ہے۔ ایک دن تم بھی نہ رہوگے وہ بھی نہ رہے گی۔ اس وقت تمہارا عمل ہی تمہارے کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے سچے اور پکے دوست بن جاؤ لیکن اللہ کی دوستی کیسے حاصل ہوگی، خود ہی اس کا طریقہ بھی بتاتے ہیں، فرماتے ہیں:

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[1]

اللہ والوں کے ساتھ رہ پڑو۔ رہ پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مستقل ان کی صحبت اختیار کرو، یہ نہیں کہ آج آگئے اس کے بعد مہینوں کو غائب ہوگئے پھر کبھی جی چاہا تو ہو آئے، نہیں! بلکہ ان کے پاس جانے کا معمول بنالو۔ پابندی کے ساتھ ان کی خدمت میں رہو، پھر دیکھنا اللہ کا کیسا قرب نصیب ہوتا ہے، کیسا رنگ چڑھتا ہے کہ پھر کوئی رنگ تم پر نہیں چڑھ سکتا۔ گہرا رنگ نصیب ہوجائے گا، گہرے رنگ پر کوئی رنگ نہیں چڑھ سکتا، ہلکے رنگ پر کوئی رنگ چڑھالو۔ اللہ والے جتنے بھی ہیں وہ اللہ والوں کی صحبت سے ہی بنے ہیں۔ صحبت کی برکت سے ایسی استقامت نصیب ہوجاتی ہے کہ دنیا بھر کی طاقتیں چاہیں کہ یہ اللہ کو چھوڑ دے، کفر کے تمام ممالک ایٹم بم کی قوت لگادیں، یہ اپنے جسم کے پرخچے اڑادے گا لیکن اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جو اللہ والوں کے پاس نہیں رہتے چاہے خود اپنے طور پر عبادت بھی کرتے ہوں مگر انہیں استقامت نصیب نہیں ہوتی کیوں کہ بغیر صحبت کے اللہ کی محبت دل میں نہیں آسکتی اور بغیر محبت کے استقامت نصیب نہیں ہوتی، کیوں کہ بغیر صحبت کے اللہ کی محبت دل میں پوری نہیں آسکتی اور بغیر محبت کے استقامت سخت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ پرتاب گڑھ میں میں نے ایک صاحب کو دیکھا ہے ان کا ایک رکوع اتنی دیر کا ہوتا تھا کہ ہم چار رکعات پڑھ لیں۔ چہرہ داڑھی سے بھرا ہوا تھا۔ سالوں تک ایسی نمازیں پڑھتے رہے پھر جو دیکھا تو داڑھی صاف تھی اور نمازیں غائب ہوگئیں۔

---

[1] التوبة:۱۱۹

معلوم ہوا کہ داڑھی اس لیے رکھی ہوئی تھی کہ ایک گال پچکا ہوا تھا، اور نماز اس لیے پڑھتے تھے کہ صحت خراب تھی، جب اللہ نے صحت دے دی سارے اعمال چھوٹ گئے۔ افسوس کہ گال کے لیے نماز پڑھتا تھا، کسی اللہ والے کی صحبت مل جاتی تو اللہ کے لیے پڑھتا۔

دین کے معاملے میں مخلوق کی لعن طعن کی پروانہ کیجیے

ارشاد فرمایا کہ آج مخلوق کے طعن کے خوف سے لوگ دین کے بہت سے احکامات پر عمل نہیں کرتے۔ اگر کوئی ان کے ماں باپ پر طعن کرے تو برداشت نہیں کرسکتے، بیوی بچوں کو مخلوق کے طعن کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے لیکن افسوس ہے ہمارے ایمان کے انحطاط پر کہ مخلوق کے طعن سے دین کو چھوڑ دیں گے۔ اگر لوگ تمہارے ماں باپ کو گالی دینے لگیں تو کیا اس وقت چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھے رہو گے کہ لوگ تم پر طعن کریں گے کیوں کہ زیادہ تر تمہارے ماں باپ کے خلاف ہیں۔ اس وقت آدمی جان کی بازی لگا دے گا اگر غیرت رکھتا ہے اور ان کی مدد کو آئے گا، مخلوق کی ذرا پرواہ نہ ہوگی۔ کیا اللہ و رسول کی محبت ماں باپ سے بھی کم ہے کہ مخلوق کے خوف سے ہماری غیرت جوش میں نہ آئے مخلوق کے طعن سے تو ایمان اور پختہ ہوجانا چاہیے شکر کرو کہ ان کے راستے میں ستائے جارہے ہیں:

اُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ[۲]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ہمارے راستے میں ستائے گئے تھے۔ قرب تو یوں ہی نصیب ہوتا ہے۔ کیا بغیر تکلیف اٹھائے اللہ کا دوست ہونا چاہتے ہو؟ جب دوستی کا دعویٰ کیا ہے تو کچھ کرکے دکھاؤ۔ آج اگر کوئی طعن کرتا ہے تو برداشت کرلو کچھ جواب نہ دو بلکہ اس کی بھلائی سوچو، کیا کسی کو یہ پسند ہوگا کہ وہ جنّت میں ہو اور اس کا بھائی دوزخ میں ہو۔ برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی ایک کافر سے جنگ

---

[۲] اٰل عمرٰن:۱۹۵

ہو رہی تھی۔ وہ پہلوان تھا۔ یہ اسد اللہ تھے۔ اسے گرالیا سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور اس کے گلے پر تلوار چلانے والے تھے کہ اس نے منہ پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے فوراً تلوار میان میں رکھ لی اور سینے سے اتر گئے۔ اس کافر کو سخت تعجب ہوا پوچھا کہ آپ مجھے قتل کرنے سے کیوں رک گئے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے جواب دیا۔

تیغ را من از پئے حق می زنم
عبد حقم نے کہ مامور تنم

اس وقت میں تیغ اللہ کے لیے چلارہا تھا میں اپنے اللہ کا بندہ ہوں اپنے نفس کا بندہ نہیں ہوں۔

شیر حقم نیستم شیر ہوا

میں اللہ کا شیر ہوں خواہش نفسانی کا شیر نہیں ہوں۔ یہ ہیں اخلاص والے لوگ۔ ان کا کوئی عمل اپنے نفس کے لیے نہیں۔ معلوم ہے اس کافر پر کیا اثر ہوا؟ اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا کہ یہ دین سچا ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ یہ جھوٹا ہو، جس کے ماننے والے کوئی عمل اپنے لیے نہ کرتے ہوں بلکہ کسی اور کے لیے کرتے ہوں معلوم ہوا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ موجود ہیں ورنہ عمل میں اتنا اخلاص آ ہی نہیں سکتا تھا۔ پوری دنیائے کفر بلکہ کفر کی پوری تاریخ ایسی ایک مثال لا کر دکھائے۔ ہرگز ایک مثال ایسی نہیں مل سکتی۔ یہ تو مردہ جسم کو بھی نہ چھوڑیں۔ مرنے کے بعد حضرت حمزہ کا کلیجہ کھالیا تھا یہ وہ قوم ہے۔ یہ ہمارا اسلام ہی ہے کہ عین جہاد کے وقت حکم دیتا ہے کہ اگر کافر بوڑھا ہے تو اسے قتل مت کرو، تلوار خالی جوانوں پر چلے بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو مت مارو، قید کرلو۔ قیدیوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، زخمی ہے تو مرہم پٹی کرنی پڑے گی۔ جو خود کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ۔ صحابہ نے تو خود چنے چبا لیے ہیں اور عمدہ کھانا انہیں کھلا دیا ہے۔ نرمی کا تو یہ حال ہو کہ دشمنوں کے ساتھ بھلائی کرو اور سختی کا یہ حال ہو کہ ان کے حملے ان کے طعن تمہیں اللہ کے راستے سے نہ ہٹا سکیں۔ ایمان کی علامت کیا ہے؟ دل میں مخلوق کا خوف نہ رہے کہ معاشرہ، ماں باپ، اعزا اقربا اور محلہ والے کیا کہیں گے کہ انہوں نے داڑھی رکھ لی۔ برا سمجھیں گے یا میرے اسلامی طریقوں پر طنز کریں گے۔ مخلوق سے نظر اٹھ جائے۔ بس

خالق سے ملی رہے۔ ماں باپ سے لوگ اگر لڑنے آجائیں تو ان کی محبت میں کسی کے طعنہ کا خوف نہیں رہتا ہے۔ ماں باپ سے بڑھ کر اللہ و رسول کی محبت ہونی چاہیے۔ اگر مخلوق کی نظر میں تم حقیر بھی ہو گئے تو تمہارا کیا بگڑ گیا۔ خلیفہ ہارون رشید کی سواری گزر رہی تھی، ایک بھنگی نے بادشاہ کو دیکھا اور کہا کہ آج خلیفہ ہارون رشید میری نظروں سے بالکل گر گیا۔ بادشاہ نے سن لیا وہ ہنسا اور وزیروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہے کوئی جو اس بھنگی کی نگاہ میں مجھے باعزت کر دے۔ ایک بھنگی کی نگاہوں میں اگر بادشاہ حقیر ہو گیا تو بادشاہ کی عزت میں کیا فرق آتا ہے۔ دنیاداروں کی حقیقت بھنگی سے زیادہ نہیں، اور جو اللہ کے دین کو تھامے ہوئے ہے وہ مقرب ہے۔ شہزادہ ہے اسے سوچنا چاہیے کہ اللہ کے نزدیک میری عزت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا کے نزدیک میری عزت ہے، تمام اولیاء صلحائے امّت کے نزدیک میں باعزت ہوں:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ[۳]

عزت اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور مومنین کے لیے۔ اگر چند بھنگی مجھے ذلیل سمجھ رہے ہیں تو ان کے سمجھنے سے میں ذلیل نہیں ہو سکتا۔ ذرا سی استقامت کی ضرورت ہے پھر یہی دنیا دار عزیز اقربا و دوست قدموں میں آجائیں گے۔ جب ان پر دین کی حقیقت کھلے گی جب ان کا بچہ بیمار ہو گا یا جب ان کی روزی پر بات آئے گی یا کوئی اور پریشانی ہو گی یہ تم ہی سے دعا کرائیں گے اور وہی لوگ پھر خود بھی دیندار ہو جائیں گے۔ میرے ایک عزیز جو مجھ سے سخت دشمنی رکھتے تھے صرف دین کی وجہ سے کہتے تھے کہ یہ بالکل نکما ہے دنیا کے کام کا نہیں اور لوگوں کے سامنے ذلیل کرتے تھے۔ میں تنہائی میں اپنے اللہ سے روتا تھا کہ اے اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی وجہ سے میں کتنا ستایا جا رہا ہوں اپنے لیے استقامت کی اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتا تھا، آج وہی ہیں کہ اپنی حرکات پر سخت نادم ہیں اور خطوں میں لکھتے رہتے ہیں کہ پنشن مل جائے بس پھر میں تمہارے پاس رہوں گا اور اپنے بچوں کو عالم بناؤں گا۔ اللہ کے راستے میں تو جان دینے کے

---

[۳] المنافقون:۸

لیے تیار رہنا چاہیے۔ جان چلی جائے اور اللہ تعالیٰ مل جائیں تو بھی سمجھ لو کہ سستا سودا ہو گیا۔ ایک طالب علم تھا حدیث شریف پڑھنے ایک مدرسے میں داخل ہو گیا تھا۔ استاد نے اس کے کھانے کا انتظام ایک صاحب کے یہاں کر دیا۔ اس طالب علم کو معلوم ہوا کہ وہ صاحب رشوت لیتے ہیں اس نے ان کے یہاں سے کھانا لینا چھوڑ دیا اور استاد سے بھی کچھ نہ کہا۔ ان صاحب نے خود سے کہا کہ وہ طالب علم آتا ہی نہیں۔ بعد میں استاد کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ وہ چوں کہ رشوت لیتے ہیں اس لیے میں ان کے یہاں نہیں کھا سکتا۔ وہ استاد بھی دنیادار تھے، کہنے لگے کہ اگر اتنا تقویٰ اختیار کرو گے تو پھر بھوکے مر جاؤ گے۔ طالب علم نے کہا کہ کوئی ہیضہ سے مرتا ہے، کوئی طاعون سے مرتا ہے میں اگر اللہ کے خوف سے مر گیا تو کیا بات ہے۔ مجھے اللہ کو ناراض کر کے زندہ رہنا پسند نہیں۔ معلوم ہے اس طالب علم کو کیا عزت ملی، شہر کے لوگ اس کے خریدار ہو گئے۔ استاد سے درخواست کرتے تھے کہ اس طالب علم کو ہمیں دے دیجیے ہمارا کھانا اگر یہ کھالے گا تو ہماری خوش نصیبی ہو گی، ہمارے رزق میں برکت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دنیا میں بھی عزت عطا فرماتے ہیں اور آخرت تو ان کے لیے ہے ہی۔ اس بے دینی کے دور میں بھی داڑھی والوں کو سلام ملتا ہے۔ ایک داڑھی منڈانے والا داڑھی والے کو سلام کرتا ہے اپنے ہم شکلوں کو سلام نہیں کرتا۔ فاسقوں کے دلوں میں بھی داڑھی والے کی عزت ہوتی ہے۔ اگرچہ ہماری داڑھیاں نقلی ہیں لیکن یہ نقلی داڑھیاں بھی کام آتی ہیں دنیا اور آخرت میں۔

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

اہل اللہ کی وضع قطع کی اہمیت

ارشاد فرمایا کہ فرعون کے جادوگروں کو اللہ تعالیٰ نے صرف نبی کی صورت بنانے پر ہی تو ایمان عطا فرمایا تھا۔ جب ان جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے بہت سارے سانپ بنائے جو ان کی طرف بڑھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو، وہ اژدھا بن گیا اور تمام سانپوں کو کھا گیا پھر جادوگروں کی

طرف بڑھنے لگا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل بنالی حالاں کہ یہ صرف انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے کیا تھا لیکن اللہ کی رحمت جوش میں آگئی کہ یہ اس وقت میرے نبی کی صورت میں ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے نبی کی صورت بنانے والوں کو میں آگ میں جلاؤں، اسی وقت ان جادو گروں کو دولتِ ایمان عطا فرمادی۔ انہوں نے صورت بنائی تھی اللہ تعالیٰ نے اسے حقیقت بنادیا۔ اس وقت وہ لوگ سجدے میں گر گئے۔ فرعون نے کہا کہ اچھا یہ موسیٰ سے ملے ہوئے ہیں۔ اسے کیا خبر کہ اللہ نے نواز دیا۔ اپنی وضع قطع شکل و صورت اللہ والوں کی سی بناؤ۔ تمہاری فوج میں تمہارا ہی کوئی سپاہی ہندوستانی وردی میں آجائے جبکہ ہندوستان سے جنگ بھی ہورہی ہو۔ وہ لاکھ کہے کہ دل سے وفادار ہوں لیکن حکومت نہیں چھوڑے گی۔ تم بھی اللہ کے سپاہی ہو تمہاری ہر سانس کفر سے جنگ ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے لباس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ نافرمانوں کے لباس میں ہو اور دعا مانگ رہے ہو کہ اللہ پاس کر دے، ملازمت دلادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بناؤ۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی دن میں شکل بنالوگے بلکہ عقیدہ کو درست کرلو، کافروں کے کوٹ اور پتلون اور ان کے تمام طریقوں کو دل سے بُرا سمجھو اور اپنے نبی اور صحابہ کے طریقے کو دل سے اچھا سمجھو اور سوچا کرو کہ یہی طریقہ اللہ کو پسند ہے پھر ہمیں کیوں پسند نہ ہو۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ؎

اے نبی! آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری چلن چلو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کے دعا مانگا کرو کہ اے اللہ! آپ جن باتوں سے خوش ہوتے ہیں مجھے ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائیے، اور جن باتوں سے آپ ناراض ہوتے ہیں ان سے بچنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائیے، پانچوں وقت یہ دعا مانگا کرو کہ اے اللہ! مخلوق کی محبت اور خوف میرے دل سے نکال دیجیے اور اپنا خوف اور اپنی محبت عطا فرمائیے۔ مخلوق کی نظر میں ایسی عزت جس سے اللہ کی نظر میں

؎ آل عمرٰن:٣١

آدمی ذلیل ہوتا ہے کس کام کی! دنیا کا ایسا نفع جس سے آخرت تباہ ہو جائے کس کام کا۔ آج عام بات ہے لوگ حکومت سے سودی قرضہ لے کر بلڈنگیں بنوا رہے ہیں حالاں کہ سود لینے اور دینے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم سے اعلان جنگ ہے۔ اللہ سے کوئی جنگ جیت سکتا ہے؟ ایسے لوگوں کا خاتمہ ہی خراب ہو جاتا ہے۔ ایک ایسی بلڈنگ میں رہ رہا ہے جو سودی پیسہ سے تیار کی گئی ہے اور ایک جھونپڑی میں رہ رہا ہے جو حلال پیسہ سے تیار کی گئی ہے یہ دو دریا ہیں، یہ دونوں دریا کہاں جا رہے ہیں؟ ایک ہمیشہ راحت کی طرف اور ایک ہمیشہ عذاب کی طرف۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے محفوظ فرمائے، اور جو مسلمان سود سے اور نافرمانیوں سے نہیں بچ رہے انہیں ہدایت عطا فرمادے۔ ہمیں بھی اور انہیں بھی معاف فرمادے۔

رسوخِ ایمان کی علامت

جب آدمی کے دل میں ایمان راسخ ہو جاتا ہے تو نافرمانیوں سے دل کو کراہت ہو جاتی ہے چاہے اس نافرمانی میں دنیا کا کتنا ہی بڑا نفع کیوں نہ نظر آرہا ہو۔ صحابہ کو نبی کی صحبت بلکہ ایک نظر کی بدولت یہی چیز تو حاصل ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے لیے فرماتے ہیں:

حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ[۵]

ایمان کو تمہاری طرف محبوب کر دیا اور مزین کر دیا تمہارے دلوں میں اور ناگوار کر دیا تمہاری طرف کفر کو فسق کو اور عصیان کو یعنی تمام گناہوں کو۔ اسی مضمون کو بطور دعا مانگا کرو کہ اے اللہ! اپنے نبی اور ایک لاکھ صحابہ کے صدقہ میں اپنے نبی کے ایک ادنیٰ غلام کے دل میں بھی ایمان کو محبوب اور مزین فرمادیجیے اور کفر و فسوق و عصیان کو مکروہ فرما دیجیے۔ کراہت کے معنیٰ ناگواری کے ہیں۔ جیسے کسی گندی چیز سے طبعی کراہت ہوتی ہے ایسی ہی گناہ سے ہونی چاہیے۔ کفر و فسق کی کوئی بات دل کو نہ بھانی چاہیے۔

---

[۵] الحجرات:۷

اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھنا شعبۂ ایمان ہے

جب کسی کافر کی کوئی بات بھلی معلوم ہو تو سمجھ لو کہ دل میں بیماری ہے، ایمان نہیں ہے۔ باپ کے دشمن سے دلی بغض ہوتا ہے یا نہیں ؟ ایسے ہی اللہ کے دشمن سے جانی بغض ہونا چاہیے چاہے وہ چاند پر جائیں یا مریخ پر۔ کیا ان کا چاند پر پہنچ جانا انہیں اللہ کے عذاب سے بچالے گا؟ جو اپنے رب کو نہ پہچان سکے، اگر انہوں نے چاند کو پہچان لیا تو کیا کمال ہے۔ ان کے دعوے ایسے ہیں جیسے ایک گدھے نے پیشاب کیا اس میں ایک تنکا بہنے لگا ایک مکھی اس پر بیٹھ گئی اور سر ہلا ہلا کر کہنے لگی کہ میں بہت بڑی تیراک ہوں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صاحبِ تاویلِ باطل چوں مگس
وہمِ او بولِ خر و تصویرِ خس

چاہے سائنس ہو یا کچھ اور قرآن و وحی کے سامنے ایسی ہی ہے۔ کافر اوہام میں مبتلا ہیں، ان کا وہم کیا ہے جیسے گدھے کا پیشاب اور خس کی تصویر۔ اصل علوم تو علومِ نبوت ہیں جو لوگوں کی جانوں کو اللہ سے باخبر کر دیتے ہیں۔ علم کے ساتھ عمل کی توفیق مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے۔

گناہ کی پُر فریب لذّت کی مثال

گناہ کی لذّت سے پناہ مانگو۔ اس لذت سے اللہ محفوظ فرمائے۔ گناہوں میں ایک لذّت رکھ دی ہے اس لذّت پر مت جانا، بس دو منٹ کی لذّت ہے اس کے بعد تکلیف ہی تکلیف ہے۔ جیسے پاخانے کی کوڑی پر برسات میں سبزہ جم آتا ہے جو دیکھنے میں بڑا خوشنما معلوم ہوتا ہے جیسے چمن کھلا ہوا ہو لیکن چمن اوپر ہی اوپر کا ہے، جس نے پہلے اس پاخانے کو نہیں دیکھا ہے وہ اس کے دھوکے میں آجائے گا۔ بس گناہ بھی دیکھنے میں ایسے ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں اور ان کی لذّت بھی اتنی ہی دیر کی ہے بعد میں اللہ کے قہر و غضب کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔ شیطان گناہوں کی لذّتوں کو خوبصورت کرکے دکھاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم اللہ کے راستے پر نہ چلو، لیکن اللہ اور اس کا رسول

کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے پہلے خبردار کردیا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور ہم تمہارے دوست ہیں دشمن کے کہنے سے دوست کا پیمان مت توڑو۔

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی
ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

دشمن کے کہنے سے دوست کا پیمان مت توڑ، دیکھ لے کہ کس سے رشتہ توڑا اور کس سے جوڑا۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اس جملے پر رونے لگتے تھے۔ شیطان کے کہنے میں آکر اللہ سے رشتہ توڑ رہے ہو اور دشمن سے جوڑ رہے ہو۔ شیطان کے حربے مختلف ہیں کبھی یہ گناہوں کی لذت دکھا کر اللہ سے رشتہ توڑ دیتا ہے کبھی مخلوق کے طعن و تشنیع کا خوف دِلا کر اللہ سے دور کر دیتا ہے۔

راہِ حق میں مخلوق کے طعن و تشنیع سے نہیں ڈرنا چاہیے

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے راستے میں غم جھیلنے سے اور مصیبت اٹھانے سے ہی ایمان چمکتا ہے۔ مخلوق اگر طعنہ نہ دے تو ایمان بھی نہ چمکے۔ صحابہ نے طعنے سنے تھے، چوٹیں کھائی تھیں، تلواریں چلائی تھیں، اپنا خون بہایا تھا جب ہی تو ان کا ایمان چمکا تھا۔ ان کی قربانیوں کی بدولت ہی ایمان کی روشنی ہم تک پہنچی ہے۔ پھر جو مذاق اڑاتا ہے اس کا بھی دل کہتا ہے کہ میں غلط راستے پر ہوں، صحیح راستے پر وہی ہے کہ اللہ کو یاد کر رہا ہے۔ جس کے ضمیر میں تھوڑی سی بھی زندگی کی رمق ہوگی وہ یہ ضرور سوچے گا چاہے بظاہر مذاق اڑاتا ہے۔ میں جب طبیہ کالج الٰہ آباد میں پڑھتا تھا تو میں ہی ایک داڑھی والا تھا، لڑکے جملے کَسا کرتے تھے، دل کو تکلیف ضرور ہوتی تھی لیکن کالج سے واپس آتے ہی حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چلا جایا کرتا تھا اللہ والوں کی تلاش میں رہا کرتا تھا۔ نکٹوں سے نکل کر ناک والے کے پاس چلا جایا کرتا تھا۔ ایمان تازہ ہو جاتا تھا۔ ان کے سارے جملے بھول جاتے تھے۔ اللہ کے راستے میں ایسے ہی ستائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے نیک بندوں کو کیوں ستاتے ہیں، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ان کا جرم کیا ہے؟ ان کا جرم یہ ہے کہ یہ ہم

پر ایمان لے آئے ہیں ہماری نافرمانی نہیں کرتے:

وَ مَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ[٦]

لوگ اسی لیے ستاتے ہیں کہ ان کا عیش کرکرا ہوتا ہے، اپنی پیٹھ پر وہ ہمیں ناسور سمجھتے ہیں کہ یہ ساتھ رہتے ہیں تو کیوں ہماری طرح لڑکیوں پر جملے نہیں کستے، کیوں ہمارے ساتھ سینما نہیں جاتے ہر وقت اللہ رسول کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ بس ان کے طعنوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرلو۔ دل کو غم ہوگا، یہی غم کیمیا ہے۔ جس سونے پر زنگ لگ جاتا ہے اگر وہ آگ کی آنچ برداشت کرلے تو زنگ دور ہوجائے گا۔ ایمان بھی اس غم کی آنچ سے چمکے گا۔ یہ لوگ جو آج مذاق اڑا رہے ہیں کل خود ہی نادم ہوں گے۔ ہم گناہ گاروں کی کیا ہستی ہے اللہ کے معصوم نبی کو اس راستے میں کیسی کیسی ایذائیں پہنچائی گئی ہیں، طائف کے بازار میں اللہ کے محبوب کے اتنے پتھر مارے گئے کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ وہ خون کوئی معمولی خون تھا؟ اللہ کے نزدیک اس خون کا ایک قطرہ زمین و آسمان عرش و کرسی لوح و قلم سے زیادہ قیمتی ہے۔ عرش غضبِ الٰہی سے ہل گیا۔ طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں پر جو فرشتے مامور تھے حاضر ہوگئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کہیں تو ہم ان پہاڑوں کو ایک دوسرے سے ملادیں کہ اہل طائف بالکل آٹے کی طرح پس جائیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! شاید ان کی اولاد ایمان لے آئے، یہ بے خبر ہیں یہ پہچانتے نہیں۔ یہ ہوتا ہے نبی کا ایمان اور یقین۔ ہمیں ایمان جیسی دولت مفت میں مل گئی ہے اس لیے ہمیں اس کی قدر نہیں، ورنہ جن کے کلیجے اس راستے میں منہ کو آگئے انہوں نے ایمان کی قدر پہچانی، کیسی کیسی ایذائیں برداشت کی ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

بَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابۡتُلِیَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا[٧]

---

[٦] البروج:٨

[٧] الاحزاب:١٠-١١

یہاں تک کہ ان کے کلیجے منہ کو آگئے۔ ایمان بغیر غم اٹھائے ہوئے نہیں چمکتا۔ مخلوق سے جو اذیت پہنچے برداشت کرو، گناہوں سے بچنے میں جو غم ہو اس کو جھیل جاؤ، غموں کی اس آگ سے ایمان چمک اٹھے گا۔ اگر یہاں اپنے ایمان کا سونا نہیں چمکاتے تو دوزخ میں اس کو چمکایا جائے گا۔ جو کالا کلوٹا سونا ہوگا اس کا زنگ دور کرنے کے لیے اس کو وہاں آگ میں رکھا جائے گا، پھر پاک صاف کر کے جنّت میں بھیجیں گے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہیں وہ گندی چیز کو کیسے خرید سکتے ہیں؟ لیکن مخلوق کا طعن سننا آسان ہے، گناہوں سے بچنے کا غم اٹھانا آسان، لیکن سمجھ لو اس آگ کا تحمل نہ ہو سکے گا۔ یہاں خواہ کتنی ہی تکلیف ہو قابلِ برداشت ہے، دوزخ کی تکلیف برداشت نہ ہو سکے گی۔ اس تکلیف سے بچنے کا سامان کر لو ورنہ بعد میں پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دعا مانگو کہ اے اللہ! مخلوق آپ کے راستے سے مجھے ہٹا رہی ہے آپ استقامت کا فیضان میرے اوپر ڈال دیجیے:

رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ[۸]

اے اللہ! صبر کا فیضان میرے اوپر ڈال دیجیے اور مجھے اسلام کی حالت میں موت دیجیے۔

جب کسی کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اس کو بجلی کا شاک دیا جاتا ہے تاکہ قوت پیدا ہو جائے۔ لوگوں سے طعنہ اور اذیت دلا کر اللہ تعالیٰ ہمارے دل پر کرنٹ مارتے ہیں کہ ایمان میں حرارت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح گناہوں سے بچنے سے جو غم پیدا ہوتا ہے وہ بھی کرنٹ ہے ایمان چمکانے کا۔

حفاظتِ نظر پر قربِ الٰہی کی مٹھاس کا انعام

حدیثِ قدسی ہے کہ جس وقت بندہ کسی حسین عورت کی طرف سے نظر پھیر لیتا ہے ہم اس کو اسی وقت ایمان کی مٹھاس عطا فرماتے ہیں۔ اگرچہ میرا حکم اس بندے کے لیے کڑوا تھا کیوں کہ اس کا دل شدید تقاضا کر رہا تھا کہ ایک نظر دیکھ لے مگر اس نے میری محبت میں اپنے تقاضے کو مار دیا اس کا کیا بدلہ دیں گے؟ ہم اپنے قرب کی

---

[۸] الاعراف:۱۲۶

مٹھاس عطا فرمائیں گے جس کو وہ اپنے دل میں موجود پائے گا۔ لیکن یہ مٹھاس اس وقت عطا ہوتی ہے کہ نظر کے ساتھ دل کو بھی پھیرو۔ یہ نہیں کہ نظر تو پھیر لی لیکن دل میں صورت جمی ہوئی ہے اور خیالات پکار رہے ہو بلکہ نظر بھی اور دل بھی پھیرو یعنی استغفار کرنے لگو یا ذکر کرنے لگو۔ ہر غم کا علاج اپنے اللہ سے مشغول ہو جانا ہے۔

دعا کے بعد فرمایا کہ مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی دعاؤں کے بعد حضور کی اُمّت کے لیے یہ دعا مانگے گا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَللّٰھُمَّ انْصُرْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس کی برکت سے اس کی تمام دعائیں قبول ہو جائیں گی۔

طالب علموں کے لیے نصیحت اور بچوں کو دیندار بنانے کی تلقین

ایک طالب علم سے مخاطب ہو کر فرمایا جو مدرسہ سے آیا تھا کہ جتنی تعداد تمہیں بتادی ہے اس سے زیادہ ذکر مت کرنا کہ ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لیے گھومتے رہو اور پڑھائی وغیرہ سب چھوڑ دو۔ ارشاد فرمایا کہ بچے کی روح سادی تختی کی طرح ہے، سادی تختی پر جو حروف لکھ دیے جاتے ہیں وہ پختہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت جو رنگ چڑھ جائے گا وہ پختہ ہو گا، پھر عمر بھر نہیں اترتا۔ جو ماں باپ بچپن میں اپنے بچوں کو دیندار نہیں بناتے وہ پھر اکثر بے دین ہی رہتے ہیں۔ پھر آخر میں خود پچھتاتے ہیں، کیوں کہ جو بچہ اللہ کا حق نہیں پہچانتا وہ باپ کا حق بھی نہیں پہچانے گا۔ یہاں ایک صاحب ہیں انہوں نے اپنے بچے کو دین سے بالکل بے خبر رکھا اور انگریزی تعلیم میں اپنا سارا روپیہ خرچ کر دیا۔ جب اسی لڑکے سے تکلیف پہنچی تو میرے پاس آئے اور کہا میں لڑکے کو سمجھا دوں کہ باپ کے حق کو پہچانے۔ میں نے کہا کہ تم نے اللہ کا حق اسے کبھی نہ سکھایا اب چاہتے ہو کہ وہ تمہارا حق سیکھ لے۔ دیندار اولاد ہی کام آتی ہے۔ لیکن آج کل بچوں کو دین سے بالکل بے خبر رکھتے ہیں اور ساری توجہ کافروں کی زبان پڑھانے پر صرف کرتے ہیں۔ پہلے بالکل دنیادار بنادیا پھر چاہتے ہیں کہ وہ ان کی اطاعت بھی کرے۔

۲۱؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۷؍ جون ۱۹۶۹؁ء، بروز سنیچر

مابین المغرب والعشاء، بر مقام قیام گاہ

نفعِ کامل کے لیے شیخ کی صحبت میں طویل مدت رہنا ضروری ہے

عرض کیا کہ حضرت کے پاس آکر تعلق مع اللہ اور قرب میں ترقی معلوم ہوتی ہے اور الگ ہوئے جب کچھ دن ہو جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حالت خراب ہو گئی اور تعلق مع اللہ میں کمی ہو گئی۔ فرمایا کہ یہ دلیل ہے آپ کے صحیح راستے پر ہونے کی، شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ مربی کی صحبت میں روح میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور دوری سے وہ حرارت کم ہو جاتی ہے ایک عرصہ تک ایسا ہی چلتا ہے، پھر اس کی جان میں خود حرارت آجاتی ہے، پھر اس کی جان میں خود چراغ جل جاتا ہے کہ بغیر صحبت کے بھی قرب محسوس کرتا ہے اور شیخ سے دوری سے بھی اس حرارتِ قرب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، لیکن اس کے لیے؎

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

طویل سفر چاہیے کہ خامی پختہ ہو جائے۔ سفر سے مراد سفر باطنی ہے۔ سلوک طے کرنا مراد ہے۔ ایک عمر چاہیے ایک دو دن کی بات نہیں۔ ایک عمر کسی اللہ والے کی صحبت میں رہنا ضروری ہے۔

خوابوں کی تعبیر اور عملِ صالح کی ترغیب

ایک صاحب نے خواب دیکھا تھا کہ میں جنّت میں داخل کر دیا گیا اور تین آدمی دوزخ میں ڈال دیے گئے۔ وہ حاضر ہوئے۔ ان سے فرمایا کہ آپ کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ جنّت کا راستہ اختیار کرو۔ جو عمل جنّت میں لے جانے والا ہے وہ شروع کر دو اور جو عمل دوزخ میں لے جانے والا ہے اسے چھوڑ دو۔ جنّت خواب سے نہیں ملتی عمل سے ملتی ہے۔ کسی ایسے کی صحبت اختیار کرو جو تمہیں جنّت میں لے جانے والے اعمال بتائے۔ اس کی ہدایات پر عمل کرو۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے یہ خواب

بھی دیکھا تھا کہ قرآن پڑھ رہا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ خواب میں قرآن پڑھنے سے بھی جنّت نہیں ملتی، جب بیداری میں قرآن پڑھو گے تب ملے گی۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ اس رات میں نے تہجد بھی پڑھا، فرمایا کہ کسی کی صحبت اختیار کرنے کے بعد تہجد پڑھے، بغیر صحبت کے آدمی سمجھ لیتا ہے کہ تہجد پڑھنے سے بس جنّت میرے لیے واجب ہوگئی شیطان کان میں پھونک دیتا ہے کہ تم جنّتی ہوگئے حالاں کہ جنّت کے لیے بہت سے عمل کی ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرنے کی، شکل صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی بنانے کی، سچا اور پکا مسلمان بننے کی ضرورت ہے۔ صرف خواب دیکھنے سے جنّت تھوڑی ملتی ہے۔ خواب میں اگر یہ دیکھو کہ میں کھانا کھا رہا ہوں اور جاگنے کے بعد دن بھر کھانا نہ کھاؤ تو کیا کھانا مل جائے گا، کھانے کے فوائد حاصل ہو جائیں گے؟ انہوں نے اسی قسم کے دو ایک خواب اور بیان کیے۔ ارشاد فرمایا کہ خواب کی تعبیر یہ ہے کہ دین سیکھو سچے اور پکے مسلمان بن جاؤ۔ عمل درست نہ کرو گے تو وہ تین آدمی تمہیں بھی دوزخ میں گھسیٹ کر لے جائیں گے جن کو تم نے دوزخ میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ تمہاری باری بھی آجائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے سے جنّت ملے گی یا انگریز کے طریقے پر چلنے سے ملے گی؟ ان صاحب نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے سے ہی جنّت ملے گی انگریز کے طریقے پر چلنے سے کیسے مل سکتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ دیکھیے آپ خود ہی فیصلہ کر رہے ہیں میں کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اپنانا چاہیے یہ انگریزی بال کوٹ پتلون انگریز کا طریقہ ہے۔ اسے رفتہ رفتہ چھوڑ دو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ رفتہ رفتہ اپناؤ، داڑھی رکھو شرعی لباس پہنو۔ اللہ سے رو رو کر اور گڑگڑا کے دعا مانگو کہ اے اللہ! جو باتیں آپ کو پسند ہیں مجھے ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائیے اور جو باتیں آپ کو ناپسند ہیں ان سے مجھے بچنے کی ہمت عطا فرما دیجیے۔ اللہ سے گڑگڑا کے مانگو، ان شاء اللہ حالت درست ہو جائے گی۔ صرف خوابوں سے کیا ہوتا ہے عمل کی ضرورت ہے۔ بے دین آدمی خواب کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ تعبیر دینا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں۔ کسی بے دین سے یہ خواب بیان کر دیتے تو کہہ دیتا کہ تم جنّتی

ہو گئے حالاں کہ اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ نیک عمل کرو، جنّت کا راستہ اختیار کرو۔

بیعت میں جلدی نہ کرنے کی وجہ

ارشاد فرمایا کہ میں بیعت میں جلدی نہیں کرتا۔ اپنے بزرگوں کا کہنا ہے کہ بیعت کرنے میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔ میں نے اصول بنالیا ہے کہ بے داڑھی والوں کو بیعت نہیں کروں گا۔ جب داڑھی رکھ لیتے ہیں اور ظاہری وضع قطع درست کر لیتے ہیں تب بیعت کرتا ہوں، البتہ ذکر بتا دیتا ہوں تاکہ اللہ اللہ کرنے سے ان کی جان میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے۔ محبت سے اعمال آسان ہو جاتے ہیں پھر عمل کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا کہ فلاں صاحب کو بھی میں نے ابھی صرف اللہ اللہ کرنا بتایا ہے بیعت نہیں کیا ہے، ابھی کچی بیعت ہے اگرچہ وہ مجھے اپنا شیخ ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ صاحب دفتر کے ماحول سے مغلوب ہو جاتے ہیں کہ داڑھی رکھ لوں گا تو لوگ ملّا کہیں گے۔ لوگوں کے طعن برداشت کرنا بڑا مشکل کام ہے، بلکہ آج ان کی داڑھی بھی کچھ زیادہ کٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس لیے میں بیعت میں جلدی نہیں کرتا کیوں کہ بغیر عمل کے صرف بیعت ہو جانے سے کیا فائدہ۔

ارشاد فرمایا کہ فلاں صاحب نہیں آئے۔ طبیب کے پاس وہ جائے جو بیماری سے اچھا ہونا چاہے، اور جو اپنی بیماری ہی سے خوش ہو وہ طبیب کے پاس کیوں جائے گا۔ جس کو اپنی بیماری عزیز ہو گی کہے گا کہ مجھے بیمار ہی رہنے دیجیے۔

بعض لوگوں پر دنیا اور آخرت کی مشقت آسان ہونے کا سبب

ارشاد فرمایا کہ کسی پر دنیا کی مشقت آسان ہے، کسی پر آخرت کی مشقت آسان ہے۔ ایک شخص ہے کہ اس کو فیکٹریوں اور کارخانوں کا انتظام آسان ہے اور نماز، روزہ، ذکر، تلاوت بھاری ہے، اور دوسرے پر دین کے کام آسان ہیں اور دنیا کے کام اسے مشکل معلوم ہوتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ دنیاوی ضرورتیں تو سب کے ساتھ ہیں، پیٹ اس کے ساتھ بھی ہے جو اللہ والا ہے اسے بھی کھانے پینے کی اور دوسری ضروریات ہیں لیکن اسے بقدرِ ضرورت دنیا میں لگنا سخت گراں ہے اور نماز

روزہ ذکر تلاوت آسان ہے۔ اور دوسرے شخص کو اگر فیکٹری قائم کرنی ہے تو رات رات بھر جاگے گا اور سخت سے سخت محنت کرنے کے لیے تیار ہے لیکن دو رکعت نماز پڑھنا بھاری معلوم ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو دین کے کام آسان معلوم ہوتے ہیں اور جس کو دنیا کے کام آسان معلوم ہوتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کے رونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر دین کے کام آسان کر دیں کیوں کہ جہاں چند روز قیام ہے وہاں کے لیے تو سخت سے سخت محنت گوارا ہو اور جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے اعمال مشکل معلوم ہو رہے ہیں کہ کچھ کما کر نہ لے جاسکے گا اور یہاں کی محنت کا پھل یہیں رہ جائے گا۔ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ کون جنّت میں جارہا ہے اور کون نہیں؟ حضور نے فرمایا:

کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ[۹]

ہر شخص جو جنّت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس پر جنّت کے اعمال آسان ہوگئے ہیں اور جو دوزخ کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس پر دوزخ کے اعمال آسان ہوگئے ہیں۔ شکر کرو اگر نماز روزہ میں دل لگ رہا ہے، یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ انہوں نے اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمادی ہے اپنا سرمایہ اس گھر میں منتقل کر رہے ہو جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہاں سے برطانیہ چھ مہینے کے لیے ویزے پر چلا جائے اور وہاں جا کر خوب روپیہ کمائے اور خوب عیش اڑائے لیکن اس روپیہ کو اپنے وطن منتقل نہ کیا بلکہ لندن کی خوبصورتی میں ایسا گم ہوا کہ یہ بھول گیا کہ کراچی واپس جانا ہے، وہاں روپیہ منتقل کر دوں، جہاں ہمیشہ رہنا ہے، جس دن اس کا ویزا ختم ہوگا اس دن اس کو اپنی مفلسی کا احساس ہوگا کسٹم پر اس کا سارا روپیہ چھین لیا جائے گا۔ اور یہ خالی ہاتھ واپس آئے گا اور یہاں آکر جھونپڑی میں رہنا پڑے گا اور ایک وہ شخص ہے جو برطانیہ تو گیا لیکن ہر لمحہ اس کو اپنے وطن کا خیال رہا جو کچھ کمایا برطانیہ کی چند روزہ زندگی کے لیے نہیں بلکہ اپنے وطن کے لیے کمایا اور سارا روپیہ یہاں منتقل کرتا رہا۔ برطانیہ

---

[۹] سنن ابی داؤد: ۲/۲۹۲، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ایچ ایم سعید

میں یہ ایسے رہا جیسے مسافر رہا کرتے ہیں وہاں کے عیش و عشرت، شراب و کباب میں مبتلا نہ ہوا بلکہ اپنے مال کو کراچی کے لیے بچاتا رہا۔ یہ دونوں شخص جب کراچی آتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ مفلس کون ہے۔ برطانیہ میں اسے بے وقوف کہتے تھے کہ نہ سینما دیکھتا ہے، نہ شرابیں پیتا ہے، نہ عیش اڑاتا ہے لیکن وطن آکر معلوم ہوگا کہ بے وقوف کون تھا یہ دوسرا شخص اسے دکھا دکھا کر پاکولا پیے گا اور اُس کے پاس کچھ نہ ہوگا۔

پس وہ لوگ جو دنیا میں آکر یہ بھول گئے کہ آخرت کو واپس جانا ہے اور یہاں کے عیش و عشرت میں مشغول ہوگئے، اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا گویا انہوں نے اپنا سرمایہ اپنے اصلی وطن منتقل نہ کرایا، کیوں کہ آخرت کا سکہ اعمال حسنہ ہیں، جس دن ان کا ویزا ختم ہوگا اس دن انہیں اپنی مفلسی کا احساس ہوگا، خالی ہاتھ جارہے ہوں گے، حتیٰ کہ جسم کا لباس بھی اتر جائے گا، بنگلہ اور کاریں رہ جائیں گی، اس دن حسرت کریں گے کہ کاش! اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرکے دنیا کا سکہ آخرت کے سکے میں تبدیل کرالیا ہوتا۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور وہ شخص جو دنیا میں رہ کر دنیا سے کنارہ کش رہا یہاں کا عیش و آرام شراب و کباب اسے اپنی طرف متوجہ نہ کرسکے بلکہ اسے دھن لگی رہی کہ اصل آرام تو آخرت کا آرام ہے، اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو، اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرکے اپنے سرمایہ کو اپنے اصلی وطن میں منتقل کراتا رہا، جس دن اس کا ویزا ختم ہوگا اس دن اس کو اپنی امارت کا احساس ہوگا اور دنیا کے مسافر خانے کی تمام تکلیفوں کو بھول جائے گا۔ بلکہ دنیا کی زندگی میں بھی اصل آرام، اصل سکونِ قلب اسی کو حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ جانتا ہے کہ میں جو کچھ عمل کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ اسے ضایع نہیں کریں گے۔ اطاعت و فرماں برداری اس کو مطمئن رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں بھی اس کے دوست ہوجاتے ہیں:

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؎

؎ حٰمٓ السجدۃ: ۳۱

آخرت کی کھیتی کی مشقت اُٹھانے کی ترغیب

جو لوگ دنیا کی مشقتوں میں لگے ہوئے ہیں ان سے اگر کہا جائے کہ آپ کچھ دین کی طرف آیئے کچھ نماز و جماعت کی پابندی کیجیے ایمان و یقین میں روشنی لانے والے اعمال کیجیے تو کہتے ہیں کہ میں بہت بزی (Busy) ہوں لیکن افسوس بزی کا ہے میں ہیں؟ دنیا کی مشقتوں میں۔ جسمانی محنتوں سے زیادہ ذہنی اور فکری محنتیں کرتے ہیں، لاکھوں من کا بوجھ ان کے دماغ پر ہے، مزدور بھی اتنی محنت نہیں کرتا جتنی یہ کرتے ہیں۔ جہاں چند روز رہنا ہے وہاں کے آرام کے لیے تو انہوں نے اپنا آرام حرام کر رکھا ہے اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے ذرا سی مشقت بھی گوارا نہیں، اور اس ابدی آرام کی فکر نہیں، اس کی کوشش اور مشقت کے لیے فرصت نہیں، پھر کہتے ہیں کہ ہم بہت عقل مند ہیں، حالاں کہ دنیا ہی میں موقع ہے کہ اس زندگی کے لیے جدوجہد کرلی جائے۔ ورنہ اگر اب بزی رہے تو پھر یہ موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ کسان اگر بیج بونے کے وقت یوں کہہ دے کہ میں اس وقت بہت بزی ہوں تو جب کھیتی کٹنے کا وقت آئے گا تو ہاتھ ملے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ:

اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ[۱۱]

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دنیا میں رہ کر اگر ہم نے وہ بیج نہ ڈالا جس سے آخرت کی فصل تیار ہوگی بلکہ دوسرے کاموں میں مشغول ہوگئے تو کٹائی کے وقت کی حسرت کا اندازہ لگالو۔ وہ لوگ جنہوں نے بونے کے وقت محنت کی تھی آخرت میں انہیں ہری بھری کھیتی تیار ملے گی، اور جو بونے کے وقت بزی ہوگئے وہاں بنجر زمین کے علاوہ کوئی پھل نہ پائیں گے۔ کھیتی اس کی ہری بھری ہوتی ہے جو بونے کے وقت محنت کرتا ہے۔

جو لوگ دنیوی عیش اور دنیوی ترقیات کو مقصود سمجھتے ہیں یہ یورپ والے جن کی تقلید میں ہم فخر محسوس کرتے ہیں ان کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[۱۱] مرقاةُ المفاتيح: ۹/۱۴۴، (۴۹۲۵)، کتاب الآداب، باب البر والصلة، دار الکتب العلمية، بيروت

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا[۱۲]

دنیاوی محبت میں مبتلا ہیں یہ لوگ، اور چھوڑ بیٹھے ہیں اپنے پیچھے ایک گاڑھے دن کو۔ گاڑھے دن سے مراد موت کا وقت ہے، جس وقت دنیا کی محبت کی حقیقت کھل جاتی ہے اور یہاں کے سارے عیش و آرام تلخ ہو جاتے ہیں بیوی بچے بنگلے اور کاریں سب ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ یہ وہ وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں ان کافروں نے اس گاڑھے وقت کو بھلا دیا ہے۔ یہ بیماری تو کافروں کے اندر تھی، اب انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کو مسلمانوں میں بھی پہنچا دیا۔ اب مسلمان کے پاس بھی جب تک کار نہ ہو، چار سو گز کے پلاٹ کا ایئر کنڈیشنڈ بنگلہ نہ ہو چاہے سودی قرضہ سے کیوں نہ بنوانا پڑے اس وقت تک اس کا معیار زندگی نہیں بنتا۔ اب مسلمان کی زندگی کا معیار کار اور بنگلہ رہ گیا ہے چاہے سودی قرضہ لینا پڑے، رشوت لینی پڑے، حرام مال کمانا پڑے کسی سے دریغ نہیں بس معیار زندگی بنانا ہے۔ لیکن یہ زندگی بننا نہیں ہے۔ زندگی بنتی ہے اللہ کے راضی ہونے سے اور بگڑتی ہے اللہ کے ناراض ہونے سے اگر اللہ ناراض ہے تو چاہے تمہارا دل اور ساری مخلوق یوں کہے کہ واقعی تم نے بڑی ترقی کی خاندان کی ناک اونچی کر دی، مخلوق کے ماشاء اللہ کہنے اور تعریف کرنے سے یہ زندگی نہیں بنتی۔ کل ان وزیر خارجہ قسم کے لوگوں کو جو مولویوں کو گولی سے اڑا دینا چاہتے ہیں معلوم ہو گا کہ معیار زندگی کس کا بلند ہے۔ جس کو یہ معیارِ زندگی سمجھ رہے تھے اس کی کیا حقیقت ہے اور اصل معیار اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ دین کا کام سخت مشکل ہے لیکن یہ سب قلتِ محبت کی باتیں ہیں، جب محبت ہو جاتی ہے تو جوئے شیر لانا بھی آسان معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے جنہیں دنیا سے محبت ہے انہیں دنیا کے کام آسان معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں لوگوں کو دین کے کام مشکل ہیں کیوں کہ انہیں اللہ سے محبت نہیں۔ قصہ تو پھوہڑ ہے لیکن عبرت ناک ہے اور غیرت دلانے کے لیے کافی ہے۔ ایک صاحب عشق مجازی میں مبتلا ہو گئے۔ رات کو ۵/ میل جاتے

---

[۱۲] الدھر: ۲۷

تھے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے پھر بستر پر آلیٹتے تھے۔ کیوں صاحب یہ روزانہ دس میل کا سفر کیسے آسان ہوگیا؟ ایک مردہ لاش جس کے جسم میں کیڑے چلنے والے ہیں اس کی محبت میں ہر مشقت آسان ہوگئی۔ گھر میں بیٹھا ہوا کوئی کام کر رہا ہے لیکن دل کہیں اور ہے۔ کیا اللہ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہو ؎

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود

بات یہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت نہیں ورنہ ان کے راستے کی کوئی مشکل نہ معلوم ہوتی۔ دنیا کے لیے جو ساری مشقتیں آسان ہیں اس کی وجہ دنیا سے محبت ہے، اور دین کے کام جو مشکل معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ اللہ تعالیٰ سے قلتِ محبت ہے۔ ایسے ہی جب اللہ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے تو جسم کہیں ہوتا ہے دل کہیں ہوتا ہے۔ بیٹھا ہوتا ہے دفتر میں اور دل ہوتا ہے اللہ والوں کے ساتھ کہ کب چھوٹوں اور کب جاؤں۔ اور اپنے اللہ کے ذکر سے اپنے دل کو ٹھنڈا کروں۔ جیسے مچھلی بنا پانی کے بے چین رہتی ہے ایسے ہی اس کا دل اللہ کی یاد میں بے چین رہتا ہے۔ اللہ اللہ کرنا اسی لیے بتاتے ہیں کہ دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوجائے۔ محبت ہوجاتی ہے تو سب کام آسان ہوجاتے ہیں۔

نظامِ کائنات کے پسِ پردہ دستِ قدرت کارفرما ہے

ربر کا پائپ زمین پر پڑا ہوا تھا اس کو کسی نے طے کرنا شروع کیا وہ چلنے لگا تو فرمایا کہ دیکھیے: یہ پائپ خود بخود بھاگتا ہوا نظر آرہا ہے، لیکن یہ خود نہیں بھاگ رہا کسی کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے ہی سارے عالم کا نظام بھی کسی کے ہاتھ میں ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا نظام خود بخود چل رہا ہے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ ہوا چل رہی ہے، پتّے ہل رہے ہیں سمجھتے ہیں کہ سب خود ہو رہا ہے۔

۲۲؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۸؍ جون ۱۹۶۹؁ء، بروز اتوار

عشقِ الٰہی سے مجروح قلب کی آہ کا اثر

ارشاد فرمایا کہ آج صبح ایک صاحب آئے تھے کہتے تھے کہ مجھے اللہ کا راستہ بتادیجیے کہ میں اللہ تک پہنچ جاؤں۔ ان سے کچھ عرض کرنے کی توفیق ہوئی کیوں کہ

مجھے ان کی جان میں پیاس کے آثار نظر آئے۔ کسی کو پیاس لگی ہوتی ہے اس کی صورت سے پتا لگ جاتا ہے اس کے خشک لب بتا دیتے ہیں کہ یہ پیاسا ہے۔ جان کے بھی لب ہوتے ہیں۔ جان بھی پیاسی ہوتی ہے۔ جب پانی نہیں ملتا تو اس کے لب بھی خشک ہو جاتے ہیں، لیکن اس کا پانی یہ پانی نہیں ہے بلکہ اللہ کا ذکر ہے، جب جان کو یہ پانی ملتا ہے تو جان سیراب ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی یوں کہے کہ لیجیے جان کو کیسے دیکھ لیا، تو مراد یہ ہے کہ آثار و قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی روح میں اللہ کی پیاس ہے۔ جان کے خشک لب جان ہی دیکھتی ہے جسم نہیں دیکھتا۔ یہاں اجسام فیل ہیں۔ یہ روح کے معاملات ہیں۔ اہل ارواح ہی روح کے پیاسے لبوں کو دیکھتے ہیں، یہ باتیں سن کر ان پر اتنا اثر ہوا کہ رونے لگے، مجروح دل کی آہ اثر کرتی ہے ورنہ جس کا دل مجروح نہ ہو اس کی ''آہ'' لبوں سے آتی ہے دل سے نہیں نکلتی، وہ شخص جو خود زخمی ہو اس کی آہ سے لوگوں کے دل دہل جاتے ہیں اور ایک وہ شخص جو زخمی نہیں ہوا کتابوں میں زخموں کی کیفیت پڑھ کر آہ کرتا ہے مگر وہ آہ اثر نہیں کرتی۔ میرا دل بھی اللہ کے راستے میں بہت زخمی ہوا ہے، اپنے شیخ کے ساتھ ایسے ایسے مجاہدات کیے ہیں کہ کلیجہ منہ کو آگیا ہے۔ یہ آج اسی کی برکت ہے کہ جب میں روتا ہوں تو خلق میرے ساتھ روتی ہے۔

چوں بہ گریم خلق ہا گریاں شوند
چوں بہ نالم خلق ہا نالاں شوند

جب میں روتا ہوں تو خلق میرے ساتھ روتی ہے، جب میں نالہ کرتا ہوں تو خلق میرے ساتھ نالہ کرتی ہے۔

میرا علم کتابی نہیں ہے ہمارا علم اور ہماری آواز عالمِ غیب سے آتی ہے۔ یہ خدانخواستہ کوئی دعویٰ نہیں ہے، دعویٰ کروں گا تو راندۂ درگاہ ہو جاؤں گا۔ اللہ اپنے فضل سے محفوظ فرمائے بلکہ اللہ کی نعمت کا اظہار ہے، یہ ان کا انعام ہے میرا کمال نہیں جو کچھ کیا وہ ان کی دی ہوئی توفیق کی وجہ سے کیا اور جو کچھ ہے وہ سب ان ہی کا کرم ہے، ورنہ اگر آج اس انعام کو چھین لیں تو ایک لفظ منہ سے نہیں نکل سکتا، زبان پر تالا پڑ جائے اللہ تعالیٰ سے ان کے کرمِ خاص کی دعا کرتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لیے اپنی نظر کرم نہ ہٹائیں۔ اور

کچھ عرصہ پہلے ان صاحب نے مجھے ایک خط بھی لکھا تھا کہ میں اللہ کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں مجھے کچھ ایسی کتابیں بتا دیجیے جن کو پڑھ کر اللہ کی محبت پیدا ہو میں نے ان کو کتابوں کے نام لکھ دیے تھے لیکن چوں کہ بے چارے راستے سے ناواقف ہیں اس لیے غلط قسم کے پیروں کے چکر میں آگئے اور کسی بدعتی پیر کے پاس پھنس گئے تھے۔ آج میں نے ان سے کہا کہ آج کل سینکڑوں مجنوں بنے پھرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہیں لیلیٰ تک پہنچائیں گے لیکن لیلیٰ کے یہاں مجنوؤں کی فہرست میں ان کا نام بھی نہیں۔ وہ جب خود مقرب نہیں تو دوسرے کو کیا پہنچائیں گے۔ ایسے ہی وہ لوگ جو دنیادار ہیں جن کے عمل شریعت و سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں لاکھ دعویٰ کریں کہ وہ ولی اللہ ہیں لیکن اللہ کے یہاں اولیاء کے رجسٹر میں ان کا نام نہیں۔ ولی وہ ہیں جن کو قرآن ولی کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے ولی وہ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں:

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[13]

ہماری دوستی کی شرط تقویٰ ہے جو جتنا بڑا متقی ہے اتنا ہی بڑا ہمارا ولی ہے۔ اگر تم ہمارے دوست بننا چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو، ہماری خشیت ہمارا خوف اپنے دل میں پیدا کرلو۔ جب دل میں تقویٰ پیدا ہوجائے گا تو تمہارا کوئی عمل ہمارے حکم کے خلاف، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ تو خود چاہتے ہیں کہ تم ان کے دوست ہوجاؤ، اسی لیے فرماتے ہیں:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ[14]

اے ایمان والو! اللہ کے دوست ہوجاؤ۔ اس آیت کے لفظی معنیٰ تو یہ ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو لیکن اس ڈرنے کی صفت کو پہلی آیت میں شرطِ ولایت فرمایا ہے کہ ہمارے ولی وہ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اس لیے جب یوں

---

[13] الانفال:۳۴

[14] التوبۃ:۱۱۹

فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو تو بالفاظ دیگر یہی مطالبہ فرماتے ہیں کہ ایمان والو! اللہ کے دوست ہو جاؤ۔ یہ مطالبہ تمام مسلمانوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ تمام مومنین ان کے ولی بن جائیں صرف غلام نہ رہیں۔ غلام تو کافر بھی ہے، وہ بھی ان کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صرف غلامی پر قناعت نہ کرو، ولی بن جاؤ۔ جب کوئی اللہ کا ولی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ صرف آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی اس کے دوست ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں نَحْنُ اَوْلِيَآءُ كُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں بھی۔ جب تمہارا کوئی گاڑھا وقت آئے گا ہم اپنی دوستی کا حق ادا کریں گے، جب تمہارا کوئی آسرا نہ رہے گا ہم تمہارا آسرا ہوں گے۔ ہم ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں گے۔ ہر حال میں تمہاری مدد فرمائیں گے۔ جب تم ہمارے ولی ہو جاؤ گے تو ہر قدم ہر موڑ پر تم ہماری طرف آؤ گے ہمیں پکارو گے، وضو کر کے مسجد کی طرف بھاگو گے۔ یہ علامت ہے کہ ہماری دوستی تمہیں مل گئی۔ اس وقت جو کچھ تم ہم سے مانگو گے عطا فرمائیں گے۔ تم اپنے دل پر ہمارا ہاتھ محسوس کرو گے۔ اس لیے اللہ کو خوب یاد کرو صرف غم اور تکلیف میں اللہ کو یاد کیا تو کیا یاد کیا، سکھ کی حالت میں بھی انہیں خوب یاد کرتے رہو مطلبی بندے نہ بنو اگر کوئی اپنے کسی دوست کے یہاں صرف عید بقر عید کو جائے یا تکلیف میں کسی غرض کے لیے جائے پھر سال بھر خبر نہ لے تو وہ بھی سمجھے گا کہ مطلبی ہے۔ مطلبی کی دوست کے دل میں محبت اور وقعت نہیں ہوتی۔

عاشقِ حق کو قربِ بے انتہا پر بھی صبر نہیں آتا

جب آدمی اللہ کے راستے میں قدم رکھتا ہے اسی وقت سے سکون شروع ہو جاتا ہے۔ حالت میں تبدیلی اسی وقت سے ہو جاتی ہے۔ اگرچہ بہت تھوڑی سہی، ۱/۱۰۰ ہی سہی لیکن بہر حال دل کی کیفیت میں اسی لمحہ سے تبدیلی واقع ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے سکونِ قلب میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور نافرمانی کے راستے کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، جوں ہی اس راستے میں قدم رکھا سکون اسی وقت سے کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور جوں جوں نافرمانیاں بڑھتی جاتی ہیں دل کی بے چینی بھی بڑھتی جاتی ہے، نافرمانیوں کا راستہ آگ کا راستہ ہے جیسے بیس میل کے علاقے میں آگ لگی ہو

اب جو شخص آگ کی سمت میں قدم بڑھائے گا وہ اگرچہ ابھی آگ سے پانچ میل دور ہے لیکن آگ کا دھواں اس کی ناک میں پہنچے گا، ادھر کی گرم ہوائیں ابھی سے اس کی طبیعت کو مکدر کر دیں گی۔ اور جو شخص نافرمانیوں کا راستہ چھوڑ کر اللہ کے راستے میں قدم رکھتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں دودھ اور شہد کی، رنگ برنگے خوشبودار پھول کھلے ہوئے ہوں تو جو شخص اس باغ کے راستے میں قدم رکھے گا وہ اگرچہ ابھی اس باغ سے پانچ میل دور ہے لیکن باغ سے جو نسیم بہار آئے گی خوشبوئے قربِ یار لائے گی، اس کا ایک جھونکا مشام جاں کو معطر کر دے گا۔ آگ کی طرف سے رخ پھیر لیا، ہوا بدل گئی، اگرچہ ابھی وہ باغ سے دور ہے لیکن ہوا کے جھونکے خوشبوئے قربِ یار لا رہے ہیں، پیام دوست دے رہے ہیں، نوید جانِ جاناں مل رہی ہے بس اسی لمحہ سے اس کی جان کو سکون ملنا شروع ہو گیا۔ اب جوں جوں وہ آگے بڑھتا رہے گا خوشبوئے دوست بھی بڑھتی رہے گی، قرب میں روز بروز ترقی ہوتی رہے گی، باغ دوست کی نسیم بہار روز بروز زیادہ معطر ہوتی جائے گی، کیوں کہ یہ قریب آتا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ ایک روز یہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا قرب کی انتہا نصیب ہو جائے گی۔ اس وقت اس کی جان کا رابطہ صاحبِ باغ قرب سے ہو جائے گا اسی کا نام سلوک ہے سلوک کے معنیٰ ہیں اللہ کا راستہ طے کرنا جس نے اس راستے میں شروع شروع قدم رکھا ہے وہ مبتدی ہے اور جس نے آدھا راستہ طے کر لیا وہ متوسط ہے اور جسے نسبت نصیب ہو گئی یعنی پورا راستہ طے کر لیا وہ منتہی کہلاتا ہے لیکن یہ راستہ منتہی کے لیے بھی ٹھہرنے کا نہیں ہے آخری دم تک ترقی کرتا رہے ہر مقام کو چھوڑ کر آگے بڑھتا رہے اللہ کے قرب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ قرب کے کسی مقام پر صبر نہ آئے، ولایت کے کسی درجے پر اطمینان نہ ہو، کیوں کہ ہر مقام کے آگے اس سے ایک اعلیٰ مقام موجود ہے۔ آخر دم تک تراش خراش میں لگا رہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

یہ راستہ ولایت کا ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ صبر کرنے کا نہیں ہے۔ جس نے دوستی کا دعویٰ کر دیا ہو کیا اسے اس پر صبر آسکتا ہے کہ میری دوستی مکمل ہو گئی اور میں نے

دوستی کا حق ادا کر دیا؟ اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو یہی خیال رہتا ہے کہ ابھی دوستی ناتمام ہے ہم سے دوستی کا حق ادا نہ ہو سکا، کتنا ہی قریب ہو جاؤ یہ تمنا پوری نہیں ہو سکتی کہ قربِ کمال کو پہنچ گیا، یہی فکر لگی رہتی ہے کہ دوستی میں ہر لمحہ ہر روز ترقی ہوتی رہے، خواہ جان چلی جائے۔ اللہ والے یہی چاہتے ہیں کہ چاہے جسم کے پرخچے اڑ جائیں لیکن اللہ کا ایسا قرب نصیب ہو جائے کہ جسم کے ریزہ ریزہ میں ان کا نور سما جائے انہیں کسی مقام پر صبر نہیں آتا، ہر لمحہ قرب میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ ان کی روح ہر لمحہ پرواز کرتی رہتی ہے۔ دنیا دار تھوڑے سے دین پر قناعت کر لیتا ہے کہ بس نماز روزہ کافی ہے لیکن دنیا کے معاملے میں قناعت نہیں ہوتی، وہاں صبر نہیں آتا بلکہ فکر اور لگن رہتی ہے کہ دو سو گز کا پلاٹ خریدا ہے تو دو سو گز کا اور مل جائے، دنیا کی کسی ترقی پر صبر نہیں آتا حالاں کہ معاملہ برعکس ہونا چاہیے تھا کہ دنیا پر تو ضرورت کے درجے میں قناعت کی جاتی اور دین کی ترقی پر صبر نہ آتا لیکن افسوس ہے ہماری عقلوں پر اور ہمارے زوالِ ایمان پر کہ چند روزہ بہار پر عمر خراب کی جارہی ہے اور آخرت پر صبر کر لیا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں بعض مثالیں ایسی دی ہیں جو بظاہر فحش معلوم ہوتی ہیں لیکن ان سے جو سبق نکالتے ہیں اس پر وجد آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

من نہ خُسپم با صنم با پیرہن

یعنی میں نہ سوؤں گا اپنے محبوب کے ساتھ کپڑوں میں، یعنی آدمی اپنے محبوب کے ساتھ کپڑوں میں سونا پسند نہیں کرتا، کوئی چیز اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان حائل نہ رہے، وہ تو قرب کی انتہا چاہتا ہے۔ قدرت نہیں ورنہ اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنا سینہ پھاڑ کر اسے سینے میں چُھپا لوں۔ دنیوی مثال مولانا اسی لیے دیتے ہیں تاکہ لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔ پھر غیرت دلاتے ہیں کہ افسوس دنیوی محبت تو سمجھ میں آجائے اور اللہ کی محبت کی بات سمجھ میں نہ آئے، اللہ تعالیٰ کے عاشق بھی اللہ سے قرب کی انتہا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے جسم کے لباس کو بھی اُتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ جسم کو اللہ کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے بلکہ تمنا کرتے ہیں کہ جسم کوہِ طور کی طرح پھٹ جائے اور اُن کی تجلی ریزہ ریزہ میں سما جائے، دل و جان میں اُن کا نور اُتر جائے، عاشق کو قرب کے کسی مقام

پر صبر نہیں آتا، اس کی پیاس بجھتی نہیں، وہ تو بزبان حال کہتا ہے کہ ؎

آ جا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں

دنیا کی فانی لذتوں میں کیا رکھا ہے ؟ ارے محبت کے قابل تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن آج لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی ، سمجھ میں کیا نہیں آتی دین کے کاموں کے لیے یوں کہتا ہے کہ میں بزی ہوں وقت نہیں ہے۔ وقت کیا نہیں تجھ کو اللہ سے محبت نہیں ۔ تیرے اندر اللہ کی پیاس نہیں ، پیاسے کو پانی پیش کیا جائے وہ کہہ تو دے کہ میں مشغول ہوں بہت بزی ہوں۔ اگر پیاسا ہے تو یہ الفاظ کہنا تو دور پانی کو دیکھ کر ہاتھ بڑھ جائیں گے ، آنکھیں پھٹ جائیں گی ، منہ کھل جائے گا ، سراپا طلب بن جائے گا۔ اگر یہ کہتا ہے کہ اس وقت میں بزی ہوں سمجھ لو اس کی جان میں اللہ کی پیاس نہیں ہے۔ اپنی جانوں میں اللہ تعالیٰ کی پیاس پیدا کرو۔ اگر یہ پیاس نہیں ہے تو بھی ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرو اس کی برکت سے تمہاری جان میں اللہ کی پیاس پیدا ہو جائے گی ، مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گر تو طالب نیستی تو ہم بیا
تا طلب یابی ازیں یار وفا

جب ذکر و نماز کا دل نہ چاہے اس وقت ادا کرنے پر دگنا اجر ملتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ جو معمولات بتائے گئے ہیں ان کو پابندی کے ساتھ پورا کرتے رہو چاہے کتنا ہی دل نہ لگے زبردستی ذکر کرنے بیٹھ جاؤ۔ اس راستے میں سالک پر ایسے حالات گزرتے ہیں کہ اس کا دل ذکر میں ، نماز میں نہیں لگتا اور گناہوں کو خوب طبیعت چاہتی ہے اس وقت نفس کے تقاضے کے خلاف ذکر اور نماز میں لگ جاؤ اور گناہوں سے بچتے رہو ، یہ نہ سمجھنا کہ جب دل ہی نہیں چاہ رہا تو نماز و ذکر سے کیا فائدہ ، بلکہ خوب سمجھ لو کہ اس دن دگنا اجر ملے گا کیوں کہ نفس کو تکلیف ہو رہی ہے ۔ سوچ لیا کرو کہ آج میاں دگنی مزدوری دیں گے ۔ اسی طرح جب گناہوں کا تقاضا پیدا ہو تو خوش ہو جاؤ کہ وقت آگیا میاں کو راضی کرنے کا ، اس تقاضے کو کچل کر گناہوں سے بچنے میں جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اس سے دل ٹوٹتا ہے اور اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں ہی میں رہتے ہیں۔

خزانہ تو ویرانے ہی میں دفن کیا جاتا ہے اپنے آپ کو شکستہ کرلو خزانۂ قرب مل جائے گا۔ تمام گناہوں سے بچنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے مثلاً کوئی حرام روزی کمانے والے کے یہاں ٹیوشن کرتا تھا اللہ کے خوف سے اس نے وہ ٹیوشن چھوڑ دیا، روپیہ میں کمی ہوئی، ضروریات میں کمی کرنی پڑی اور اس کمی سے دل کو تکلیف پہنچی۔ اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا بندہ ہماری محبت میں کیسی تکلیفیں اٹھارہا ہے بس وہ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اس کے لیے اور دروازے کھول دیتے ہیں۔

اللہ کے راستے کے غم کی عظمت

ارشاد فرمایا کہ مخلوق پر نظر نہ رکھو، ان سے ہی مانگتے رہو، ان ہی کے بھکاری بنے رہو اگرچہ کبھی وہ پیالہ پٹک بھی دیتے ہیں جیسے لیلیٰ نے مجنوں کا پیالہ پٹک دیا تھا تمام فقیروں کو بھیک دے دی مجنوں کا نمبر آیا تو اس کا پیالہ چھین کر زمین پر پٹک دیا، تمام فقیروں نے کہا کہ تم بڑے لیلیٰ کے عاشق بنتے تھے تمہیں تو اس نے بھیک تک نہ دی لیکن مجنوں کو جو خوشی ہورہی تھی اسے وہ ہی جانتا تھا اس لیے کہ

اسی کو غم بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

اگر میاں نے تمہارا پیالہ پٹک دیا تو کیا غم ہے دوسرے لاکھوں پیالے عطا کردیں گے۔ غیروں کو یہ غم نہیں ملتا۔ انہیں تو دنیا کے فانی عیش عطا کردیتے ہیں اور اپنوں کو چوں کہ لافانی چیز دینی ہے اس لیے انہیں گھٹیا چیز نہیں دیتے۔ لہٰذا یہ غم بڑی نعمت ہے۔ سوزِ غم پروانوں کو ہی ملتا ہے مکھی کو نہیں دیتے

سوزِ غم پروانہ مگس را نہ دہند

مکھی تو غلاظتوں پر بھنکتی رہتی ہے، وہ کیا جانے کہ شمع پر جل جانے میں کیا مزہ ہے۔ ایسے ہی دنیادار دنیوی لذتوں کی غلاظت پر عاشق ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ اللہ کے غم میں کیا لذت ہے۔ مومنین کی جانیں پروانہ ہیں وہ اللہ کے نور پر اپنی جانوں کو قربان کرتے رہتے ہیں۔ گناہوں سے بچنے کی ہر مشقت کو برداشت کرتے ہیں کیوں کہ ایمان والوں کی نظر اللہ پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم ان کے فرماں بردار بندے بنو پھر وہ کسی کو محروم نہیں رکھتے، فرماتے ہیں:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ[۱۵]

اے میرے ایمان والے بندو! میری زمین تو بہت وسیع ہے، پس میری ہی عبادت کرو۔ اگر آج ایک جگہ حرام روزی چھوڑو گے ہم تمہیں دوسری جگہ سے حلال روزی عطا فرمائیں گے۔ تم میرا کہنا مانو، میری رضا کے مقابلے میں محلہ والوں کا، بیوی بچوں کا، ماں باپ کا یہاں تک کہ اپنے دل کا بھی کہنا نہ مانو۔ اس سے تمہارا دل تو ضرور ٹوٹے گا لیکن اس ٹوٹے ہوئے دل میں ہم آجائیں گے، حدیثِ قدسی ہے:

اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ[۱۶]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں زبانِ رسالت سے کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔ دل کن لوگوں کے ٹوٹتے ہیں؟ ان ہی کے جو اپنے دلوں کا کہنا نہیں مانتے، بیوی بچوں کا کہنا نہیں مانتے، یعنی اللہ کی رضا کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہیں کرتے۔ جب اللہ کی رضا اور مخلوق کی رضا کا ٹکراؤ ہوتا ہے حتیٰ کہ جب اپنے دل کا ٹکراؤ بھی خالق کی رضا سے ہوتا ہے تو وہ اپنے دل کو ٹھوکر مار دیتے ہیں اور اللہ کی رضا کو تھامے رہتے ہیں ایسے ہی ویران دلوں میں اللہ تعالیٰ آجاتے ہیں۔ اللہ کی محبت میں ہر وقت اپنے جان و مال کی بازی لگائے رہو، ان کی محبت پر قناعت نہ کرو، آج ایک آنسو روئے ہو کل دو روؤ یہاں تک کہ آنسو کے دریا بہادو ؂

اے دریغا اشک من دریا بدے
تا نثار دلبرے زیبا شدے

اے کاش کہ میرے آنسو دریا ہو جاتے تاکہ میں انہیں اپنے اللہ پر نثار کر دیتا۔ ترقی کرو، کسی مقام پر قناعت نہ کرو۔ وہ لامحدود ہیں تم اپنے محدود قدموں سے ان کی جانب بڑھو گے تو انہیں کیسے پالو گے ؂

اے برادر بے نہایت در گہے است

---

[۱۵] العنکبوت:۵٦

[۱٦] كشف الخفاء للعجلونى:۲/۳۸۸ (۲۸۳٦)، مكتبة العلم الحديث/التشرف بمعرفة احاديث التصوف :۱٦۳، المكتبة المظهرية

۲۵/ ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۱/ جون ۱۹۶۹ء

صحبت یافتہ اہل اللہ کو دنیائے حقیر کا غم نہیں ہوتا

ارشاد فرمایا کہ اہلِ دنیا اللہ والے کو دیکھ کر ترس کھاتے ہیں کہ بے چارے کے پاس بنگلہ نہیں ہے کار نہیں ہے، ظاہری حالت کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ تکلیف میں ہے، اور اللہ والا اہلِ دنیا پر ترس کھاتا ہے کہ تمہارے پاس سکون نہیں ہے۔ اللہ والا بغیر ایکسرے کے ان کے دل کی بے چینی دیکھتا ہے جیسے ایکسرے میں زخم نظر آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے لوگوں کے دلوں کا حال مجھ پر خوب کھول دیا ہے۔ تم اسباب سکون اختیار کرتے ہو اور بے چین ہو۔ ہمارے پاس اسباب سکون نہیں لیکن دل سکون سے ہے، کیوں کہ دل کی غذا صرف اللہ کی یاد ہے اگر کسی اللہ والے کے سامنے کوئی اس پر ترس کھائے کہ آپ کی حالت پر بڑا افسوس ہے اگر اس وقت وہ سکوت اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ والا نہیں ہے۔ اگر یوں کہتا ہے کہ ہاں دعا کریں کہ اللہ مجھے بھی کار اور بنگلہ دے دے تو بالکل دنیادار ہے، لیکن اگر سکوت بھی اختیار کرتا ہے تو میں سمجھوں گا کہ بالکل خالی ہے، اس کے اندر کچھ ہے نہیں۔ اسے تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میرے اللہ نے میرے دل کو کیا کیا نعمتیں دے رکھی ہیں

رخ زرین من منگر کہ پائے آہنیں دارم
تو می دانی کہ در باطن چہ شاہ ہمنشیں دارم

میرے پیلے چہرے کو مت دیکھ کہ لوہے کے پیر رکھتا ہوں، تو کیا جانے کہ میرے دل میں کیسا شاہ ہمنشین ہے۔ اس لیے یہ مت سمجھنا کہ آج حضرت کا چہرہ کچھ پیلا معلوم ہو رہا ہے کوئی غم ہوگا۔ انہیں کوئی غم نہیں ہوتا سوائے اللہ کے غم کے۔ کسی رئیس کو اگر کوئی مفلس کہہ دے تو اس کو کتنا جوش آئے گا، کہے گا تجھے کیا معلوم میرے پاس کتنی دولت ہے۔ اپنے ان مسلمان بھائیوں کے دکھ کی وجہ سے ان پر ترس آتا ہے جن کے دل سکون سے محروم ہیں۔ دو صاحب میرے پاس کاروں میں آتے ہیں دو دو ملیں چل رہی ہیں لیکن کہہ رہے تھے کہ دعا کیجیے خودکشی کی نوبت ہے۔ کیوں صاحب کروڑوں روپیہ پاس ہے اگر

روپیہ ہی سے سکون ملتا ہے تو پھر یہ بے چینی کیسی۔ چالیس دن کوئی میرے پاس رہ کر دیکھ لے کہ کبھی دنیا کا ذکر آتا ہے یا نہیں۔ تم بھی دنیا میں رہتے ہو ہم بھی دنیا میں رہتے ہیں۔ مجھے بھی وہی ٹیکس دینا ہوتا ہے جو تم دیتے ہو لیکن کیا وجہ ہے کہ زبان پر کبھی کسی پریشانی کا ذکر بھی نہیں آتا۔ میرا بینک اکاؤنٹ صرف ۲۵؍ پیسے ہے۔ بیوی بیمار ہے، والدہ بیمار ہیں، میں خود بیمار رہتا ہوں لیکن جو سکون آج ہے وہ بیس سال پہلے نہ تھا دس سال پہلے بھی نہ تھا بلکہ ایک سال پہلے بھی نہ تھا۔ سکون میں روزانہ ترقی ہو رہی ہے ؎

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو

یہ میرا ہی شعر ہے جو دہلی میں ہوا تھا جب میں اپنے شیخ کے ساتھ پاکستان کا ویزا لے رہا تھا۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! ایک شعر ہوا ہے۔ فرمایا: سناؤ، تو حضرت یہ شعر سن کر بہت خوش ہوئے۔ کیا بتاؤں بڑی شفقت فرماتے تھے۔

شیخِ کامل اور اس کی تربیت کے انداز

ارشاد فرمایا کہ ؎

نیست معشوقی ہمیں زلف چلیپا داشتن
درد سر بسیار دارد پاسِ دلہا داشتن

یعنی شیخ بن جانا یہ نہیں کہ بڑی بڑی زلفیں رکھ لے، بڑی بڑی زلفیں رکھ لینے کا نام کارِ مشیخت نہیں ہے۔ دلوں کی تربیت کا کام بہت دردِ سر ہے۔

کسی طالب کے دل کی تربیت کس طریقے سے کی جائے یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے بڑا مشکل کام ہے۔ یہ شعر شیخ کی شان میں ہے۔ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ایسا ہونا چاہیے جو ہر طالب کے دل کی تربیت کے لحاظ میں کمال رکھتا ہو۔ جو شیخ کامل ہوتا ہے وہ ہر طالب کو ایک ہی لکڑی سے نہیں ہانکتا۔ جو لوگ عیش و عشرت میں پلے ہوتے ہیں ان کی تربیت اور انداز سے کرتا ہے اور دکھ بھرے دل کی تربیت کا انداز دوسرا ہوتا ہے۔ جس کا دل دنیا کے کاموں میں نہیں لگتا شیخ

کامل اسے دنیا کے کاموں کے لیے مجبور نہیں کرے گا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ ایسے طالب کو اللہ تعالیٰ نے دین کے کاموں کے لیے پیدا کیا ہے، اس کی روزی کا انتظام وہی فرمائے گا۔

ارشاد فرمایا کہ آپ کی بے کاری کی ایسی قدر کسی نے نہ کی ہو گی، جس کے دل میں صرف اللہ ہو وہی کر سکتا ہے ورنہ بڑے بڑے دینداروں کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ پھر وہ ایسے جملے کہہ دیتے ہیں جس سے دل ٹوٹ جاتا ہے کہ دنیا میں لگو، یا فاسقوں کی تعریف کردی۔ یہ دلیل ہے کہ یا تو ان کے دین کا فہم صحیح نہیں یا ان کی اللہ کے ساتھ محبت میں نقص ہے۔ اگر کہنا بھی ہو تو اس کا عنوان دوسرا ہوتا ہے، جیسے میں نے آپ سے اس دن کہا تھا کہ آپ کہہ دیجیے کہ میں کسی کے ٹکڑوں پر نہیں رہنا چاہتا مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں کرے گا۔ دنیا کی تو فکر کرنی ہی نہ چاہیے، دنیا فکروں میں رکھنے کی چیز نہیں۔ جسم سے روزی تلاش کرو، دل اللہ کے لیے ہے اللہ کے ساتھ رہے دنیا دل میں نہ آئے۔ اللہ والا ہاتھ پیر سے محنت کرتا ہے، اہلِ دنیا دل سے محنت کرتے ہیں ان کا دل ان کاموں میں لگتا ہے۔ اللہ والے کے برابر یہ دنیادار کیا محنت کریں گے۔ وہ روزی حلال کرنے کے لیے دفتر میں آٹھ گھنٹے خوب محنت سے کام کرتا ہے لیکن اس کے بعد جب وہاں سے اٹھتا ہے تو دفتر کو دل میں نہیں لاتا، وہیں جھاڑ آئے گا اور اپنے اللہ سے مشغول ہو جائے گا۔

(مندرجہ بالا ملفوظ حضرتِ والا نے احقر کی دلجوئی کے لیے ارشاد فرمایا کیوں کہ احقر جب حضرتِ والا کی خدمت میں پہلی دفعہ ١٩٦٩ء میں حاضر ہوا تو اس وقت کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ ١٩٥٩ء میں علی گڑھ سے بی-کام (B.Com) کیا تھا۔ اس کے بعد سے ہندوستان میں کوئی نوکری نہ ملی، نہ ہی احقر کا دل کسی کام کے کرنے کو چاہتا تھا۔ بہت سے اہلِ دین کے پاس بھی جاتا تھا تو جب انہیں معلوم ہوتا کہ میں کوئی کام نہیں کرتا تو وہ نصیحت کرتے تھے کہ کوئی کام کرنا چاہیے جس سے احقر کو اور زیادہ احساسِ کمتری پیدا ہو جاتا تھا کہ اہلِ دین کی نظروں میں بھی میں قابلِ التفات نہیں اور اہلِ دنیا تو حقیر سمجھتے ہی تھے۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرتِ والا سے انتہائی مناسبت اور محبت اوّل نظر ہی میں ہوگئی، اس لیے میں سمجھتا تھا کہ حضرتِ والا کو جب معلوم ہو گا کہ یہ کچھ نہیں کرتا تو حضرتِ والا کو تکلیف ہو گی۔ شروع حاضری کے

دوسرے تیسرے دن ہی حضرتِ والا نے دریافت فرمایا کہ تم نے کیا کیا ہے، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! بی۔ کام کیا ہے۔ تو دریافت فرمایا کہ کہاں سے کیا ہے، تو احقر نے عرض کیا: علی گڑھ یونی ورسٹی سے ١٩٥٩ء میں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا دس سال ہو گئے۔ پھر حضرتِ والا نے وہی دریافت فرمایا جس کا مجھے ڈر تھا کہ کیا کرتے ہو؟ احقر نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں۔ حضرتِ والا نے خوش ہو کر فرمایا کہ ماشاء اللہ! اور احقر کو سینے سے لگالیا۔ اور فرمایا: مجھے تو ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے جس کا دل دنیا کے کاموں میں نہ لگتا ہو پھر مثنوی کا یہ شعر پڑھا۔

تابدانی ہر کہ رایزداں بخواند
از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

احقر تو یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے جواب سے حضرتِ والا کو تکلیف ہو گی لیکن جب حضرتِ والا نے مجھے اپنے سینے سے لگایا تو پہلے تو احقر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ حضرت نے مجھے سینے سے کیوں لگایا ہے لیکن بعد میں جب وجہ سمجھ میں آئی تو ایسا لگا کہ کسی نے مجھے گہرے سمندر سے نکال لیا اور اسی وقت دس سال کا سارا احساس کمتری ایک پل میں جاتا رہا۔

احقر میر عفا اللہ تعالیٰ عنہٗ

اہلِ دین اور اہلِ دنیا کا فرق

حضرت کے بھانجے کا چھوٹا بچہ آیا اس کو پکڑا تو چیخنے لگا۔ ارشاد فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک مضمون دل میں ڈالا ہے۔ میں اس بچے کو پیار کرنا چاہ رہا تھا لیکن نا واقف ہے چیخنے لگا ایسے ہی جب دنیا داروں کو اللہ و رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو چیختے ہیں، ان کی روحیں نابالغ ہیں۔ اس بچے کو ابھی چاکلیٹ دکھا دیتا تو خوش ہو جاتا۔ ایسے ہی دنیا والے دنیا کی ہر دعوت قبول کر لیں گے۔ اس بچے کو تو سب معاف ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی پکڑ نہیں کی جائے گی لیکن اگر تم نے اللہ اور رسول کی دعوت ایمان کو قبول نہ کیا تو تمہیں معاف نہیں کیا جائے گا کیوں کہ عاقل بالغ ہو چکے ہو۔ انہوں نے تمہاری پرورش کی ہے۔ جسم اور جان و عقل کو بڑا کیا ہے۔ اگر پھر بھی اللہ کو نہ پہچانا تو وہ معاف نہ کریں گے۔

مبتدی اور منتہی کی تلاوت کا تفاوت

ایک صاحب نے عرض کیا کہ تلاوت کے وقت اگر یہ خیال کرلے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھ رہے ہیں اور میں سن رہا ہوں تو کوئی حرج تو نہیں؟

ارشاد فرمایا کہ اس کے متعلق حاجی صاحب نے فرمایا ہے کہ مبتدی کی نسبت میں اتنا دم ہی نہیں ہوتا کہ وہ یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ پڑھ رہے ہیں اور میں سن رہا ہوں۔ جب نسبت قوی ہو جاتی ہے اس وقت یہ مراقبہ للمنتہی ہے۔ اس لیے مبتدی کو تلاوت کے وقت یہ مراقبہ کرنا چاہیے کہ میں پڑھ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں البتہ اگر بے تکلف یہ خیال بندھ جائے کہ اللہ تعالیٰ پڑھ رہے ہیں اور میں سن رہا ہوں تو کوئی حرج بھی نہیں۔ آپ بالکل مبتدی بھی نہیں ہیں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سے بیعت ہوئے چار پانچ سال تو ہو ہی گئے ہوں گے۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ ۱۹۶۳ء میں بیعت ہوا تھا۔

آنسو اللہ تعالیٰ کے وجود اور محبت پر شاہد ہوتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ ایک عمر رونے والوں کے پاس رہنے سے اب ان لوگوں میں دل نہیں لگتا جو روتے نہیں۔ آخر میں میرے شیخ کی تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ جب وعظ شروع کرتے تھے تو آنسو آنکھ سے ڈھلک کر رخسار پر آجاتا اور چمکتا رہتا تھا، جتنی دیر بھی بیان فرماتے تھے۔ وہ آنسو کیا کام کرتا تھا؟ شہادت دیتا تھا اللہ کے وجود اور محبت پر، آنسو نعمت ہی تو ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما رہے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْیَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّالْاَضْرَاسُ جَمْرًا[ك]

(وفی روایةٍ: تسقیان القلب بذروف الدمع-کما فی المناجات المقبول)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے ایسی برسنے والی آنکھیں عطا فرما دیجیے جو آپ کے خوف سے اپنے آنسو برسا کر میرے دل کو سیراب

[ك] کنز العمال: ۲/۱۸۴ (۳۶۶۱)، باب فی جوامع الادعیة، مؤسسة الرسالة

کریں قبل اس کے کہ آنسو خون ہو جائیں اور داڑھیں انگارے ہو جائیں۔ (اور آنکھیں کب روتی ہیں جب دل روتا ہے) آنکھیں جاری ہو گئیں یعنی آنسو جاری ہو گئے، جیسے کہتے ہیں نہر جاری ہو گئی یعنی پانی جاری ہو گیا، لیکن ایک عمر رونے والوں کے پاس رہنے سے رونے والی آنکھیں نصیب ہوتی ہیں، مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

اسپ با اسپاں یقیں خوش تر رود

اسپ سے مراد یہاں اہل اللہ ہیں۔ کسی کو رونا نہ آئے تو رونے کا سامنہ ہی بنا لے یہ بھی رونے کا قائم مقام ہے، کیوں کہ دل روتا ہے رونا نہ آنے کے افسوس سے۔ رونا کوئی اختیاری بات تو ہے نہیں، ان کے بھی اختیار میں نہیں جو بہت روتے ہیں، یہ تھوڑی ہے کہ جب چاہیں رونے لگیں۔ البتہ آخر میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آنسو بھی اختیاری ہو گئے۔ جہاں اللہ کا ذکر شروع کیا آنکھیں ایک بار ذرا جھپکائیں بس فوراً آنسو نکل پڑتے تھے۔ اللہ کو وہی آنسو پسند ہیں جو ان کی محبت میں نکلیں، پیاز کے آنسو نہیں ہونا چاہئیں۔ جیسے ایک سپاہی تھا اس نے اپنی آنکھوں میں پیاز لگا لی اور روتا ہوا افسر کے پاس گیا کہ میری ماں مر گئی چھٹی دے دی جائے انگریز افسر تھا فوراً چھٹی دے دی۔ لیکن پیازی آنسوؤں کی اللہ کے یہاں قدر نہیں ہے، دل میں درد پیدا کرو۔

آیت ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ الخ کی الہامی تفسیر

ارشاد فرمایا کہ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ اور ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ[18] کی مولانا تھانوی نے عجیب تفسیر فرمائی ہے۔ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ کے لفظی معنٰی ہیں کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کافر تو اس میں شک کرتے ہیں تو اس آیت کے معنٰی یہ نہیں ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کرتا بلکہ مولانا نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا کہ یہ کتاب شک کے قابل نہیں ہے۔ یعنی اس کی شان کے منافی ہے کہ اس پر شک کیا جائے بلکہ یہ شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کا ترجمہ و تفسیر بیان القرآن میں یہ ہے: ”راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے

---

[18] البقرۃ: ۲

والوں کو، کیوں کہ جس کو خوفِ خدا نہ ہو وہ قرآن کا بتلایا ہوا طریقہ نہیں دیکھتا۔“

میرے شیخ حضرت پھولپوری نے فرمایا تھا کہ متقین تو ہدایت یافتہ ہوتے ہی ہیں پھر ان کے لیے ہدایت کیوں فرمایا؟ تو بات یہ ہے کہ متقین سے مراد یہ ہے کہ جن کے دل میں کھٹک ہوتی ہے اور جن کو حق کی تلاش ہوتی ہے ان کو متقین فرمایا کہ یہ ان کے لیے ہدایت ہے۔ ایسے لوگ ہی متقین بن جاتے ہیں۔ اور یہ کتاب متقی بننے کا نصاب ہے کہ جو اس پر عمل کرے گا متقی بن جائے گا جس طرح تعلیمی اداروں میں نصاب ہوتا ہے کہ جو اس کو پڑھے گا وہ اس نصاب میں کامیاب ہو جائے گا اور اسے اس نصاب کی ڈگری مل جائے گی۔ اسی طرح جو اس کتاب کی ہدایت پر عمل کرے گا وہ متقی ہو جائے گا۔

ایک نو مسلم کو نصیحت

ایک نو مسلم صاحب سے دریافت فرمایا کہ اب تو دل نہیں گھبراتا، باپ اور بہن بھائی یاد تو نہیں آتے؟ عرض کیا کہ جی نہیں! اب زیادہ تو جی نہیں گھبراتا کبھی کبھی گھبراتا ہے۔ فرمایا کہ جب دل گھبرایا کرے تو یہاں آجایا کرو، مقام کے تبدیل کرنے سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے نوافل جگہ بدل بدل کر پڑھنے کا حکم ہے، اس کی وجہ اہل فقہا نے یہی لکھی کہ تبدیلیٔ مکان سے طبیعت کا نشاط بحال رہتا ہے اور نماز میں جی نہیں گھبراتا۔ پھر احقر سے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے یہ صاحب نو مسلم ہیں، یہ پہلے اوم پرکاش تھے، سہارن پور کے ہیں، ٹھاکروں میں پیدا ہوئے تھے۔ ماں کا انتقال ہو گیا تو باپ نے دوسری شادی کرلی، سوتیلی ماں کا برتاؤ بہت خراب تھا، انہیں ایک مسلمان درزی کے یہاں بٹھادیا وہاں بہشتی زیور سنائی جاتی تھی۔ ارے بس سب انتظام وہاں سے ہوتے ہیں۔ ان کے باپ اور دوسرے بہن بھائی آج بھی کافر ہیں۔ وہ مردہ ہیں یہ زندہ ہو گئے۔ پھر ان صاحب سے فرمایا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ[19]

---

[19] الانعام: ۱۲۲

ایمان سے پہلے والی زندگی کو زندگی نہیں فرمایا بلکہ موت فرما رہے ہیں۔ شکر کرو کہ تم زندہ ہو گئے۔ باپ اور بہن اگر یاد آتے ہیں تو یہ ایک طبعی بات ہے۔ لیکن کیوں کہ وہ حالتِ کفر میں ہیں اس لیے تقاضے پر عمل نہ کریں گے۔ یہ دعا کیا کرو یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اے زندہ تھامنے والے! آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حَیٌّ یعنی زندہ رہنے والے اور قَیُّوْمُ تھامنے والے ہیں۔ گڑگڑا کے یہ دعا مانگنی چاہیے کہ جب آپ نے ایمان کی دولت میرے دل کو عطا فرمائی ہے تو آپ ہی اس کو تھامے رہیں۔ باپ اور بہن کے لیے بھی دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ایمان عطا فرمائیں۔ اس دعا سے تمہیں یہ نفع ہو گا کہ تمہارے دل کو فوراً سکون ہو جائے گا، ایسا معلوم ہو گا جیسے زخم پر کسی نے مرہم رکھ دیا۔

ماں روتے ہوئے بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتی ہے تو سسکی بند ہو جاتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بچہ چلّا کر رو رہا ہے، بس جہاں ماں نے سر پر ہاتھ رکھا تو سسکی ایسی بند ہو گئی جیسے کسی نے بریک لگا دیا۔ ماؤں کو یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ہی تو سکھائی ہے ؎

مادراں را مہر من آموختم

(ماؤں کو یہ محبت میں نے ہی تو سکھائی ہے) انہوں نے اپنی محبت کا ایک حصہ دنیا میں عطا فرما دیا ہے جس میں ماؤں کی محبت بچوں کے ساتھ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ یہ محبتیں دیکھ رہے ہو اور ننانوے حصے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جن کا ظہور آخرت میں ہو گا۔ جب عزیز یاد آئیں تو اللہ تعالیٰ کو ہی یاد کرنا چاہیے جو سر پر ہاتھ رکھ کر سسکی بند کر دیتے ہیں۔ سوچ لو کہ ایک حصۂ محبت میں جب یہ اثر ہے تو ننانوے حصوں میں کیا ہو گا؟ اصل محبت کرنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور محبت کے قابل بھی ان کی ہی ذات ہے اس لیے ان کی محبت ساری محبتوں پر غالب رہنی چاہیے۔ ماں باپ بھی ایک دن چھوٹ جاتے ہیں، بہن بھائی چھوٹ جاتے ہیں، اعزا و اقربا بھی چھوٹ جاتے ہیں، استاد و شیخ بھی چھوٹ جاتا ہے، حتیٰ کہ نبی بھی ایک دن چھوٹ جاتا ہے، صرف اللہ کی ذات ہے جو قبر میں، برزخ میں، پلِ صراط پر پھر جنّت میں ہمیشہ ہمیشہ ساتھ رہے گی۔ ہمیشہ ان کے ساتھ رہنا ہے دنیا کا ساتھ تو ایک دن چھوٹے گا۔ شکر کرو کہ تم کروڑوں میں سے ایک ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے انتخاب کر لیا ورنہ جو کافروں کے گھروں

میں پیدا ہوتے ہیں انہیں کہاں ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ یہ دولت ہر ایک کو نہیں ملتی۔

نہ ہر سینہ را راز دانی دہند
نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند

ہر سینے کو راز دانی نہیں دیتے یعنی اپنا راز داں نہیں بناتے، اور ہر آنکھ کو دوسری آنکھوں کی رہبری کا شرف نہیں عطا فرماتے۔

نہ ہر گوہرے درۃ التاج شد
نہ ہر مرسلے اہلِ معراج شد

ہر موتی تاجِ شاہی میں نہیں لگایا جاتا اور ہر نبی صاحبِ معراج نہیں ہوتا۔

برائے سر انجام کارِ ثواب
یکے از ہزاراں شود انتخاب

کارِ ثواب یعنی دین کا کام انجام دینے کے لیے ہزاروں میں سے ایک کا انتخاب ہوتا ہے۔ کیا کروں شعر ہزاروں ہے، میں تو کروڑوں میں ایک کہتا۔ دیکھ لو ہزاروں عالم ہیں لیکن ہر ایک حضرت مولانا ابرار الحق صاحب تھوڑی ہے۔ میں نے تو اپنی زندگی میں کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جو ستّر مدرسے چلا رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ مدرسوں کا کام بھی کر رہے ہیں اور دلوں کی تربیت کا بھی۔ لیکن بعض سے اللہ تعالیٰ صرف دلوں کی تربیت کا کام لیتے ہیں۔ دوسرے کاموں سے آزاد رکھتے ہیں۔ صرف یہی کام سونپ دیتے ہیں کہ بس ہماری محبت کی آگ لگائے جاؤ۔ ہماری محبت کی بات سناتے رہو۔

دعا کی تلقین کے وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ یوں بھی کہا کرو کہ اے اللہ! اگر آپ کے علم میں میرے باپ اور بہنوں کے لیے ایمان مقدر نہیں ہے تو پھر (یہاں سکوت فرمایا) پھر فرمایا کہ یہ کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے، کیوں کہ دعا تو قضا کو بھی بدل دیتی ہے، حدیث شریف میں ہے:

لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ[٢٠]

---

[٢٠] جامع الترمذی: ٢/٣٥، کتابُ القدر، باب جاء لا یرد القضاء الا الدعاء، ایچ ایم سعید

ان کا فیصلہ بھی ان کا محکوم ہے حاکم نہیں۔ بس تم اپنے عزیزوں کے واسطے ایمان کی دعا کرتے رہو۔

مدرسہ کے لیے چندہ سے احتراز کی تلقین

ایک صاحب نے مدرسہ امداد العلوم کو زکوٰۃ اور صدقہ کی رقم بھجوائی۔ فرمایا کہ ماشاء اللہ یہ صاحب تو مدرسے کی کافی مدد کر رہے ہیں۔ جب کوئی اس مدرسے کی مدد کرتا ہے تو مجھے اس لیے خوشی ہوتی ہے کہ اس مدرسہ کے حالات آپ کو معلوم ہی ہیں کیسے ہیں۔ مدرّسین کو بغیر تنخواہ کے آٹھ آٹھ نو نو مہینے ہو جاتے ہیں، دردر چندہ مانگنے سے میں نے مہتمم کو منع کر رکھا ہے، نہ میں خود کسی سے مانگنے جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ یہیں بیٹھے بیٹھے بھجوا دیتے ہیں۔ ان حالات میں یہ صاحب جو مدد کر رہے ہیں تو ان پر اللہ کے فضل کی امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کا فیض ان کو پہنچے گا اور ان کے دینی حالات درست ہو جائیں گے۔ یہ مدرسہ حاجی صاحب کے نام پر ہے۔ یہ کوئی دعویٰ نہیں ہے بس اللہ کے فضل سے ایک امید رکھتا ہوں۔ اصل کامیابی تو یہی ہے کہ ان کے دینی حالات درست ہو جائیں ورنہ آدمی کا دین اگر ناقص رہے تو کیا فائدہ! نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور داڑھی منڈا رہے ہیں۔ آج کل لوگوں نے نماز روزہ کو کافی سمجھ لیا ہے، دین کو ناقص درجے میں قبول کر لیا اگرچہ دنیا کو کمال درجے میں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا کو ناقص رکھنا پسند نہیں کرتے ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے جنگل کی اندھیری رات میں ایک چراغ ہو ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کا۔ غنیمت ہے، نہ ہونے سے تو بہتر ہی ہے، لیکن اتنے پر رضامند ہو جانا کافی نہیں۔ نور تو ایسا ہو کہ دور دور روشنی پہنچے کہ دوسروں کو بھی راستہ مل جائے۔

عرض کیا گیا کہ کیا صدقہ و خیرات ایک ہی چیز ہے؟

ارشاد فرمایا کہ ہاں عوام کے لیے بس اتنا جاننا ہی کافی ہے صدقہ بلا کو دور کرتا ہے، اللہ کے غصّے کو ٹھنڈا کرتا ہے، لیکن اس کا صرف ایک ہی طریقہ نہیں ہے آج کل کے مولوی وہ ایک طریقہ تو بتا دیں گے جو معروف ہے یعنی روپیہ پیسہ دینا کیوں کہ اس

میں اپنا فائدہ ہے کہ چندہ آتا ہے، لیکن صدقہ کے اور دوسرے طریقے نہیں بتائیں گے۔ مجھ سے ان شاء اللہ وہ بھی سن لوگے کیوں کہ دین کی بات بتانا مقصود ہے چندہ ملے نہ ملے۔

۲۹؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۱۵؍ جون ۱۹۶۹؁ء بروز اتوار

اہل اللہ کے فہم اور ادب کی ایک مثال

ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ نے یہ قصّہ سنایا تھا۔ ایک بزرگ کو کسی نے ہدیہ میں چینی کی مسجد پیش کی اور عرض کیا کہ حضرت! کھائیے۔ مسجد کو توڑنا بے ادبی تھی۔ انہوں نے اپنے مریدین کو حکم دیا کہ لانا بھائی! ایک لوٹا پانی۔ کبھی کبھی اللہ کے گھر کی صفائی کی جاتی ہے۔ بس اس کو دھوتے گئے اور پیتے گئے۔ توڑنا لازم نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ یہ فہم عطا فرماتے ہیں اپنے خاص بندوں کو۔ کسی خشک مولوی کو ہرگز یہ ادب نہیں آسکتا تھا ہزار صغریٰ کبریٰ لگائے۔ جس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق نہ ہو اس کو یہ فہم نصیب نہیں ہو سکتی۔ کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کرنے سے یہ باتیں آتی ہیں۔

علماء کے اُمرا سے میل جول کے مفاسد

ارشاد فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب نے ٹیلی فون پر بتایا کہ ایک جگہ پر بڑے بڑے آدمی موجود تھے، بینک کے ایک آفیسر نے پاکولا کی دعوت کردی، اگر اس وقت میں انکار کرتا کہ یہ آمدنی حرام ہے تو ایک مسلمان کی بے آبروئی ہوتی اس لیے مجبوراً پی لیا۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ بعد میں استغفار کرلوں گا مسلمان کی آبرو بچانا بھی دین ہے۔ ان صاحب کا شہرہ دور دور ہوگیا ہے امرا سے بھی واسطہ رہتا ہے ایسے میں دین کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔ شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے بے نام و نشان رکھا ہے۔

اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الدِّیْنِ حَتّٰی لَمْ یُخَالِطِ الْاُمَرَاءَ

یعنی علما دین کے امین ہیں جب تک کہ اُمرا سے اختلاط نہ کریں۔ اس لیے اپنے بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ اُمرا کے دروازے پر نہیں جاتے تھے بلکہ اُمرا ہی ان کے دروازے پر آتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت

ارشاد فرمایا کہ دریائے نیل خشک ہو جایا کرتا تھا۔ جب تک کسی لڑکی کی بھینٹ نہ چڑھتی تھی جاری نہ ہوتا تھا۔ شیطانی اثرات تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی جب لوگ بھینٹ چڑھانے کی تیاری کر رہے تھے کہ مصر کے گورنر نے جو ایک صحابی تھے انہیں روک دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ رسم اسلام کے خلاف ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریا کے نام خط لکھا:

"از عمر بنام دریائے نیل۔ اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو بہنا بند کر دے اور اگر خدائے واحد و قہار تجھے چلاتا ہے تو ہم اس خدائے واحد و قہار سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے بہنے پر مجبور کر دے۔"

دریائے نیل اس وقت سے جاری ہے اور کبھی خشک نہیں ہوتا۔ بتاؤ! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کون سی سائنس تھی۔ لوگ سائنس کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں ارے ہم اپنے آپ سے بے خبر ہو گئے کہ ہمارے اندر کیا کیا قوتیں پوشیدہ ہیں جہاں ساری سائنسیں فیل ہو جاتی ہیں۔ لیکن اب ہم بے یار و مددگار ہو گئے کیوں کہ ہم نے دین کا دامن چھوڑ دیا۔

۱۳؍ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۹؍ جون ۱۹۶۹ء، بروز اتوار

مہتممینِ مدرسہ کو چندہ مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی ترغیب

ایک مدرسہ کے مہتمم جو حضرتِ والا سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ مدرسہ پر قرض بہت ہو گیا ہے، مزدور بہت تقاضا کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ جب قرضہ بہت ہو جائے تو معلوم ہے کیا کرنا چاہیے؟ وضو کر کے دو نفل پڑھ کر اللہ سے خوب رونا چاہیے، رونے ہی سے کام بنے گا۔

ایک بزرگ تھے شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کا انتقال ہونے لگا۔ چاروں

طرف سے قرضہ دار گھیرے ہوئے تھے اور وہ شرم کے مارے منہ چھپائے ہوئے لیٹے تھے، چلنے کی تیاری ہورہی تھی۔ قرض دار بھی ڈر رہے تھے کہ کہیں بڑے میاں چل نہ دیں، پھر کس سے وصول کریں گے۔ منہ چھپائے ہوئے تھے اس لیے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ نہ معلوم اس وقت قرب کے کس مقام پر ہوں، کیا کیفیت ہو؟ ان کی بزرگی کی عظمت تو قلب میں تھی ہی۔ اتنے میں ایک حلوہ بیچنے والا لڑکا ادھر سے گزرا۔ شیخ نے چہرے سے چادر ہٹالی اور فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ۔ پھر اس کو حکم دیا کہ جتنے لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہیں سب کو یہ حلوہ کھلادو، اس کا ٹوکرا خالی ہو گیا، لیکن جب اسے دام نہ ملے تو وہ لڑکا رونے لگا۔ حلوہ اس کا اپنا تھا بھی نہیں، کسی سیٹھ کے یہاں نوکر ہوگا، شام کو بکری پر کمیشن مل جاتا ہوگا۔ تو وہ رونے لگا کہ آج تو بہت پٹائی ہوگی۔ کام اس کے رونے سے ہی بنا، یہ بڑے لوگ رو نہیں رہے تھے اس لیے اللہ کی رحمت متوجہ نہیں ہورہی تھی، جب وہ بچہ رویا تو رحمت جوش میں آگئی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں؎

تانہ گرید کودکے حلوہ فروش
بحر بخشائش نمی آید بجوش

اگر وہ حلوہ بیچنے والا لڑکا نہ روتا تو بخشائش کا دریا جوش میں نہ آتا؎

تانہ گرید طفل کے جوشد لبن
تانہ گرید ابر کے خندد چمن

جب تک بچہ نہیں روتا ماں کی چھاتی میں دودھ جوش کب مارتا ہے اور جب تک ابر نہیں روتا چمن کب ہنستا ہے۔ چمن کا ہنسنا کیا ہے؟ کِھل جانا، دھل کر شاداب ہوجانا۔

بس اسی وقت ایک شخص تھیلیوں میں الگ الگ روپیہ باندھ کر لے آیا۔ ہر تھیلی میں اتنے ہی روپے تھے جتنے ہر قرض دار کو چاہیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وائرلیس اس کے دل میں لگادیا۔ اس کو خواب میں دکھادیا کہ اتنی اتنی رقم کی تھیلیاں لے جاؤ، کسی کی پانچ سو کی، کسی کی ایک ہزار کی، کسی کی دو سو روپیہ کچھ آنے کی۔ غرض جتنے قرض دار وہاں موجود تھے سب کے حصے لے آیا اور شیخ کو پیش کردیے۔ حضرت شیخ احمد خضرویہ

اسی وقت اٹھ کر بیٹھ گئے اور مع اس حلوہ فروش کے سب کا قرض ادا کردیا۔ اس کے بعد انتقال فرمایا۔ تو بس یہی نسخہ ہے کہ کوئی ضرورت پیش آئے اللہ سے رو رو کر عرض کرو۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے، مفتی شفیع صاحب کے استاد تھے۔ مفتی صاحب نے مجھ سے یہ روایت بیان کی کہ یا تو مفتی صاحب خود اپنے بچے کو ان کی خدمت میں لے کر گئے یا کوئی شخص لایا یہ یاد نہیں رہا۔ غرض عرض کیا کہ یہ بچہ روتا بہت ہے کوئی تعویذ دے دیجیے کہ اس کا رونا کم ہو جائے۔ فرمایا کہ رونا تو ہمیں چاہیے تھا، بچہ روتا ہے۔ اگر ہم نے بھی رونا چھوڑ دیا اور بچے نے بھی رونا چھوڑ دیا تو کیسے کام چلے گا؟ اللہ کی رحمت کیسے جوش میں آئے گی؟ اس لیے اسے ہی رونے دو۔ کوئی رونے والا تو ہو۔

اب کوئی کہے کہ ہم کیسے روئیں؟ ہم تو بچے نہیں ہیں۔ تم بڑے ہو لیکن تمہاری آنکھیں بچہ ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے برادر طفل طفلے چشم تُست

اے بھائی بچے کون ہے؟ یہی تمہاری آنکھیں ؎

کام خود موقوفِ زاریِ دل است
بے تضرع کامیابی مشکل است

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

(حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ)

بغیر روئے کامیابی مشکل ہے، کیوں کہ تیرا کام دل کے رونے پر موقوف ہے۔ دل کو رونا چاہیے۔ پہلے دل روئے گا پھر آنکھ روئے گی، ورنہ وہ منافق ہے جس کی آنکھ تو روئے اور دل نہ روئے۔ اَلْمُنَافِقُ یَمْلِكُ عَیْنَیْهِ منافق اپنی دونوں آنکھوں کا مالک ہوتا ہے، جب چاہتا ہے رو لیتا ہے اس لیے دل کا رونا ضروری ہے، صرف آنکھوں کے رونے سے کیا ہوتا ہے۔ دل کے رونے ہی سے کام بنے گا۔ حلوہ فروش کا بچہ ملنے کے لیے تو اللہ کا ولی

ہونا ضروری ہے۔ ناز کرنے کے لیے گلاب کا سا چہرہ ہونا چاہیے، مراد ہے کہ روح کا چہرہ گلاب سا ہونا چاہیے۔ ہر شخص ناز تھوڑی کرسکتا ہے، ناز کرنے کے لیے پہلے روح کو سنوارا جاتا ہے، مجاہدات کیے جاتے ہیں، جب روح حسین ہو جائے گی تب ناز کرلینا، ابھی تو جو ضرورت پیش آئے رو رو کر اپنے اللہ سے مانگو۔ قرضہ کی ادائیگی کے لیے رونا چاہیے۔ اپنے لیے بھی رونا چاہیے لیکن دین کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھنا یہ بہت بڑی بات ہے۔ جس کو یہ ہنر مل جائے کہ جب کوئی ضرورت پیش آئے، چھوٹی ہو یا بڑی وضو کرکے دو نفل پڑھ کے اللہ سے روئے۔ ہر معاملے میں جب یہ توفیق ہونے لگے تو سمجھ لو کہ اللہ ہمیں چاہنے لگا ہے۔ سمجھ لو کہ اب ولایت مل گئی۔ دنیا کی مصیبت ہو یا دین کی مصیبت، سب سے پہلی تدبیر یہ کرو کہ مسجد کی طرف دوڑو فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ بھاگو اللہ کی طرف۔ دنیا کی مصیبت کیا ہے؟ بیماری آجائے، قرضہ ہو جائے یا کوئی صدمہ اور غم لگ جائے۔ دین کی مصیبت کیا ہے گناہ کا تقاضا ایسا ہونے لگے کہ گناہ میں ابتلا کا اندیشہ ہونے لگے، دل کا گھبرانا، طبیعت کا سکون جاتا رہنا، ذکر میں دل نہ لگنا، اس وقت ہوش و حواس کو سنبھالنا، ہمت سے کام لینا، یہ صبر ہے لیکن صبر آئے گا کیسے؟ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ دیکھو مصیبت میں نماز سے مدد لینا نص سے ثابت ہے۔ ایک طرف تو حکم دیا ہے کہ خبردار! بے صبری مت کرنا، صبر سے کام لینا، پھر طریقہ بھی بتلادیا کہ صبر آئے گا کیسے؟ ہوش و حواس کو سنبھالے رہنا، ہمت سے کام لینا، یہ صبر ہے۔ اتنا کرکے نماز میں مشغول ہو جاؤ تاکہ استقامت نصیب ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اپنانا چاہیے کہ اجر بھی ملے گا اور کام بھی بنے گا۔ بچے کو جب دودھ کی ضرورت پیش آتی ہے تو ماں کی طرف بھاگا جاتا ہے۔

اپنے بھانجے کے چھوٹے بیٹے کے متعلق فرمایا کہ آج صبح وہ روٹی کھا رہا تھا۔ میں نے اس کی روٹی اٹھالی کہ دیکھوں یہ کیا کرتا ہے۔ روٹی اٹھا کر میں ایسے کرنے لگا جیسے روٹی لے کر بھاگ جاؤں گا۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ اٹھ کر سیدھا اپنی ماں کے پاس بھاگا ہوا گیا اور کہا کہ امّاں! دادا ہماری روٹی چھین رہے ہیں۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ بچہ سمجھتا ہے کہ میرا کام میری ماں ہی کرے گی۔ مجھ میں تو اتنی طاقت ہے نہیں

کہ میں ان کے ہاتھوں میں سے روٹی چھین لوں۔ وہ اپنی ماں کو سب سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے۔ بچے اور ماں کا جو تعلق ہے، بندے اور اللہ کا اس سے بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

لیکن ہم چوں کہ متکبر ہیں، اس لیے اپنے دست و بازو پر نظر رکھتے ہیں کہ ہمارے دست و بازو میں دم ہے۔ ہم سے کون روٹی چھین سکتا ہے؟ چھینے گا تو ہم اس کا منہ توڑ دیں گے۔ ہم سے کون گناہ کرا سکتا ہے؟ گناہ سے مقابلہ کی قوت رکھتے ہیں لیکن اللہ والے اپنے دست و بازو پر نظر نہیں رکھتے۔ ان کی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے۔ ہزاروں دفعہ اکھاڑے میں چت ہوتے ہیں۔ اگر آپ بڑے شیر ہیں تو ایک بار توبہ کرنے پر دوسری بار کیوں گناہ کرتے ہیں؟ اگر آپ کا ارادہ ہی سب کچھ ہے تو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟ جب آدمی کے ارادے ٹوٹتے ہیں، بار بار ٹھوکر کھاتا ہے، اس وقت اس کو اپنی بے دست و پائی معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی نظر اپنے ارادوں پر نہیں رہتی بلکہ اللہ پر ہو جاتی ہے کہ میرے چاہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا، سب کچھ آپ کے چاہنے پر موقوف ہے۔ اگر آپ چاہیں گے تو گناہ سے بچ جاؤں گا ورنہ ساری شہبازیت دھری رہ جائے گی۔ ہر وقت ہر سانس ؎

دم بدم پا بستۂ دام نو ایم
گر ہمہ شہباز و سیمرغے شویم

گر ہزاراں دام باشد بر قدم
چوں تو با مائی نہ باشد ہیچ غم

ہر وقت پیر بندھا ہوا ہے نئے نئے جال میں، مراد ہیں گناہوں کے جال۔ کسی کی غیبت کر لی، کسی پر بدگمانی ہو گئی، جھوٹ بول دیا، کسی پر حسد ہو گیا۔ لاکھ بچتے تھے لیکن کتنی بار ان جالوں میں پھنس جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہر سانس، ہر ساعت ان نئے نئے جالوں میں پیر بندھا ہوا ہے۔ اگر چہ ہم سب لوگ شہباز اور سیمرغ کیوں نہ ہو جائیں۔ مراد سالکین ہیں، یعنی اللہ کا راستہ طے کرنے والے۔ ہماری شہبازیت اور سیمرغیت کچھ کام نہیں آتی۔ شہباز شیر کا شکار کرتا ہے۔ مان لو کہ ذکر کر کے بہت بڑے

ہوگئے کہ قرب اور روحانی قوت میں بڑے بڑوں سے آگے نکل گئے لیکن اللہ کا کرم شاملِ حال نہ ہوا تو شہباز بھی جال میں پھنس جائے گا۔ اگر ہزاروں جال ہمارے قدم پر رکھے ہوئے ہوں لیکن آپ ہمارے ساتھ ہو جائیں تو پھر ہمیں کوئی غم نہیں ہوگا۔ یعنی پھر ہم کسی جال میں نہیں پھنس سکتے۔ اس کے لیے رو کر اللہ کی رحمت اور کرم مانگو، چاہے دنیا کی مصیبت ہو یا دین کی مصیبت۔ گناہ دین کی مصیبت ہے لیکن گناہ کا تقاضا مصیبت نہیں ہے۔ اگر تقاضے پر عمل نہ کیا تو قرب اور بڑھ جائے گا، کیوں کہ تقاضے پر عمل نہ کرنے سے دل ٹوٹے گا، کلفت ہوگی۔ یہی کیمیا ہے، ٹوٹے ہوئے دلوں میں ہی وہ آتے ہیں۔ خزانہ ویرانہ ہی میں دفن ہوتا ہے۔ اس لیے تقاضے سے کبھی نہ گھبرانا۔ جب گناہ کا تقاضا پیدا ہو تو خوش ہو جاؤ، سمجھ لو کہ یہ تقاضا ہی تو ذریعہ ہے ان کا قرب حاصل کرنے کا۔ اسی لیے ہیجڑا خاص ولی نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کے اندر تقاضا ہی نہیں، ہزار عورتیں اور امرد سامنے لائیے! اسے گناہ سے بچنے میں کوئی مشقت ہی نہ ہوگی۔ اپنے نفس سے کہو کہ کمبخت کیا ہیجڑا بننا چاہتا ہے؟ یہ مردوں کا ہی کام ہے کہ تقاضا شدید ہوتا ہے اور پھر عمل نہیں کرتے۔ پھر بھی چت ہونے کا اندیشہ ہو تو وضو کرو، دو نفل پڑھو اور اللہ سے روؤ۔ اگر یہی ہنر آجائے اور اس عمل کی توفیق ہونے لگے تو سمجھ لو کہ آج ہمارا کام بن گیا، آج ہمیں ولایت نصیب ہوگئی۔ ہر مشکل کے وقت اللہ یاد آنے لگے۔ مسجد کی طرف بھاگو فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ۔ یہ بڑی نعمت ہے، یہ عمل کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ آج مجھے بھی اس کی توفیق نہ ہوتی لیکن یہ میرے شیخ نے مجھے سکھایا ہے۔ شیخ کو دیکھ کر یہ بات نصیب ہوئی ورنہ کبھی نہ آتی۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوست کو ہیضہ ہوگیا۔ حضرت سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت کو مچھلی بہت کھلایا کرتے تھے۔ سردی کے موسم میں پانی سے خود مچھلی پکڑ کر لایا کرتے تھے۔ تیرنا بہت اچھا جانتے تھے، کھڑے کھڑے تیرتے تھے۔ اکثر فجر کے وقت بھیگے ہوئے چلے آرہے ہیں کہ لیجیے حضرت؟ آپ کے لیے مچھلی لایا ہوں۔ حضرت کو خبر ملی کہ ان کو بے ہوشی ہوگئی ہے۔ جان نکلنے والی ہے۔ قریب میں ایک ندی تھی حضرت وہاں گئے، غسل کیا۔ یہاں ایک ملفوظ سنادوں۔ حضرت شیخ الہند

نے فرمایا کہ دریا میں گھس کر کے پانی ناف تک آجائے کپڑے اتار کر دعا مانگی جائے تو بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ کیوں کہ آج کل حرام غذا پیٹ میں پہنچ رہی ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ پیٹ میں حرام غذا کا ایک لقمہ بھی ہوتا ہے تو دعا قبول نہیں ہوتی۔ دریا میں گھس کر تھوڑا سا پانی پی لے، پیٹ میں حلال غذا پہنچ گئی اور جسم پر حلال کپڑا آگیا، پانی کا کپڑا۔ پھر دعا کرے تو وہ دعا عرش پر پہنچے گی کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت کو یہ ملفوظ ملا ہوا تھا۔ مجھے بھی حضرت کی برکت سے دریا میں دعا مانگنے کا خوب موقع ملا۔ میں نے دعا میں کبھی دنیا نہیں مانگی، ہمیشہ اللہ سے اللہ کو مانگا کہ آپ مل جائیں تو سب کچھ مل گیا۔ دنیا کو مانگا تو کیا مانگا اللہ کی قدر نہ پہچانی۔ اللہ سے اللہ کو مانگو۔ مرتے وقت کان میں یہ آواز آجائے کہ میرے بندے میں تم سے خوش ہوں، کوئی نعمت اس کے برابر نہیں۔ اگر یہ مل گئی تو سب کچھ مل گیا، ورنہ کچھ نہ ملا، ساری نعمتیں وبال ہیں۔ یہ نعمت صرف ان کے کرم پر موقوف ہے۔ اگر دودھ میں خون اور گوبر مل جائے تو کیا آپ اسے پئیں گے؟ تو یہ ہمارا عمل اہتمامِ تلاوت کا، ذکر کا، کیا یقین ہے کہ یہ خالص ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اسے قبول ہی کر لیں گے۔ دنیا میں تو ہم خالص دودھ کے علاوہ پسند ہی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے غیر خالص عمل کو بھی پسند کر لیں اور ہم سے خوش ہو جائیں۔ جبکہ یہ یقین بھی نہیں کہ ہمارے عمل خالص ہیں۔ اپنے عمل پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ[٢١]

جو لوگ مخلصین ہیں وہ لوگ زیادہ خطرے میں ہیں، یعنی اپنے عمل کے بارے میں انہیں کھٹکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں قبول بھی ہے یا نہیں۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

لہٰذا جو کام بھی کر رہے ہو، خواہ مدرسے کے بلاک رکھوانے کے لیے مستری کے پاس جا رہے ہو، آسمان کی طرف نگاہ کر لو کہ اے اللہ! یہ عمل قبول کر لیجیے اور اخلاص کی توفیق عطا فرمائیے۔ اپنے اعمال کی نگرانی کرو کہ کہیں ریا، جاہ، عزت و شہرت کی طلب تو دل میں نہیں گھس رہی ہے۔ ورنہ قیامت کے دن مہاجر اُمِّ قیس ثابت ہو گے۔ تم نے دنیا کے

---

[٢١] مرقاۃ المفاتیح:۹/۱۵۳(۴۹۳۸)، کتاب الآداب، باب البر والصلوٰۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

لیے مدرسہ قائم کیا تھا، دنیا ہی سے معاوضہ لے لو۔ یاد رکھو! کہ تم مہتمم ہو کر ناکام ہو جاؤ گے اور چندہ دینے والے افضل ہوں گے جنہیں کوئی جانتا بھی نہیں۔ جنہوں نے بے نام و نشان ہو کر اللہ کے راستے میں چندہ دیا تھا۔ ہر وقت یہ خیال رکھو کہ ہمارے کسی عمل کے مقابلے میں شیطان و نفس دنیا کا کوئی معاوضہ تو پیش نہیں کر رہے۔ یہ معاوضہ کیا ہے؟ جاہ، عزت و شہرت کی طلب۔ دعا بھی کرتے رہو کہ اے اللہ! جس طرح آپ کا فضل قادر ہے کہ خون اور گوبر سے دودھ کو الگ کر دیتا ہے۔ اسی طرح میرے عمل میں جو میرے نفس کا خون اور گوبر مل گیا ہو آپ اسے پاک کر دیجیے۔ حضرت شیخ پھولپوری فرمایا کرتے تھے کہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرو کہ جو کام بھی ہو رضائے الٰہی کے واسطے ہو، دنیا کی کوئی غرض چھپی ہوئی نہ ہو۔ اپنے قلب میں جھانکو کہ میں مہاجر اُمِّ قیس تو نہیں ہوں اور اللہ سے اخلاص مانگتے رہو۔ میرے پاس جب آیا کرو تو بھی نیت درست کر لیا کرو کہ اے اللہ! صرف آپ کی محبت سیکھنے جا رہا ہوں۔ اگر اس کے علاوہ میرے دل کی گہرائی میں کوئی بُت چھپا ہوا ہے تو آپ اسے نکال دیجیے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرو بلکہ ڈرتے رہو کہ نہ معلوم اللہ تعالیٰ خوش بھی ہوئے یا نہیں۔ نہ معلوم اس میں اخلاص بھی ہے یا نہیں۔ اس لیے معافی بھی مانگتے رہو کہ اے اللہ! آپ کے پاس قدرتِ مطلقہ کی ایسی مشین ہے کہ دودھ کو خون اور گوبر سے الگ کر دیتی ہے۔ آپ میرے نفس کے خون اور گوبر سے میرے عمل کو پاک کر دیجیے، یہ نعمت انہیں حاصل ہو گی جنہیں فکر ہو گی، ورنہ میں نے بہت سے ایسے مہتمم دیکھے ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں حلال و حرام تک کی پروا نہیں، چندہ آنا چاہیے۔ چاہے سود لینے والے ہی کا ہو۔ اللہ والوں کے پاس یہی اخلاص سیکھنا پڑتا ہے۔ حضرت شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک کافیہ پڑھے ہوئے شیخ کے پاس بخاری پڑھنے نہیں گئے تھے، مسئلہ سیکھنے نہیں گئے تھے، مفتی بننے نہیں گئے تھے، یہی اخلاص لینے گئے تھے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت شیخ پھولپوری کو جب مچھلی شکار کر کے لانے والے مرید کی بیماری کی خبر ملی تو بہت غم ہوا۔ حضرت کو بھی ان سے بہت محبت تھی کیوں کہ جتنی محبت مرید کو پیر سے ہوتی ہے اتنی ہی پیر کو مرید سے بھی ہوتی ہے۔

ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ آپ کو مجھ سے کتنی محبت ہے؟ فرمایا کہ اپنے دل سے پوچھ لو کہ تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے۔ جتنی تمہیں مجھ سے محبت ہوگی اتنی ہی مجھے تم سے ہے۔ اپنے مربی سے جس کو جتنی محبت ہوتی ہے اتنا ہی اس پر اللہ کا فضل مرتب ہوتا ہے۔ محبت کا راستہ بھی عجیب راستہ ہے۔ محبت کے آداب نرالے ہیں۔ محبت خود ادب سکھا دیتی ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آدابِ محبت کس نے سکھائے تھے؟ اسی محبت نے جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں: پہلی چیز ہے **اَلنِّسَاءُ** منکوحہ عورتیں کہ ان سے دین کے پھیلنے میں مدد ملتی ہے۔ جو شب وروز رسول کا اسوۂ حسنہ دیکھتی ہیں۔ اُمّت کی ماؤں سے کتنے مسائل معلوم ہوئے؟ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں[۲۲] اور فرمایا کہ دوسری چیز ہے **اَلطِّیْبُ** خوشبو اور تیسری چیز ہے **وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ** میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔[۲۳] حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے صدیق سے تو پوچھ لیجیے کہ آپ کے صدیق کو کیا پسند ہے۔ آج کل کے مرید زیادہ پرواز کرتے تو وہی باتیں دہرا دیتے جو شیخ کو پسند ہیں لیکن وہ صدیق کا سینہ تھا۔

نہ ہر سینہ را راز دانی دہند
نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند

ہر سینہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنا رازدار بنالیں اور ہر آنکھ اس قابل نہیں ہوتی کہ دوسری آنکھوں کی رہبر بن جائے، امام بن جائے، خود بصیرت والی ہو جائے اور دوسروں کو بھی بصیرت عطا کرنے والی ہو جائے۔

ہم ہوتے تو یوں کہہ دیتے کہ مجھے بھی وہی باتیں پسند ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۲۲] سیر اعلام النبلاء:۲/۱۹۷، عائشة ام المؤمنین، مؤسسة الرسالة

[۲۳] سنن النسائی:۲/۹۳، باب حب النساء، المکتبة القدیمیة

کو پسند ہیں لیکن صدیق کا مقام ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ یہاں عقل کام نہیں دیتی، عشق کام دیتا ہے، محبت کام دیتی ہے۔ عشق ہوگا تو بازی لے جائے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صدیق کو بھی تین باتیں پسند ہیں۔ ایک تو ہے اَلنَّظَرُ اِلَیْكَ آپ کو دیکھتے رہنا دنیا کی تمام نعمتوں سے افضل ہے۔ یہ ساری دنیا کی نعمتیں ایک طرف اور آپ کو دیکھنا ایک طرف۔ مجھے صرف یہ پسند ہے کہ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھے جاؤں۔ عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت آپ پر نثار ہیں۔ آپ کو ایک نظر دیکھنا صدیق کے لیے دونوں عالم سے افضل ہے۔ دیکھو یوں صدیقیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہی صدیق کا مقامِ عشق ہے۔ اللہ و رسول پر جان قربان کرنی چاہیے۔ بکر بن عبد اللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

مَا فُضِّلَ اَبُوْبَکْرٍ النَّاسَ بِفَضْلِ صَلٰوةٍ وَبِکَثْرَةِ صِیَامٍ وَلَا بِکَثْرَةِ رِوَایَةٍ وَفَتْوٰی وَکَلَامٍ وَلٰکِنْ بِشَیْءٍ وُقِّرَ فِیْ صَدْرِهٖ[۲۴]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت لوگوں پر کثرت نماز کی وجہ سے نہیں کہ وہ نوافل وغیرہ بہت زیادہ پڑھتے ہوں گے اور نہ روزوں کی کثرت کی وجہ سے ہے اور نہ روایات کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ ان سے بہت روایات مروی ہوں اور نہ فتوؤں کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ وہ بہت بڑے مفتی ہوں اور نہ تقریر کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ وہ بہت بڑے مقرر ہوں لیکن ان کے دل میں ایک چیز ہے جس کی وجہ سے ان کا درجہ بلند ہوا ہے اور وہ ہے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنے کا جذبہ۔ صدیقیت محبت کا اعلیٰ مقام ہے۔

کون کہتا ہے کہ آج صدیق پیدا نہیں ہوسکتے۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا کوئی صدیق نہیں ہو سکتا۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیقیت کی کرسیاں خالی ہیں، لے لو۔ صرف نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے ولایت کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ولایت کا سب سے اعلیٰ مقام صدیقیت ہے۔

ہر شیخ کے کچھ صدیق ہوتے ہیں۔ مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے امیر خسرو خواجہ صاحب ہیں۔ صدیق ایک سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ کیا اور صحابہ صدیق

---

[۲۴] اتحاف السادة المتقين: ۲۹۲/۱، دار الكتب العلمية، بيروت

نہیں تھے۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ اور صحابہ کو صدیقیت حاصل نہیں تھی لیکن حضرت ابو بکر سید الصدیقین تھے ان کا مقام سب سے زیادہ بلند تھا اور حشر کے دن بھی وہ صدیقین کی جماعت کے سردار ہوں گے۔ اسی طرح کیا حضرت صدیق کو فاروقیت حاصل نہیں تھی کیا وہ اَلْفَارِقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ نہیں تھے لیکن جس میں جو ایک امتیازی شان پیدا ہوگئی تھی اس کی وجہ سے اسے وہ خاص لقب حاصل ہو گیا۔ قلب میں صدیقیت پیدا کرو، یقین پیدا کرو اور یہ حاصل ہو گی شیخ کی محبت سے، جو محبت اللہ کے لیے ہوتی ہے اس میں نور ہوتا ہے۔ جتنی اپنے شیخ کی محبت بڑھتی جائے گی، یقین بڑھتا جائے گا۔ یہ سمجھ لو کہ روئے زمین میں شیخ سے بڑھ کر کسی کی محبت دل میں ہے تو فیض نہیں پہنچے گا۔ فرض کرلو کہ کسی مِل کا مالک مدرسہ پہنچ جائے اور ایک لاکھ کا چیک مدرسہ کے نام کاٹ رہا ہو، اسی وقت میں بھی پہنچ جاؤں تو وہ وقت مولانا... صاحب مہتمم مدرسہ کے امتحان کا وقت ہو گا کہ اس وقت وہ اس مِل کے مالک کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں یا میری جوتیاں سیدھی کرتے ہیں۔ جو مخلص ہو گا وہ تو اپنے مربی کے سامنے کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا چاہے زمین و آسمان کی دولت لٹ رہی ہو۔ جو مخلص ہوتا ہے اسے اپنے مربی کے علاوہ کوئی اچھا نہیں لگتا۔ اس کے قلب میں اپنے شیخ سے بڑھ کر کسی کی محبت نہیں ہوتی۔ اللہ والے کبھی کبھی امتحان لیتے ہیں طالب کے اخلاص کا، اس کی طلب کا۔ لیلیٰ سے کسی بادشاہ نے کہا تھا ؎

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی
کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

کہ تو ایسی بد صورت و بد شکل ہے لیکن مجنوں نہ جانے کیوں ترے عشق میں پاگل ہو رہا ہے ؎

از دگر خوباں تو افزوں نیستی

دوسری خوبصورت عورتوں سے تو تو کچھ بھی بہتر نہیں ہے پھر بھی نہ جانے کیوں مجنوں تیرا دیوانہ ہے ؎

گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

لیلیٰ نے بادشاہ کو ڈانٹ کر کہا کہ خاموش! تو مجنوں نہیں ہے ؎

دیدۂ مجنوں اگر بودے تُرا
ہر دو عالم بے خطر بودے تُرا

اگر تجھے مجنوں کی آنکھیں مل جاتیں تو دونوں عالم تیرے لیے بے قدر ہو جاتے۔ میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ یہاں بے خطر کے معنیٰ بے قدر کے ہیں۔ لیلیٰ کے مجنوں اور ہیں اور مولیٰ کے مجنوں اور ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں دیکھنے کے لیے حضرت صدیق اکبر کی آنکھ چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت صدیق اکبر سے پوچھو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عرض کرتے ہیں کہ آپ کو ایک نظر دیکھ لینا میرے لیے دونوں جہاں سے افضل ہے۔

آگے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دوسری پسند عرض کرتے ہیں کہ وَالْجُلُوْسُ بَیْنَ یَدَیْكَ آپ کے پاس بیٹھے رہنا، اس سے بڑھ کے میرے نزدیک دنیا میں کوئی نعمت نہیں ہے۔ نہ بیوی بچوں میں نہ دوستوں میں ہنسی مزاح کرنا، نہ لوگوں پر حکمرانی کرنا۔ اس کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

کشتہ و مردہ بہ پیشت اے قمر
بہ کہ شاہِ زندگاں جائے دگر

جان کو سکون صرف آپ کے پاس بیٹھنے میں ملتا ہے۔ آپ کی ملاقات سے جان سو جان ہو جاتی ہے ؎

جانِ ما از وصل تو صد جاں شود

محبت ایسی ہونی چاہیے کہ ملاقات سے جان کو یہ معلوم ہو کہ سو جان ہو گئی۔ جب ایک طویل عرصہ تک الگ رہنے کے بعد بیوی کے پاس جاتے ہو تو کیا معلوم نہیں ہوتا کہ نئی جان مل گئی سو جانوں کے برابر! اللہ والوں کی محبت اس سے زیادہ ہونی چاہیے۔ بیوی میں کیا رکھا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ لاشوں سے محبت کی تو کیا کی۔ ایک دن قبر میں کیڑے چل رہے ہوں گے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قبرستان میں

تشریف لے گئے اور یہ خطبہ دیا۔ خطبہ کیا تھا اصل میں اپنے کو سنانا تھا کہ میں غفلت میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ فرمایا اے نوجوانو! جن کو اپنی جوانیوں پر ناز تھا کیا ہوئی وہ جوانی؟ تمہارا وہ حُسن کہاں چلا گیا؟ اے پہلوانو! تمہاری پہلوانی اور طاقتیں کیا ہو گئیں؟ جن پر تم ناز کیا کرتے تھے، معاف کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ اے بادشاہو! تمہارے وہ قلعے کیا ہوئے؟ دیکھو! ایک وہ وقت تھا کہ ایوب خان کے نام سے پہلے صدر مملکت فیلڈ مارشل اور نہ جانے کیا کیا لکھا جاتا تھا، القاب ایک سطر میں آتے تھے۔ آج خالی مسٹر ایوب خان ہو گئے۔ اس لیے اگر دنیا کی فانی چیزوں سے محبت کی تو کیا کی، وقت ضایع کیا۔ دل میں اللہ تعالیٰ نے جو محبت دی ہے اگر اس کا رخ اللہ کی طرف ہو گیا تو پاک ہو جائے گی۔ اور اگر دنیا کی طرف ہو گیا تو ناپاک ہو جائے گی۔ ان آنکھوں سے اگر ٹیڈیوں کو دیکھا تو تم نے یہ آنکھیں ناپاک کر لیں، اگر کسی اللہ والے کو دیکھا تو آنکھیں پاک ہو گئیں۔ ان آنکھوں سے ٹیڈیوں کو نہ دیکھو اللہ والے کو دیکھو۔ جان کو سکون صرف اللہ والے کے پاس بیٹھنے میں ملے، محبت ایسی ہونی چاہیے۔ اسی لیے حضرت صدیق اکبر کو دنیا کی کوئی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے سے زیادہ محبوب نہیں تھی۔ اسی لیے عرض کیا **وَالْجُلُوْسُ بَيْنَ يَدَيْكَ** ہمیشہ آپ کے پاس بیٹھا رہوں اس سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی نعمت نہیں۔

اپنی تیسری پسند حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کی کہ **وَاِنْفَاقُ مَالِيْ عَلَيْكَ**[۲۵] آپ پر اپنے مال کو قربان کرتا رہوں اور خرچ کر کے بھی دکھایا ایسا خرچ کیا کہ ان کے مقابلے میں کون خرچ کر سکتا ہے۔ اپنے پاس کوئی چیز باقی نہ چھوڑی، گھر میں جھاڑو دے دی، پہلے جھاڑو دی پھر جھاڑو کو بھی لے آئے، سوئی دھاگا تک نہ چھوڑا۔ بٹن بھی توڑ کر چندے میں داخل کر دیا اور کمبل میں کانٹا لگا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اپنے بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟ کہا کہ اللہ و رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ معلوم ہے پھر کیا انعام ملا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا کہ تم بھی اپنے کمبل میں کانٹا لگا کر اسی لباس میں جاؤ جس میں ہمارا صدیق ہے۔ تم

---

[۲۵] کشف الخفاء للعجلونی: ۲۴۱/۱، دار احیاء التراث، بیروت

میرے عاشق بنتے ہو۔ انسانوں میں بھی میرے ایسے ایسے عاشق ہیں کہ میری محبت میں مال و دولت کو، بیوی بچوں کو قربان کرسکتے ہیں۔ تم میں تو قربانی کا تقاضہ ہی نہیں ہو سکتا۔ تم کیا دعویٰ میری محبت کا کرتے ہو۔ تمہارے پاس نہ بیوی ہے نہ بچے ہیں۔ میرے صدیق کو دیکھو کہ بیوی بھی ہے، بچے بھی ہیں لیکن میری محبت میں کسی کی پروانہ کی۔ صاحب نصاب تھے مستحقِ زکوٰۃ ہوگئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو سلام بھیجا ہے اور پوچھا ہے کیا آپ اپنی اس حالت سے راضی ہیں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت وجد آگیا اور کہنے لگے اَنَا عَنْ رَّبِّیْ رَاضٍ، اَنَا عَنْ رَّبِّیْ رَاضٍ[۲۶] (میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں) اس لیے مولوی اور محدث ہونا، عابد و زاہد ہونا کافی نہیں، قلب میں صدیقیت پیدا کرو، یقین پیدا کرو، اس یقین کی بدولت قیامت تک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان ایک طرف اور ساری امّت کا ایمان ایک طرف۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ و رسول پر جان قربان کرنی چاہیے۔ محبت خود راستہ دکھاتی ہے؎

از محبت شاہ بندہ می شود

محبت سے بادشاہ محبوب کا غلام بن جاتا ہے۔

از محبت مسّہا زریں شود

اور محبت سے تانبا سونا ہو جاتا ہے۔

اسی لیے حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول پر جان قربان کرنا چاہیے۔ زیادہ پڑھنے پڑھانے سے کیا ہوتا ہے۔ ان کی نافرمانیوں سے بچنا چاہیے۔ مگر سب ان کے کرم پر موقوف ہے، جس کو وہ چاہتے ہیں تو شیخ کی ایک نظر کافی ہو جاتی ہے، ایک توجہ میں کام بن جاتا ہے، ایک مجلس کافی ہوتی ہے اور جس کو وہ نہ چاہیں تو کوئی مرشد اس کو ہدایت نہیں دے سکتا اس لیے

---

[۲۶] کنزالعمال: ۱۲/۵۰۹ (۳۵۶۵۸)، فضل الصدیق رضی اللہ عنہ، مؤسسة الرسالة

جب میرے پاس آیا کرو تو دعا کرکے آیا کرو کہ اے اللہ! پہلے آپ مجھے چاہ لیجیے تب وہاں کی مجلس نفع دے گی۔ اے اللہ! اگر آپ چاہ لیں گے تو ایک مجلس میں کام بن سکتا ہے اور آپ نہ چاہیں تو عمر بھر پڑا رہوں کچھ نفع نہ ہو گا۔ اس لیے اے اللہ! بس آپ ہمیں چاہ لیجیے اور اپنا بنا لیجیے۔

۲۱/ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۶/ جولائی ۱۹۶۹ء

بروز اتوار، بوقت صبح گیارہ بجے، بمقام ۴۔ جی ار، ۱۲ ناظم آباد، کراچی

شیخ کی تربیت کی مثال

ارشاد فرمایا کہ وضو کرتے وقت ابھی ایک بات اللہ نے دل میں ڈالی کہ جو چیز وقت پر آتی ہے وہ خاص دستر خوان کے لیے آتی ہے، یہ اللہ کے قرب اور نعمت کا دستر خوان ہے۔ آپ لوگوں کی روح کی تربیت کے لیے اللہ میاں نعمتیں بھیجتے ہیں۔ جسم کی نشوو نما کے لیے تربیت کی ایک مدت شریعت نے مقرر کی ہے۔ دو سال تک بچہ صرف ماں کا دودھ پیتا ہے۔ دو سال تک ماں دودھ پلا سکتی ہے۔ جس ماں کے دودھ نہ ہو اور اس کو باہر کا دودھ پلایا جائے تو اس کی صحت عمدہ نہیں ہو پاتی، اس بچہ کے ہاتھ پاؤں کمزور رہتے ہیں، جسم کی ایسی نشو و نما نہیں ہو پاتی جیسی کہ ماں کے دودھ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح شیخ کی زبان سے نکلا ہوا لفظ دودھ ہے جو طالبین کی روحوں کو طاقت دیتا ہے، ان ہی الفاظ سے طالبین کی روحوں کی تربیت ہوتی ہے۔ اگرچہ آج محسوس نہ ہو رہا ہو لیکن دودھ اپنا کام کرتا ہے، بچے کو کب معلوم ہوتا ہے؟ کہ ماں جو مجھے دودھ پلا رہی ہے اس سے میرے جسم کو کیا نفع ہو رہا ہے، اسے تو کچھ خبر نہیں ہوتی لیکن جسم اسی دودھ سے نشوونما پاتا ہے۔ ماں جانتی ہے کہ دودھ کیا کام کر رہا ہے، اس لیے وقتوں پر پلاتی رہتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کے ایک خلیفہ حضرت مفتی محمود صاحب نے میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں نے خواب میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ میرے متعلق فرما رہے تھے کہ اگر یہ میرے پاس ہوتے تو میں ان کو دودھ پلاتا۔ دودھ سے مراد علم دین ہے۔ خواب میں دودھ

دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ علم دین حاصل ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی اپنے آپ کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ بڑی روحانی ترقی حاصل ہو گی۔ خواب میں جو حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ میں ان کو دودھ پلاتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان کی تربیت کرتا۔ لیکن وہ حضرت شیخ سے بیعت ہو گئے۔ مجدد وقت سے فیض لینا ان کے حصہ میں نہ تھا۔ جس کو جہاں سے حصہ ملنا ہوتا ہے وہ وہیں جاتا ہے۔ سب انتظامات حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

خیر! شیخ کے منہ سے نکلی ہوئی بات میں طاقت کچھ اور ہو گی۔ حدیث کی شرح کتابوں میں پڑھ آؤ، قرآن پاک کی آیات کا ترجمہ پڑھ آؤ، لیکن وہی بات شیخ کے منہ سے نکلے گی تو اس میں طاقت ہی کچھ اور ہو گی۔ اس راستے میں صرف پڑھنے پڑھانے سے کام نہیں بنتا۔ تربیت کسی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے۔ جو بچہ جس ماں کا ہوتا ہے اسی کے دودھ سے نفع کامل ہو گا کسی اور کے دودھ سے اس کی صحت عمدہ نہیں ہو پائے گی۔ ہاتھ پاؤں کمزور رہیں گے۔ اسی طرح جس کی روح کو جس شیخ سے مناسبت ہو گی اس کو وہیں کامل نفع ہو گا، ورنہ نسبت کاملہ حاصل نہیں ہو گی۔ جو لوگ سلوک میں قدم رکھتے ہیں یہ ان کا زمانۂ رضاعت ہے۔ ایک دو دن کا کام نہیں ہے، اور نہ ہر ایک کے لیے ایک ہی مدت ہے۔ ہر ایک کی مدت اس کی حالت کے مطابق الگ ہوتی ہے۔ بعض کی مدتِ رضاعت جلد ختم ہو جاتی ہے، بعض کی دیر میں۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مدت کسی اللہ والے کے پاس رہ لو، مجاہدات کر لو، اپنے نفس کو مٹا لو، ایک عرصہ تک یہ محنت کرنی پڑے گی پھر یہ رضاعت کا زمانہ ختم ہو جائے گا، پھر صاحبِ اولاد ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ بچہ ہمیشہ بچہ تھوڑی رہتا ہے، کبھی باپ بھی بنتا ہے۔ پھر تم میں دوسروں کو اللہ والا بنانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ پھر تمہاری نسبت تم تک محدود نہ رہے گی بلکہ متعدی ہو جائے گی۔ تمہیں دیکھ کر دوسرے اللہ والے بنیں گے۔ جیسے گوشت کے قیمہ کو ایک وقت تک کوٹا پیسا جاتا ہے۔ پھر کباب کو جب آنچ پر رکھا جاتا ہے تو اس کی خوشبو سے کافروں کے دل میں بھی ایمان آنے لگتا ہے کہ گائے کا کباب ایسا ہوتا ہے تو لاؤ میں بھی

کلمہ پڑھتا ہوں۔ اسی طرح جب کوئی اللہ کے راستے میں کسی کی رہبری میں خوب مجاہدہ کرتا ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خوشبو اڑا دیتے ہیں، جس سے اس اللہ والے کو دیکھ کر کافروں کے دلوں میں ایمان آتا ہے۔ جب آدمی صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے تو اسے خود معلوم ہو جاتا ہے کہ آج میں صاحبِ نسبت ہو گیا۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب جو حضرت تھانوی کے بہت چہیتے خلیفہ تھے، حضرت کے عاشق تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ جب آدمی صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے تو کیا اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ آج میں صاحب نسبت ہو گیا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں! جب بچہ بالغ ہوتا ہے تو کیا اسے معلوم نہیں ہو جاتا کہ آج میں بالغ ہو گیا یا وہ کسی سے پوچھنے جاتا ہے کہ میں بالغ ہوا یا نہیں؟ اس کی رگ رگ کا جوش اور طاقت اسے خود بتا دیتی ہے کہ آج تو بالغ ہو گیا۔

نسبت کے معنیٰ اصطلاحِ صوفیا میں یہ ہیں کہ بندے کی روح کا اللہ سے اور اللہ کا بندے سے قوی رابطہ ہو جائے۔ کبھی نسبت یک طرفہ ہوتی ہے کہ بندے کا اللہ سے رابطہ ہو لیکن اللہ کا بندے سے نہ ہو۔ جیسے بدعتی پیر ہیں کہ محنت اور مجاہدات بھی کرتے ہیں لیکن قرب نصیب نہیں ہوتا۔ وہ تو اپنے آپ کو اللہ کا ولی سمجھتے ہیں اور اللہ کے یہاں اولیا کے گروہ میں ان کا نام نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اللہ کا ولی ہونے کے لیے تو اتباعِ سنّت اور نافرمانیوں سے پرہیز ضروری ہے، صرف ذکر اور مجاہدوں سے کیا ہوتا ہے وہ یہ مجاہدے تو کرتے ہیں ذکر بھی کرتے ہیں لیکن دوسرے گناہوں میں مبتلا ہیں، سنّت کے مطابق زندگی نہیں، پھر ان کو قرب کیسے حاصل ہو گا؟ ان کا حال بالکل ایسا ہے جیسا مولانا رومی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کہتا پھرتا تھا کہ میری بادشاہ کی لڑکی سے شادی ہو رہی ہے جبکہ بادشاہ کو محل میں اس کی خبر بھی نہیں تھی۔

خانۂ داماد پُر از شور و شر
خانۂ دختر نبودے زاں خبر

ایسے ہی یہ بدعتی شور مچاتے ہیں کہ ہم اللہ کے ولی ہیں لیکن اولیا کے گروہ میں ان کا نام نہیں ہوتا۔ مجنوں بنے پھرتے ہیں اور لیلیٰ کے یہاں مجنوں کی فہرست میں ان کا نام نہیں

ہے۔ اللہ کا شکر کرو کہ کسی ایسے کے چکر میں نہیں آ گئے ورنہ عمر بھر خاک چھانتے اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔

بچوں کی ابتدا کے زمانے میں ماں کا دودھ ہی کام کرتا ہے۔ اسی سے نشو و نما ہوتی ہے۔ چاہے پھر پہلوان بن جاؤ پانچ فٹ دس انچ کا قد ہو جائے پھر ماں کے دودھ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن ماں کے سامنے وہ گردن کو نہیں اٹھا سکتا کہ اس کے دودھ سے ہی تو یہ قد پانچ فٹ کا ہوا ہے۔ اسی طرح نسبت مع اللہ حاصل کرنے کے بعد شیخ کے پاس رہنے کی ضرورت نہیں رہتی، اس کی روح میں خود چراغ جل جاتا ہے، اسے بغیر شیخ کے بھی ہر وقت اللہ کا قرب حاصل رہتا ہے لیکن شیخ کے آگے کندھوں کو جھکائے رکھنا پڑے گا کیوں کہ اس کی تربیت ہی سے تو یہ مقام حاصل ہوا ہے۔ بس چند روز محنت کرنی ہے اس کے بعد ولایت نصیب ہو جائے گی۔ وہاں سب لکھا ہوا ہے کہ فلاں سال فلاں فلاں دن فلاں بج کر فلاں منٹ پر اس کو ولی بناؤں گا۔ لیکن یہ نیت کرنا کہ میں شیخ بن جاؤں یا خلیفہ بن جاؤں یہ اللہ کے راستے کا حجاب ہے۔ اگر یہ تمنا دل میں آئے تو اللہ سے دوری ہو جائے گی۔ مقصود صرف اللہ ہونا چاہیے کہ اے اللہ! آپ مل جائیں۔ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمیں چاہ رہا ہے یا خود کو چاہ رہا ہے کہ میں شیخ بن جاؤں۔ جہاں اللہ کے علاوہ کسی غیر کو چاہا دوری ہو گئی۔ اللہ میاں کی نظر سے نظر ملی رہے کہ وہ کس بات سے خوش ہوتے ہیں اور کس بات سے ناراض ہوتے ہیں۔ خدا کے علاوہ کسی اور چیز کی تمنا اخلاص کے درخت میں گھن لگا دے گی۔ جیسے آم کی ٹہنی نیم کے درخت کی ٹہنی سے مل جائے تو سارا آم کڑوا ہو جائے گا۔

نگرانیٔ قلب سلوک کا آلۂ منجنیق ہے

ارشاد فرمایا کہ یہ میرے شیخ کی اسّی برس کی عبادت اور مجاہدہ کا نچوڑ ہے، خلاصہ ہے، ست ہے، جوہر ہے۔ جو نام بھی چاہو رکھ لو۔ غور سے سنو! اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو بناؤ۔ جو قرب اور عبادتوں سے برسوں میں بھی نہیں حاصل ہو گا اگر یہ ہنر آ گیا تو بہت جلد کام بن جائے گا۔ یہ مضمون حضرت نے جس وقت بیان کیا تھا اس وقت صدر مفتی دیوبند حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی، حضرت مولانا ابرار الحق

صاحب اور دوسرے اکابر علما موجود تھے۔ یہ مضمون سن کر سب عش عش کر رہے تھے یہ باتیں کسی مولوی سے جو اللہ والے کی صحبت میں نہ رہا ہو نہ سنو گے۔ ظاہری اعمال کی تاکید تو سب کر دیتے ہیں لیکن قلب کے اعمال اور قلب کی نگرانی کی بات ہر ایک نہیں بتاتا، یہ اللہ والے بتائیں گے۔ سالک ظاہری گناہوں سے تو بچتا ہے ہی یعنی زبان سے غیبت نہ ہو، ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، نماز میں قلب کو حاضر رکھنا، ذکر کی پابندی کرنا، رشوت و حرام مال سے بچنا، یہ تو آسان ہے لیکن ہر وقت قلب کی نگرانی کرنا، یہ مشکل کام ہے۔ ہر وقت قلب کی نگرانی کرنی چاہیے کہ قلب میں کیا ہو رہا ہے۔ بظاہر خاموش بیٹھا ہوا ہے، کوئی عمل نہیں کر رہا لیکن اندر کارخانہ چل رہا ہے۔ کبھی کسی سے جلن پیدا ہو گئی، کبھی کسی مسلمان سے اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہے کہ فلاں فاسق و فاجر ہے اور میں اللہ والا ہوں، میری حالت اس سے اچھی ہے۔ کبھی دوسرے کو تو حقیر نہیں سمجھ رہا لیکن اپنے آپ کو مقدس اور بزرگ سمجھ رہا ہے اور دل ہی دل میں خوش ہو رہا ہے۔ کسی کے مقابلے میں اپنے کو اچھا سمجھنا یہ تکبر ہے اور بغیر نسبت اور تقابل کے اپنے کو اچھا سمجھنا یہ عجب ہے۔ عجب میں کسی کی تحقیر لازم نہیں آتی، کبر میں دوسرے کی تحقیر لازم آتی ہے، دونوں سے پناہ مانگنا چاہیے۔ کبھی جاہ و عزت و شہرت کی طلب دل میں گھس رہی ہے، کسی نے دعا میں روتا ہوا دیکھ لیا تو نفس خوش ہو رہا ہے کہ اب تو لوگ مجھ سے دعا کرائیں گے، مجھے بزرگ سمجھیں گے، کبھی دل میں ریا پیدا ہو رہی ہے یعنی لوگوں کو دکھانے کے لیے کوئی عمل کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے ہر وقت قلب کی نگرانی کی ضرورت ہے۔ ہر وقت قلب پر نگاہ رکھو کہ قلب میں کوئی ایسی چیز تو نہیں گھس رہی ہے جو ہمارے اللہ کو ناراض کر دے۔ دل اللہ کا گھر ہے، اس میں کوئی ایسی چیز نہ آنے پائے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ اس لیے دل کی ظاہری سطح پر نہیں دل کی گہرائی میں تلاش کرو کہ کوئی دشمن تو نہیں چھپا ہوا ہے۔ محاذ پر سپاہی دوربین لگاتا ہے تاکہ دور سے نظر آجائے کہ کہیں دشمن ہماری سرحد میں سرنگیں اور بارودیں تو نہیں بچھا رہا ہے۔ تم بھی اپنے دل میں دوربین لگالو، دل کو ہر وقت سامنے رکھو کہ کہیں نفس و شیطان دل میں ریا کی سرنگیں اور حسد کی بارودیں تو نہیں بچھا رہے ہیں، دل میں کسی سے جلن اور حسد تو نہیں پیدا ہو رہا

ہے، اپنی بڑائی اور کسی مسلمان کی حقارت تو دل میں نہیں گھس رہی ہے۔ تقریر پر مجمع نے واہ واہ کر دی تو دیکھو کہ نفس میں اپنی بڑائی کے خیالات تو پیدا نہیں ہو رہے یا دل میں دنیا کی اتنی محبت تو نہیں ہے کہ اگر ابھی بلاوا آجائے کہ چلو تو دل میں یہ خیال آئے ابھی فلاں سے ملنا ہے، ابھی فلاں کو دیکھنا ہے، ابھی فلاں کام باقی ہے وغیرہ۔

نگرانئ قلب ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے

دل کو دنیا سے خالی رکھو، اپنے پروں کو پرواز کے لیے تیار رکھو، دنیا کے قید و بند سے فارغ رکھو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آج ہی ایسے بن جاؤ گے۔ ذکر سے رفتہ رفتہ یہ قوت پیدا ہو جائے گی۔ ذکر کرتے رہو ناغہ نہ ہونے پائے۔ اگر روٹی نہ کھاؤ تو جسم میں کمزوری آتی ہے کہ نہیں؟ روٹی کھاتے رہتے ہو تو جسم میں طاقت رہتی ہے۔ اگر محلے میں کچھ دشمن ہوتے ہیں تو تمہارے چہرے کے سرخ و سفید رنگ کو دیکھ کر مغلوب رہتے ہیں اگرچہ دل میں بغض رکھتے ہوں لیکن اگر فاقہ ہو جائے تو دشمن چہرے کو دیکھ کر پہچان لے گا کہ آج میاں میں دم نہیں ہے اور دو جھانپڑ لگائے گا۔ اسی طرح روح کی غذا ذکر اللہ ہے۔ جب تک یہ غذا پہنچتی رہتی ہے روح میں طاقت رہتی ہے۔ نفس و شیطان جو ہمارے دشمن ہیں مغلوب رہتے ہیں اور جیسے ہی روح کو فاقہ دیا، ذکر کا ناغہ کیا یہ پچھاڑ دیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان سانپ کی طرح پھن پھیلائے بیٹھا ہے، جب تک بندہ اللہ کا نام لیتا ہے یہ پھن کو ہٹائے رہتا ہے، انتظار کرتا رہتا ہے کہ کب اس کا دل اللہ سے غافل ہو اور کب میں ڈسوں۔ لہٰذا قلب کو ہر وقت اپنے سامنے رکھو کہ اس میں غیر اللہ تو نہیں گھس رہا ہے۔ آنکھ بند کر کے دل میں سوچو کہ ہم یہ مدرسے کیوں تعمیر کر رہے ہیں؟ کبھی اکیلے بیٹھ کر اپنے دل سے سوال کیا کرو کہ ہم کیوں پڑھا رہے ہیں؟ ہر شخص اپنے اپنے عمل کے بارے میں اپنے دل سے سوال کرے اور دیکھے کہ کیا جواب آتا ہے۔ اگر جواب آتا ہے کہ اللہ کے لیے کیا تو شکر کرو اور اگر اور چیزیں نظر آئیں تو اخلاص مانگو۔ اگر نام و نمود، جاہ و عزت، لوگوں میں بڑا بننے کی خواہش دل میں ہے تو اللہ سے استغفار کرو۔

جو کوٹھڑی اندھیری ہو اور اس میں سانپ اور بچھو ہوں تو کیسے نظر آئیں گے؟ ابھی دیا سلائی جلا دو تو سب نظر آجائیں گے۔ اسی طرح دل کی ٹارچ ذکر اللہ ہے۔ دیا سلائی تو اندھیری کوٹھڑی کو روشن کرتی ہے لیکن ذکر دل کو روشن کرتا ہے۔ دیا سلائی کو اللہ کے نور سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ تو زمین و آسمان کا نور ہیں:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[۲۷]

اللہ کے نام کی برکت سے اور بزرگوں کی صحبت سے قلب نورانی ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ کرنے والے کو فوراً پتا چل جاتا ہے کہ قلب میں کس سوراخ سے کون سا سانپ داخل ہوا۔

خاتمہ کا خوف جاہی اَمراض کا علاج ہے

سالک کو فوراً احساس ہو جاتا ہے کہ اب قلب میں ریا آرہی ہے، اب حسد آرہا ہے، اپنی بڑائی اور دوسروں کی حقارت پیدا ہو رہی ہے، اب جاہ گھس رہی ہے، اس لیے وہ فوراً ہوشیار ہو جاتا ہے اور علاج میں مصروف ہو جاتا ہے۔ ان سب کا علاج خاتمہ کا خوف ہے۔ فوراً سوچ لو کہ عام مومنین تو بڑی چیز ہیں میں تو ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں بلکہ میں تو کُتّے اور سور سے بھی بدتر ہوں، کیوں کہ ابھی مجھے معلوم نہیں کہ میرا خاتمہ کیسا ہوگا۔ آج اگر اپنے کو اچھا سمجھ بھی لیا، آج اگر لوگوں میں واہ واہ ہو بھی گئی لیکن خدانخواستہ خاتمہ خراب ہو گیا تو کُتّے اور سور سے بدتر ہوں، ہاں جس دن خاتمہ اچھا ہو جائے گا اس دن اپنے آپ کو اچھا سمجھ لوں گا۔ جیسے ہاکی میں کھلاڑی گیند کو دائیں بائیں کرتے ہوئے لے جاتے ہیں لیکن نام اس کا ہوتا ہے جو گول کر دیتا ہے۔ ابھی ہم بھی اپنے ایمان کا گیند لیے جا رہے ہیں اور شیطان و نفس مقابلے میں ہیں، جس دن اس گیند کو ان سے بچا کر لے گئے اور گول کر دیا تو اس دن سمجھ لو کہ کامیاب ہیں ورنہ اگر گیند چھن گئی تو بے کار اور حقیر ہیں۔ اس لیے جب اپنی بڑائی یا کسی کی حقارت دل میں آئے فوراً اپنے خاتمہ کا خیال کر لو۔ اگر خاموش بیٹھے ہوئے ہو، بظاہر کوئی عمل نہیں کر رہے لیکن قلب کی نگرانی کر رہے ہو تو یہ قلب کا عمل ہے، قلب کی عبادت ہے۔ ظاہری اعمال تو عام

---

[۲۷] النور:۳۵

مومنین بھی کرتے ہیں لیکن قلب کی نگرانی اولیاء اللہ ہی کرتے ہیں۔

میں نے اپنے شیخ کو دیکھا ہے کہ تنہائی میں بیٹھے ہیں۔ میں دور سے حضرت کو دیکھا کرتا تھا لیکن ایسے کہ حضرت کو میری موجودگی کا علم نہ ہو، تاکہ حضرت کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔ بیٹھے بیٹھے بعض دفعہ کہتے تھے: یاربی معاف فرمادیجیے۔ جیسے اللہ تعالیٰ سامنے ہوں اور باتیں ہورہی ہوں۔ یہ کیا تھا؟ یہی کہ کبھی جاہ کا خیال آگیا تو فوراً اس کی تلافی کردی کہ نفس میں بڑائی نہ آنے پائے۔ اس راہ میں آخر دم تک قلب کی نگرانی کرنی پڑتی ہے، تراش خراش میں لگا رہنا پڑتا ہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

اس راستے میں یہ ہی کھلتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، میں کچھ نہیں ہوں، جتنی قرب میں ترقی ہوتی جاتی ہے اپنی حقارت بڑھتی جاتی ہے۔ جس نے یہ سمجھ لیا کہ آج میں کچھ ہوگیا، مجھے کچھ قرب نصیب ہوگیا تو سمجھ لو کہ اسے کچھ نہیں ملا، یہ محروم ہے۔ سالک تو خاتمہ کے خوف سے کائنات کی ہر شے سے اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے۔ اس لیے کسی مسلمان سے کبھی اپنے آپ کو اچھا نہ سمجھنا، چاہے اس کا عمل کتنا ہی خراب ہو، چاہے وہ بے نمازی ہو، شرابی ہو۔ بس یہ سوچنا چاہیے کہ نہ معلوم اللہ کو اس کا کون سا عمل پسند ہو اور علم الٰہی میں اس کا خاتمہ اچھا ہونا لکھا ہو اور میرا خاتمہ نہ معلوم کس حال پر ہو، نہ معلوم میری کون سی بات اللہ میاں کو ناپسند ہو کہ خاتمہ خراب ہوجائے اور حکم ہوجائے کہ جا کمبخت! تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے اور سارا عمل دھرا رہ جائے۔ اس لیے سب کو اپنے سے اچھا سمجھو، خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آؤ۔

تبلیغ کرتے ہوئے اپنی حقارت کا استحضار لازم ہے

اگر کبھی دینی معاملے میں کسی پر خالص اللہ کے لیے غصہ کرنا پڑے تو بھی تنہائی میں جاکر اللہ سے روؤ، کیوں کہ بعض دفعہ جو غصہ اللہ کے لیے ہوتا ہے اس میں بھی نفس شامل ہوجاتا ہے۔ کبھی کسی کو ڈانٹ رہے ہو کہ او بے نمازی! نماز کیوں نہیں

پڑھتا؟ تو ممکن ہے اس میں ریا شامل ہو گئی ہو کہ لوگ ہماری نمازوں کی تعریف کریں۔ لہٰذا ڈانٹتے وقت اس کو شہزادہ سمجھو اور اپنے کو بھنگی جیسے بادشاہ شہزادے کی کسی خطا پر بھنگی کو حکم دے دے کہ اس شہزادے کے دُرّے لگا تو کیا بھنگی دُرّے مارتے وقت خود کو شہزادے سے افضل سمجھے گا؟ بلکہ وہ تو یہ سمجھے گا کہ یہ تو شہزادہ ہے میں بھنگی ہوں بادشاہ ذرا سی دیر میں اس کی خطا معاف کر دے گا پھر وہ شہزادے کا شہزادہ ہی رہے گا۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ جس شخص کو تبلیغ کے وقت اپنی حقارت مستحضر نہیں رہتی اس شخص کے لیے تبلیغ جائز نہیں۔

نفس کے مکر بہت باریک ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ خبر بھی نہیں ہوتی اور نفس شامل ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ریا کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اس میں کالے پتھر پر چیونٹی چل رہی ہو تو کیا وہ چیونٹی نظر آئے گی؟ ایسے ہی دل میں ریا ہے کہ اس کا احساس کرنا بہت مشکل ہے، اس لیے عمل کر کے استغفار کرتے رہو کہ اے اللہ! جس طرح آپ کا فضل قادر ہے کہ دودھ کو خون اور گوبر سے الگ کر دیتا ہے، اسی طرح اگر میرے عمل میں میرے نفس کا خون اور گوبر مل گیا ہو تو آپ اسے پاک کر دیجیے اور قبول فرمالیجیے۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ اس کے ساتھ اپنے قلب میں جھانکتے رہو کہ میں جو یہ مدرسے کے بلاک رکھوا رہا ہوں یہ کیوں کر رہا ہوں؟ یہ وعظ و تبلیغ جو کر رہا ہوں یہ کیوں کر رہا ہوں؟ شیطان و نفس میرے کسی عمل کے مقابلے میں دنیا کا کوئی معاوضہ تو پیش نہیں کر رہے۔ اس عمل میں جاہ و عزت و شہرت کی طلب تو نہیں چھپی ہوئی ہے۔ میں مہاجر ام قیس تو نہیں ہوں۔

دل کی نگرانی ہی اخلاص ہے

اللہ تعالیٰ سے اخلاص کی توفیق مانگتے رہو۔ اخلاص کی حقیقت کیا ہے؟ کوئی تمہارا دوست اور بڑا ہے تو دھیان رہے کہ اس کی نظر میری نظر سے ملی ہوئی ہے، اس کی نظر کو دیکھتا رہے کہ وہ کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض ہوتا ہے۔ اخلاص دل کی نگرانی ہی کا نام ہے۔ ہر وقت یہ دھیان رہے کہ کسی بات سے اللہ میاں ناراض تو نہیں ہو رہے ہیں۔ مجمع میں تقریر کر رہے ہو، اگر مجمع کو دیکھ کر جاہ کا،

کچھ اپنی بڑائی کا خیال آگیا کہ آج میں کچھ ہو گیا تو فوراً استغفار کرو کہ اے اللہ! اس مجمع کو دیکھ کر جو میرے نفس میں اپنی بڑائی کے جو خیالات پیدا ہوئے ہیں آپ انہیں معاف فرمادیجیے۔ دوسرے یوں کہو کہ اے اللہ! آپ کی بات لوگوں سے کہنے کا حق ادا نہ ہوا، لاکھ حسین الفاظ، واقعات اور مثالیں ہم بیان کریں لیکن کیوں کہ آپ کی ذات تو ایسی خوبیوں والی ہے کہ اگر سمندر روشنائی ہو جائے اور اس سے آپ کی خوبیاں لکھنی شروع کی جائیں تو وہ ختم ہو جائے اور آپ کی خوبیاں ختم نہ ہو سکیں:

قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا[۲۸]

عُجب و کبر بلکہ ہر مرض کا علاج خاتمہ کا خوف ہے

عبادت کے بعد توبہ کیا کرو کہ اے اللہ! آپ کی بات کہنے کا حق ادا نہ ہوا، ذکر کا حق ادا نہ ہوا، نماز کا حق ادا نہ ہوا۔ ذرا سی عبادت کر کے ہم اپنے کو کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقلِ مبارک کو دیکھو کہ نماز کے بعد استغفار فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھ سے نماز کا حق ادا نہ ہوا، آپ معاف فرما دیجیے۔ یہ ہمارے لیے سبق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھا رہے ہیں کہ سید الانبیاء ہو کر فرما رہے ہیں کہ مجھ سے نماز کا حق ادا نہیں ہوا تو تم سے کیا ادا ہو گا، لہٰذا عبادت کر کے ناز نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو کہ ہماری ناقص نماز کو قبول فرما لیجیے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ کرو، ان کی نظر سے نظر ملائے رہو کہ آپ اگر ہمیں اپنی نگاہوں میں چڑھا لیں تو ہم سب کچھ ہیں، مومن بھی ہیں، ولی بھی ہیں، سب کچھ ہیں اور آپ اگر نگاہ سے اتار دیں تو ہم چمار اور کافر سے بھی بدتر ہیں۔ پھر نہ ہماری نماز نماز ہے، نہ روزہ روزہ ہے، نہ آنسو آنسو ہے، سب بے کار ہو گیا، قبولیت کا فیوز اُڑ گیا، نظرِ عنایت کی روشنی آ رہی تھی، جس سے توفیق ہو رہی تھی ورنہ ہمارے عمل میں کیا رکھا تھا؟

جیسے ایک پٹھان کا قصہ ہے۔ ایک آدمی چوڑیاں لیے بیٹھا تھا، خان صاحب کا

---

[۲۸] الکھف:۱۰۹

ادھر سے گزر ہوا تو چوڑیوں پر ڈنڈا مار کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ آدھی چوڑیاں تو اس ایک ڈنڈے ہی سے ٹوٹ گئیں۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ اگر ایک ڈنڈا اور مارو تو پھر یہ کچھ بھی نہیں ہے لَیْسَ بِشَیْءٍ۔ ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ نظر سے اتار دیں اور اپنی ناراضگی کا ایک ڈنڈا مار دیں تو ہم باوجود عالم ہونے کے، باوجود عابد و زاہد ہونے کے کیا ہیں؟ لَیْسَ بِشَیْءٍ (کچھ نہیں)۔ اپنی نظر سے اپنے کو مت دیکھو، ان کی نظر سے اپنے کو دیکھو کہ ان کی نظر میں میں کیسا ہوں۔ اس لیے ہر وقت ڈرتے رہو، ہوشیار رہو، کوئی کام ایسا نہ کرو جس سے ان کی نظر بدل جائے۔ وہ عورت بے وقوف ہے جو اپنی نظر سے اپنے کو دیکھتی ہے، اسے تو شوہر کی نظر سے دیکھنا چاہیے تھا کہ اس کی نظر میں میں کیسی ہوں؟ اگر اس کی نظر میں اچھی ہوں تو سب کچھ ہوں، ورنہ مٹی پلید ہے۔ اگر میاں کی آنکھوں میں وہ کانٹا ہے اور اپنے آپ کو اچھا سمجھ رہی ہے تو کیا اسے روٹی کپڑا مل جائے گا؟

اس لیے جب اپنی بڑائی قلب میں آئے یا دوسرے کی حقارت قلب میں آئے یا لوگ تعریف کردیں کہ آپ بڑے اچھے ہیں، بڑے اللہ والے ہیں تو فوراً خیال کرو کہ وہ عورت جس کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی اور جس نے ابھی شوہر کی نظر کو نہیں دیکھا کیا وہ اپنے کو اچھا سمجھتی ہے؟ اگر اس کی سہیلیاں اس کی تعریف کرتی ہیں کہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو تو وہ یہی کہے گی کہ ابھی میں اچھی نہیں ہوں، جب میاں دیکھ کر یوں کہہ دیں گے کہ ہماری نظر میں تم اچھی ہو اس دن سمجھ لوں گی کہ واقعی میں اچھی ہوں۔ بندہ اور اللہ کا ایسا ہی معاملہ ہونا چاہیے۔ جب اپنی بڑائی کا خیال آئے فوراً سوچ لو کہ ابھی اپنے آپ کو کیسے اچھا سمجھ لوں؟ نہ معلوم اللہ میاں کی نظر میں میں کیسا ہوں؟ ہاں روزِ محشر جس دن کان میں آواز آجائے گی:

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا[۲۹]

اس دن اپنے کو اچھا سمجھ لوں گا۔ ورنہ اس عورت کا سا حشر ہوگا جو اپنی نظر میں اپنے کو اچھا سمجھ رہی ہو لیکن رخصتی کے بعد شوہر کہہ دے کہ مجھے تم بالکل پسند نہیں، تم میری آنکھوں کا کانٹا ہو، بتاؤ اس عورت کی زندگی بھی کوئی زندگی ہوگی، زندگی تلخ ہوجائے

---

[۲۹] حٰمٓ السجدۃ: ۳۰

گی۔ اگر شوہر تو ناراض ہے اور محلہ بھر تعریف کرتا ہے تو کیا محلہ والے اس عورت کو روٹی کپڑا دے دیں گے؟ اگر کوئی روٹی کپڑا دے گا بھی تو شوہر اس کے ڈنڈا مارے گا کہ تو کون ہوتا ہے، میری بیوی ہے۔ ایسے ہی جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں، لوگ اگر اس کی مدد کرنے لگیں تو ان کے بھی ڈنڈا مار دیتے ہیں کہ میرا بندہ ہے جس طرح چاہوں گا رکھوں گا۔ یہ ڈنڈا کیا ہے؟ لوگوں کا دل اس سے پھیر دیتے ہیں۔ ان کی نظر بدل جاتی ہے تو سارا جہاں بدل جاتا ہے۔

نگاہِ اقربا بدلی مزاج دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کُل سارا جہاں بدلا

بس اپنے کو مت دیکھو، ان کی نظر سے نظر ملائے رہو کہ کس بات سے وہ خوش ہوتے ہیں اور کس بات سے ناراض ہوتے ہیں، عاشق اپنے کو نہیں دیکھتا، محبوب کو دیکھتا ہے۔ اگر اپنے کو دیکھوگے تو ان کی نظر بدل جائے گی۔ اس لیے جب اپنی بڑائی دل میں آئے یا دل تمہاری تعریف کرے یا مخلوق تعریف کرے فوراً مندرجہ بالا مراقبہ کرلو کہ نہ جانے ان کی نظر میں ہم کیسے ہیں؟ عجب و تکبر کا یہ بہترین علاج ہے۔ مخلوق کی تعریف سے کبھی اپنے نفس کو خوش مت ہونے دو۔

ہر مرض کا علاج خاتمہ کا خوف ہے۔ خاتمہ کے خوف سے تمام امراض کا علاج بھی ہو جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر عمل بھی ہو جائے گا۔ آپ خاتمہ کے خوف سے غمگین رہا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے:

کَانَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ[۳۰]

میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عجب و تکبر احمقوں کو ہوتا ہے، یہ بیماری حماقت کی ہے۔ چمار کو تھانہ دار بنادو ابل پڑے گا کیوں کہ کم ظرف ہوتا ہے۔ عالی ظرف بنو اور اللہ سے دعا کیا کرو کہ اے اللہ! میرے ظرف میں عمق پیدا فرمادیجیے، میرے دل سے سطحیت کو دور کر دیجیے۔ قلب اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نفس کو حائل نہ ہونے دو، اگر نفس حائل ہو گیا تو اللہ سے دوری ہو جائے گی۔ جیسے چاند

---

[۳۰] الشَّمائل المحمّدیة والخصائص المصطفویة لِلترمذی: ۱۴، باب کیفَ کانَ کلام رسول اللہ، ایچ ایم سعید

اور سورج کے درمیان جب زمین کی حیلولت آجاتی ہے تو سورج کی روشنی چاند پر نہیں پہنچتی، قلب کی مثال چاند کی سی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سورج اور قلب کے چاند کے درمیان نفس کی زمین حائل ہے۔ نفس کو مٹاؤ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاؤ گے دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ نفس کو چھوڑ دو اور میرے پاس آجاؤ۔

خلاصہ یہ کہ دل کی رفتار پر نظر رکھو کہ دل کہاں جارہا ہے۔ جسم کے قدم پر نظر رکھنا تو عام آدمیوں کا بھی کام ہے، دل کے قدم پر نظر رکھنا اہلِ دل کا کام ہے۔ ظاہری اعمال تو عام مومنین بھی کرتے ہیں لیکن دل کی نگرانی اولیاء اللہ ہی کرتے ہیں۔ پہلے دل خراب ہوتا ہے پھر ہاتھ پاؤں خراب ہوتے ہیں، پہلے حسد پیدا ہوتا ہے پھر غیبت کو دل چاہتا ہے۔ اگر پہلے ہی سوراخ بند کردیتے کہ میرا بھائی ہے میں اس سے کیوں حسد کروں؟ کیا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے زیادہ مجھے تکلیف پہنچائی ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا؟ تو ہر وقت دل کو سامنے رکھو، جھانکتے رہو کہ اس میں کیا کارخانہ چل رہا ہے، یہ ہے دل کی نگرانی، یہ ہے اصل سلوک۔ اللہ تعالیٰ نے دل کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ یہ خالی نہیں رہ سکتا یا تو اس میں اللہ کی محبت ہوگی یا دنیا کی محبت ہوگی، اس کو اعلیٰ چیز سے بھرو۔ اگر بریانی نہیں کھائے گا تو پھر سڑی ہوئی باسی روٹی کھائے گا۔ جب دل ذکر اور اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو گناہ کرنے لگتا ہے۔ جس کو دل کی نگرانی کا ہنر آجائے سمجھ لو کہ اس کو سب کچھ آگیا، جو قرب اور عبادتوں سے سالوں میں حاصل ہوگا وہ اس سے مہینوں میں مل جائے گا۔ یہ روح کے لیے آلۂ اصطرلاب ہے۔ ہر وقت یہ خیال رہے کہ اس وقت دل میں کیا کارخانہ چل رہا ہے، کہیں تکبر تو نہیں آرہا، کہیں جاہ تو پیدا نہیں ہورہی، کہیں ریا تو نہیں گھس رہی، کہیں دنیا کی محبت اتنی تو نہیں کہ مرتے وقت دل میں خیال آئے کہ ابھی فلاں سے ملنا ہے، ابھی فلاں کام کرنا ہے۔ جس کام میں اللہ کی محبت شامل نہ ہو وہی دنیا ہے۔ فاسق سے بھی اگر اللہ کے لیے محبت سے پیش آتا ہے کہ یہ اللہ والا بن جائے تو یہ بھی عبادت ہے، دنیا کے لیے فاسق سے محبت رکھنا ناجائز ہے۔ وعظ کہہ رہا ہے لیکن دل میں جاہ آگئی کہ لوگوں کے دلوں میں عزت بڑھے گی، یہ بھی

دنیا ہے، حالاں کہ قَالَ اللّٰهُ قَالَ الرَّسُوْلُ کر رہا تھا۔ کسی امیر کو دیکھ کر زیادہ خوش ہونا بھی حبّ دنیا ہے کہ اب نذرانے آئیں گے، یہ شرک ہے۔ غلام کی نظر صرف آقا پر ہونی چاہیے، غلام کے لیے اس کا آقا کافی ہوتا ہے:

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ[۳۱]

کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے؟ یہاں استفہام اقراری ہے کہ اللہ ہی کافی ہے۔ توحید کے لیے ایک آیت کافی ہے۔ نفس کی چالوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

امیروں کو دیکھ کر نفس کہتا ہے کہ کیا بات ہے؟ لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا چاہیے۔ اسی طرح شیطان کینہ، عجب، تکبر کو نئے نئے ڈھنگ سے طاعت کی صورت میں دل میں ڈالتا ہے، پائخانوں پر جو چاندی کا ورق لگا کر شیطان پیش کرتا ہے وحی الٰہی اس کو بے نقاب کرتی ہے اور اللہ والا اس ورق کو ہٹا کر سُنگھا بھی دیتا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ تم کسی طرح وحی الٰہی سے ٹکرا جاؤ۔ کوئی حسین عورت یا امرد سامنے آگیا تو دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالے گا کہ یہ دیکھ لے اور اللہ کا حکم ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ[۳۲]

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! مومنین سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔ دانے کو دیکھنا جال کو نظر سے اوجھل کر دے گا، اس لیے دانہ کو دیکھنا شریعت نے حرام کر دیا۔ قلب کی نگاہ کو اللہ کی نگاہ سے ملائے رکھنا کہ وہ کسی بات سے ناراض تو نہیں ہو رہے ہیں، یہ اخلاص ہے۔ جسے ان کی رضا منظور ہوتی ہے لاکھ تقاضا ہو وہ غیر کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔

دل کو دنیا سے فارغ رکھو۔ یہاں کا آرام کہ یہ مکان ہے، یہ کار ہے، یہ پنکھا ہے، یہ دل میں نہ آئے۔ یہ پنکھا جو یہاں چل رہا ہے اس کی دو حیثیت ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو دیکھ کر شکر کرے کہ اے اللہ! آپ نے بے ہنر کو اپنے فضل سے ایسی ایسی نعمتیں

---

[۳۱] الزمر: ۳۶

[۳۲] النور: ۳۰

عطا فرمادیں، یہ تو عبادت ہے۔ لیکن یہ کہ اس پنکھے اور مکان کو دیکھ کر دل میں یہ خیال آئے کہ زیادہ دن تک یہیں رہتا، ابھی موت نہ آئے جس سے میرا یہ عیش جاتا رہے، بس یہ دنیا آگئی۔ اسی طرح کوئی مدرسہ چلا رہا ہے وہ سوچے کہ میں مہتمم ہوگیا، میرا نام ہوگا، احترام مل رہا ہے، عزتیں ہو رہی ہیں، اس لیے جینے کی خواہش کر رہا ہے، یہ دنیا ہے۔ ہاں اگر کوئی یوں کہہ رہا ہے کہ کچھ دن اور زندہ رہ لیتا کہ آپ کے دین کی خدمت کرلیتا کچھ اور روزہ، نماز کرلیتا کہ درجات بلند ہوجاتے، اس کے لیے زندگی مانگ رہا ہے یہ عبادت ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عمل تھا، ایک لاکھ صحابہ تھے، جو آپ کا تھوک اور وضو کا پانی تک چاٹ لیتے تھے، حضرت صدیق اور حضرت عمر جیسے جاں نثار موجود ہیں، اذانوں میں حضور کے نام کا ڈنکا پٹ رہا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو کچھ اور دن دنیا میں رہ لیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جواب دیا کہ:

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی[۳۳]

اے اللہ! آپ سب سے بڑے رفیق ہیں، صدیق بھی رفیق نہیں، عمر بھی رفیق نہیں، اصلی رفیق تو آپ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا باغ لگایا لیکن دنیا سے کیسی بے رغبتی تھی، اس لیے مدرسہ ہو یا کچھ اور، دل میں کچھ نہ ہو، دل کو فارغ رکھو اپنے اللہ کے لیے، اگر وہ مل گئے تو زمین و آسمان مل گئے نہیں تو کوئی چیز نہیں ملی۔

جو تو میرا تو سب میرا، فلک میرا، زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

اگر وہ ناراض ہیں تو کوئی چیز ہماری نہیں، آنکھوں کو عذاب ہو رہا ہے کہ ان آنکھوں سے بد نظری کیوں کی تھی؟ اگر آنکھیں ہماری ہوتیں تو کیا ہم عذاب ہونے دیتے؟ ہم تو مملوک ہیں غلام ہیں، غلام کو اگر آقا مل گیا، وہ راضی ہوگیا تو ساری چیزیں مل گئیں۔

بادشاہ محمود غزنوی نے ایک بار اعلان کیا کہ آج جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا

---

[۳۳] صحیح البخاری: ۶۴۱/۲ (۴۴۶۶)، باب اٰخر ما تکلم بہ النبی، المکتبۃ المظہریۃ

میں اس کو وہ عطا کر دوں گا۔ کسی نے وزارت پر ہاتھ رکھ دیا، کسی نے کمشنری پر ہاتھ رکھ دیا، کسی نے جواہرت پر ہاتھ رکھ دیا، بادشاہ تعریف بھی کرتا جارہا تھا کہ شاباش! تم نے بہت عقل مندی کی اور وہ چیز دیتا بھی جاتا تھا۔ ایاز اٹھا، کسی پر نظر نہ کی اور آکر بادشاہ پر ہاتھ رکھ دیا اور عرض کیا کہ آپ کے الفاظ ہیں کہ جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا اس کو آپ وہ چیز عطا کر دیں گے۔ میں آپ پر ہاتھ رکھتا ہوں، میں سلطنت لے کر کیا کروں گا؟ جب سلطان مل جائے گا تو سلطنت تو خود ہی مل جائے گی۔ بادشاہ بھی اللہ والا تھا اسی لیے ایاز اس کا عاشق تھا۔ بڑے بڑے فلاسفر اور بڑے بڑے پی ایچ ڈی اس وقت وہاں موجود تھے، حیرت میں رہ گئے کہ یہ غریب لڑکا تو ہم سب پر بازی لے گیا۔ ایاز بہت غریب گھرانے کا تھا لیکن محبت خود راستہ سکھاتی ہے۔ امراء رہ جاتے ہیں اور ایک یتیم بچہ آسمانی صحیفوں کو منسوخ کر دیتا ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی پورا قرآن بھی نازل نہیں ہوا، قرآن کی چند آیات ہی اتری ہیں کہ تمام صحیفۂ آسمانی منسوخ ہوگئے، اور بظاہر دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

ان کافروں نے کہا کہ ہم بھی بشر ہیں اور یہ بھی بشر ہیں، اشقیا کے پاس دیدۂ بینا نہیں تھی، اچھے اور برے ان کی آنکھوں کو یکساں نظر آئے اور حضرت صدیق اکبر کی آنکھوں کو کیا نظر آیا اَلنَّظَرُ اِلَیْكَ کہ حضور کو دیکھتا رہوں۔ حضرت ابو ہریرہ کو حضور کے چہرۂ مبارک میں کیا نظر آتا تھا کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْهِهٖ[۳۴] گویا کہ

---

[۳۴] الشمائل للترمذی:۸، باب مشیة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ایچ ایم سعید

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک میں آفتاب چل رہا ہے، نظر اپنی اپنی، کسی کی نظر وزارتوں اور کمشنریوں تک جاتی ہے اور کسی کی نظر بادشاہ پر جاتی ہے۔ ان ہی انسانوں میں ایسے ایاز بھی ہیں جو ہفت آسمانوں اور ہفت زمینوں کے اوپر اپنی روحوں کو لے جاتے ہیں، جو ملوں پر ہاتھ نہیں رکھتے، وزارتوں پر ہاتھ نہیں رکھتے، چاند سورج پر ہاتھ نہیں رکھتے، ستاروں پر ہاتھ نہیں رکھتے، ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ سے تعلق کرتے ہیں کہ آپ پر ہاتھ رکھ رہا ہوں، آپ مل گئے تو زمین و آسمان کیا دونوں عالم مل گئے۔

ایک وقت ایسا آئے گا کہ سلطنتِ ہفت اقلیم پیش کی جائے گی تو اپنے ایمان کی حفاظت کی خاطر ٹھکرا دو گے، کیوں کہ ہم کمزور ہیں، ممکن ہے سلطنت کے عیش میں پڑ کر اللہ سے غافل ہو جائیں۔ حضرت عمر اور حضرت ابو بکر صدیق کی سی طاقت ہر ایک میں تھوڑی ہو سکتی ہے کہ قیصر و کسریٰ کے وفود آرہے ہیں، پوچھتے ہیں کہ خلیفہ کہاں ہیں؟ بتایا جاتا ہے کہ شہر کے باہر جنگل میں اونٹوں کو چرا رہے ہوں گے، لُنگی پہنے ہوئے گھاس پر لیٹے ہوں گے، گھاس کے نشانات جسمِ مبارک پر پڑے ہوں گے، اگر ایسی ایمانی طاقت ہو تو اس کے لیے بادشاہت جائز اور حلال ہے۔ مگر اس زمانے میں ایمان کمزور ہو گئے ہیں، حضرت سفیان ثوری تابعی ہیں، ہم سے سینکڑوں سال پہلے آئے ہیں، فرماتے ہیں کسی کو بادشاہت میں لطف مل رہا ہے، کسی کو وزارت میں لطف مل رہا ہے، کسی کو اپنی فیکٹری میں مزہ آرہا ہے، کسی کو اپنے حسن میں مزہ آرہا ہے، اللہ والا قبرستان میں جا کر دیکھتا ہے کہ سب کا کیا حشر ہو رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ قبر کے پاس آکر اتنا کیوں روتے ہیں؟ فرمایا کہ پہلی منزل تو یہی ہے، جس کی قبر اچھی ہے اس کی سب منزلیں آسان ہیں، ورنہ پھر مشکل ہی مشکل ہے۔

حضرت صدیقِ اکبر نے قبرستان میں جا کر خطبہ دیا تھا کہ اے نوجوانو! اپنی جس جوانی پر تمہیں ناز تھا، تمہاری وہ جوانی کیا ہوئی؟ تمہارا حُسن کہاں چلا گیا؟ اے پہلوانو! تمہاری پہلوانی اور طاقتیں کیا ہوئیں؟ اے بادشاہو! تمہارے وہ قلعے کیا ہوئے؟ دنیا کی حقیقت کھل جائے تو ساری پہلوانی اور ساری بادشاہت بھول جائیں۔ احمقوں سے دنیا آباد ہے لَوْلَا الْحُمَقَاءُ لَخَرِبَتِ الدُّنْيَا اگر یہ احمق نہ ہوں تو دنیا کا کام نہ چلے۔ جس پر دنیا کی

حقیقت کھل جائے، یہ بڑی نعمت ہے۔ جب یہ حقیقت کھل جاتی ہے تو پھر دنیا دل میں نہیں آسکتی۔ دل اللہ کی یاد میں سکون سے رہتا ہے۔ ایک اللہ والے کا بچہ بھی بیمار ہوتا ہے اور دنیا دار کا بچہ بھی بیمار ہوتا ہے۔ دنیا دار ہزاروں روپیہ ڈاکٹروں پر خرچ کرتا ہے لیکن دل بے چین رہتا ہے، جانے اچھا ہوگا کہ نہیں، اگر اچھا نہیں ہوا تو کیا ہوگا، حواس خراب ہو جاتے ہیں اور اللہ والا اپنے مقدور بھر دوا کرتا ہے، پھر مسجد میں جاکر سجدہ میں گر کر دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! آپ کے حکم کی وجہ سے دوا تو کرلی لیکن شفا تو آپ ہی دیں گے، شفا عطا فرما دیجیے۔ دعا کرتا ہے اور قضا پر راضی رہتا ہے کہ میاں جس حال میں رکھیں گے اس پر راضی رہوں گا۔ اس لیے اس کے دل میں ٹھنڈ رہتی ہے کیوں کہ اس پر زندگی اور موت کی حقیقت کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ زندگی اور موت کی اتنی حقیقت ہے جیسے دو الماریاں ہیں، ایک نیچے، ایک اوپر، نیچے والی الماری سے اٹھا کر اوپر والی میں رکھ دیا، دنیا سے اٹھایا اور آخرت میں رکھ دیا۔ جانا سب کو وہیں ہے، اس لیے اللہ والے کے سکون کو دنیا کا کوئی غم نہیں چھین سکتا۔

۲۳؍ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ مطابق ۸؍ جولائی ۱۹۶۹ء، بروز منگل

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر کی الہامی شرح

ارشاد فرمایا کہ جو سیدھے راستے پر پڑ جائے ایک دن پانی تک پہنچ جاتا ہے۔ پانی سے مراد قربِ الٰہی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کنویں سے تم ہر روز مٹی نکالتے رہوگے تو انجام کار ایک دن پانی تک پہنچ جاؤ گے ؎

گر ز چاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آب پاک

راستہ چل رہے ہو، مجاہدات کر رہے ہو، ذکر کر رہے ہو، انجام کار ایک دن اللہ تک پہنچ جاؤ گے۔ میں تو کہتا ہوں کہ پانی کا مزہ تو اللہ میاں پہلے ہی دن چکھا دیتے ہیں، جیسے ہی آدمی اللہ کے راستے میں قدم رکھتا ہے اللہ کی محبت کا مزہ پانے لگتا ہے، چاہے پہلے دن محسوس نہ ہو، پھر جوں جوں آگے بڑھتا رہتا ہے لذت بڑھتی رہتی ہے۔ خود سوچ لو کہ آج ذکر میں جو لذت محسوس کر رہے ہو کیا تین مہینہ پہلے ایسی لذت تھی؟ اسی طرح

ایک سال بعد جو لذت محسوس کرو گے وہ آج سے کہیں زیادہ ہوگی۔ یہ مزہ آخر دم تک بڑھتا رہتا ہے، یہ نہیں کہ اسّی برس کی عمر ہوگئی تو مزہ ختم ہوگیا۔

مولانا کا یہ شعر لکھ لو اور یاد بھی کر لینا، یہ بڑی امید دیتا ہے۔ کنواں کھودنے والا کنواں کھودتا رہتا ہے اور پانی کی امید پر اس کی محنت کو برداشت کرتا رہتا ہے، جیسے جیسے خاک نکلتی رہتی ہے پانی کا قرب بڑھتا رہتا ہے، پہلے خشک مٹی آتی ہے، پھر ایک دن مٹی میں نمی آنے لگتی ہے، حتیٰ کہ ایک دن گیلی مٹی آنے لگتی ہے، جب گیلی مٹی آنے لگتی ہے تو کنواں کھودنے والا خوش ہوجاتا ہے کہ بس اب پانی تک پہنچنے والا ہوں۔ اس کے بعد اس کے حوصلے اور امید میں اور ترقی ہو جاتی ہے۔ انجام کار صاف پانی کو پالیتا ہے۔ ایسے ہی اللہ کا راستہ ہے۔ آدمی مجاہدات کرتا ہے، ذکر کرتا ہے، ہر روز قرب بڑھ رہا ہے لیکن شروع میں اسے کوئی مزہ نہیں آتا کیوں کہ انوارِ ذکر ابھی ظلماتِ معاصی سے مخلوط ہوتے ہیں یعنی انوارِ ذکر ابھی ظلماتِ معاصی کے اختلاط کی وجہ سے خالص نہیں ہوتے لیکن سالک بے مزہ ذکر کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ ایک دن ذکر میں مزہ آنے لگتا ہے، قرب کی حلاوت محسوس ہونے لگتی ہے۔ ابھی تو اللہ تعالیٰ خاک آمیز پانی پلا رہے ہیں، اس میں یہ اثر ہے کہ کوئی سجدہ میں رو رہا ہے، کوئی چیخ رہا ہے، ذکر میں لذت آرہی ہے، جس دن اللہ میاں صاف پانی پلائیں گے، گناہوں کی مٹی سے پاک قرب کا صاف پانی نصیب ہو جائے گا تو اس پانی کی لذت کو مت پوچھو، بس کچھ کہہ نہیں سکتا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

جرعہ خاک آمیز میں جب یہ اثر ہے کہ مجنوں کیے دیتا ہے۔ اگر صاف میسر ہوگا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا مزہ آئے گا۔ سالک جب تک گناہ کرتا رہتا ہے اس وقت تک ذکر کے انوار و برکات خالص محسوس نہیں ہوتے، جرعہ خاک آمیز ہو جاتا ہے اور جب آبِ خاک آمیز (قربِ ناقص) سے مٹی اور کیچڑ (ظلماتِ معاصی) بالکلیہ الگ ہو جاتے ہیں اور تقویٰ کامل عطا ہو جاتا ہے یعنی تمام گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے اس وقت جان میں ذکر کے انوار خالص محسوس ہوتے ہیں اور روح کو قربِ خاص مست کر دیتا ہے اور

یہ شخص دوسری روحوں میں بھی زلزلہ پیدا کر دیتا ہے، دوسری روحیں بھی اس کی صحبت سے اللہ والی ہو جاتی ہیں۔

۲۶؍ ربیع الثانی ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۱۱؍ جولائی ۱۹۶۹؁ء

دو نصیحتیں

ارشاد فرمایا کہ (۱) دل کی بیماری (مثلاً گناہ کے گندے گندے خیالات پکانا اور غفلت وغیرہ) کو معمولی مت سمجھو اور (۲) زندگی کو لمبی مت سمجھو کہ نہ جانے زندگی کس وقت ختم ہو جائے اور گناہوں کی حالت میں اللہ کے پاس جاؤ، اس لیے جلد سے جلد دل کی بیماریوں کا علاج کرا لو۔

۲۸؍ ربیع الثانی ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۱۳؍ جولائی ۱۹۶۹؁ء

بروز اتوار، مجلس بوقت گیارہ بجے صبح

سامعین کی تعداد مقصود نہیں، وعظ سے رضائے حق تعالیٰ مقصود ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ کا بڑا عاشق تھا۔ ایک بار کسی جگہ حضرت کا وعظ تھا، اس شخص کو دیر ہو گئی، یہ تیزی سے جا رہا تھا کہ راستے میں مولانا نانوتوی سے ملاقات ہو گئی، پوچھا کہ کیا وعظ ختم ہو گیا؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں، وہ شخص افسوس کے مارے بیٹھ گیا اور رونے لگا۔ مولانا نے اس کے آنسو اپنے ہاتھ سے پونچھے اور فرمایا کہ وعظ ختم ہو گیا تو کیا ہوا، واعظ تو موجود ہے، یہ کہہ کر پورا وعظ چار گھنٹے کا اس کو سنایا۔

اس لیے اگر کبھی لوگوں کی تعداد کم ہو تو کچھ فکر نہ ہونی چاہیے کیوں کہ تعداد مقصود نہیں، اللہ مقصود ہے کہ وہ کسی طرح راضی ہو جائے۔ ایک آدمی ہے اس کو اللہ کی بات سنا دی اور یہ عمل اللہ نے قبول فرما لیا تو بیڑا پار ہے ورنہ ایک لاکھ مرید ہوں اور اللہ راضی نہ ہو تو سب بے کار ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر ایک آدمی بھی نہ آوے تو بھی کوئی افسوس نہیں، جتنی دیر آپ لوگوں کو اللہ کی باتیں سناتا تھا اتنی دیر اللہ کے ساتھ مشغول

ہو جاؤں گا۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ جو لمحے اللہ کی یاد میں گزرتے ہوں وہ لمحات کسی دن خالی نہ گزریں۔ یہ نہیں کہ اگر آج لوگ نہیں آئے تو گپ شپ میں وقت ضایع کر دیں بلکہ اللہ کے ساتھ مشغول ہو جانا چاہیے جیسا کہ معمول تھا، خواہ ذکر کرنے لگو، تلاوت کرنے لگو، دعا مانگنے لگو۔ بس اتنا وقت بے کار نہ گزرے۔

دین پر چلنے میں کسی کی پروانہ کرنا چاہیے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ ہم کو راضی کرنے کی فکر میں ہمارے راستے میں قدم رکھتا ہے، اپنی خواہشات کو ختم کرتا ہے، مخلوق کی خوشی اور ناخوشی کو ناقابلِ توجہ سمجھ کر اللہ کی خوشی پر اپنی توجہ کو لگاتا ہے تو اس وقت کچھ نالائق ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس پر ہنستے ہیں:

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ [۳۵]

جیسے یہ آج کل کے مسٹر لوگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ کیا مسجد کے مینڈھے بنے ہوئے ہو، تمہیں خبر نہیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ایک مؤذن کو کسی نے کہا کہ تو مسجد کا مینڈھا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو تمہارا دعویٰ ہے اور دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، تم دلیل سے بات کرو کہ میں مسجد کا مینڈھا ہوں، ورنہ میں ثابت کرتا ہوں کہ تو دنیا کا کتا ہے۔ دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ جہاں تمہیں دین کی بات سنائی جائے تو فوراً کہہ دیتے ہو کہ ہمارا کیا ہے ہم تو دنیا کے کتے ہیں، جب تم خود اقرار کرتے ہو کہ ہم دنیا کے کتے ہیں تو اَلْمَرْءُ يُؤْخَذُ بِاِقْرَارِهٖ آدمی اپنے اقرار سے خود ہی پکڑ لیا جاتا ہے، عدالت بھی کہہ دیتی ہے کہ کیوں کہ اس نے خود اقرار کر لیا ہے اب کسی گواہ کی ضرورت نہیں۔ تو یہ دنیا کے کُتّے اس اللہ والے کا مذاق اڑاتے ہیں، کہتے ہیں کہ تم کنویں کے مینڈک ہو، کنویں کی چار دیواری سے باہر نکل کر دیکھو کہ دنیا کہاں جا رہی ہے اور تم کہاں پڑے ہو۔ روس اور امریکا تو چاند پر جا رہے ہیں اور تم تیرہ سو برس سے تسبیح کھٹکھٹا رہے ہو، یہ سب باتیں محبت نہ ہونے کی ہیں۔ ایک عاشق اپنے محبوب کے بارے میں کیا کہتا ہے؎

---

[۳۵] المؤمنون:۱۱۰

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ
جنّت است آں گرچہ باشد قعرِ چاہ

جہاں کہیں وہ ہمارا یوسف جیسا چہرہ رکھنے والا ہمارا محبوب ہمارے ساتھ ہو وہ جنّت ہے اگرچہ وہ کنویں کی گہرائی ہی میں کیوں نہ ہو۔ ہم کنویں کے مینڈک ہیں لیکن جنّت میں ہیں کیوں کہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہے، ہمارا محبوب ہمارے ساتھ ہے اور تم اللہ کے قرب سے محروم ہو۔

اگر کوئی تمہارا مذاق اڑائے تو اس کو سختی اور غصہ سے جواب نہ دو بلکہ صبر کرو۔ مخلوق کے مذاق اڑانے سے کبھی نہ گھبرانا چاہیے، تمہیں تو بیٹھے بٹھائے مفت میں عمل مل گیا، یہ ایسا عمل ہے کہ جس میں تمہیں کچھ نہیں کرنا پڑتا اور اجر مل جاتا ہے۔ دوسرے اعمال میں تو کچھ کرنا پڑتا ہے، ذکر کی مشقت کرنی پڑتی ہے، پابندی کرنی پڑتی ہے لیکن یہ عمل ایسا ہے کہ تم خاموش ہو اور دوسرے مذاق اڑا رہے ہیں، ستا رہے ہیں، وہ ستائیں تم صبر کرو۔ معلوم ہے اس پر کیا انعام اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں:

اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا[36]

تحقیق میں نے جزا دی ان لوگوں کو آج کے دن بوجہ ان کے صبر کے۔

مخلوق کے استہزا پر صبر کے معنٰی

کسی کے مذاق اڑانے پر صبر کے کیا معنٰی ہیں؟ راستے پر قائم رہنا۔ ان کا مذاق تمہیں متأثر نہ کرے بلکہ عزم اور پختہ ہو جائے، ایمان و یقین اور بڑھ جائے اور قدم اللہ کے راستے سے نہ ہٹیں، یہ صبر ہے۔ ان کے مذاق کو سُن کر اگر یہ خیال آگیا کہ واقعی ہم گھاٹے میں ہیں، سمجھ لو کہ یہ اثر قبول کرلینا بہت بڑا گھاٹا اور ایمان کا زوال ہے۔ اس کے معنٰی ہیں کہ تم اس وقت اندھے ہوگئے، ان کا جادو تم پر اثر کر گیا، تمہیں حق و باطل میں تمیز نہ رہی، مقام اعلیٰ سے اسفل میں آ گرے، سمجھ لو کہ ایمان کے قلعہ کی بنیاد ہل گئی اگر

---

[36] المؤمنون:۱۱۱

کچھ یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کار اور بنگلے والے نفع میں ہیں اور ہم گھاٹے میں ہیں، جس کے دل میں دنیاداروں کی بڑائی اور اپنی کمتری کا احساس آگیا سمجھ لو کہ اس کا سینہ اللہ کی محبت سے خالی ہے، اس کے دل کو اللہ سے تعلق حاصل نہیں۔ اگر سینے میں اللہ کی محبت ہوتی اور اس کی روح نے خوشۂ غیبی یعنی اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیا ہوتا تو یوں کہتا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم مذاق اڑا کر مجھے راستے سے ہٹا دوگے، بھیجے سے یہ خیال نکال دو۔ تمہیں کیا معلوم کہ میرے اللہ نے میرے دل کو کیا کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

ایک بزرگ جا رہے تھے۔ چہرہ پیلا ہو رہا تھا اللہ کی یاد سے۔ اللہ والے کا چہرہ دنیا کی فکروں سے پیلا نہیں ہوتا، اللہ کی یاد اور خوف سے پیلا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ[۳۷]

ترجمہ: میں جن چیزوں کو دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے ہو، اور جو میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ، اور بیویوں کے پاس تمہیں آرام نہ ملے اور تم جنگلوں کو بھاگ جاؤ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے۔

اللہ والوں کا چہرہ خوفِ آخرت سے پیلا ہو جاتا ہے۔ تو ایک شخص نے ان پر اعتراض کیا کہ بڑے میاں آپ کا چہرہ تو پیلا ہو رہا ہے، کیا ہر وقت تسبیح پڑھتے رہتے ہو، کچھ کھایا پیا بھی کرو کہ بدن میں طاقت آئے۔ ان بزرگ نے جواب دیا۔

رخِ زریں من منگر کہ پائے آہنیں دارم
چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

میرے پیلے چہرے کو مت دیکھو کہ میں لوہے کے پیر رکھتا ہوں جو بفضلہٖ تعالیٰ مجھے راہِ استقامت سے نہیں ہٹا سکتے، تجھے کیا معلوم کہ میں اپنے دل میں کیسا بادشاہ رکھتا ہوں۔

---

[۳۷] جامع الترمذی: ۲/۵۷، ابواب الزھد، باب قول النّبی صلی اللہ علیہ وسلم: لو تعلمون ما اعلم، ایج ایم سعید

روح کی نشو و نما کے لیے دو حرارتوں کی ضرورت اور اس کی تفہیم کی مثال

ارشاد فرمایا کہ جیسے درخت کے ہرے بھرے ہونے کے لیے دو حرارتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک داخلی دوسری خارجی۔ داخلی حرارت کے لیے درخت کی جڑوں میں کھاد دی جاتی ہے جس سے یہ حرارت درخت کے رگ و ریشہ میں دوڑ جاتی ہے، اور درخت کو خارجی حرارت آفتاب کی شعاعوں سے پہنچتی ہے۔ یہ دونوں حرارتیں درخت کی نشو و نما کے لیے ضروری ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر دونوں حرارتوں میں سے کوئی ایک حرارت بھی درخت کو نہ ملے تو درخت سوکھ جاتا ہے۔ مثلاً اگر آفتاب کی خارجی حرارت ملے لیکن کھاد نہ دی جائے تو بھی درخت ہرا بھرا نہ ہوسکے گا کیوں کہ داخلی حرارت درخت کو نہیں مل رہی۔ اس طرح اگر چاہے کتنی ہی قیمتی کھاد ڈال دی جائے لیکن اس درخت کو آفتاب سے خارجی حرارت حاصل نہ ہوسکے تو بھی درخت پھل پھول نہیں سکتا۔ اسی لیے جن کھیتوں کے کنارے درخت ہوتے ہیں ان درختوں کے سائے میں پودے پیدا نہیں ہوتے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو ان میں پھل نہیں آتا کیوں کہ خارجی حرارت ان پودوں کو نہیں مل رہی۔

اسی طرح روح کی نشو و نما کے لیے بھی دو حرارتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک شیخ کی صحبت کی خارجی حرارت، اور دوسری ذکر اللہ اور اجتناب عن المعاصی کی داخلی حرارت۔ جس شخص کو یہ دونوں حرارتیں نصیب ہوجائیں اس کی روح کا درخت اللہ کی محبت سے سدا بہار ہوجاتا ہے۔

۴؍ جمادی الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۰؍ جولائی ۱۹۶۹ء، بروز اتوار

مرشد کے لیے ولی ہونا ضروری ہے

ارشاد فرمایا کہ مرشد کے معنیٰ ہیں راستہ دکھانے والا یعنی اللہ کا رستہ دکھانے والا۔ یہ لفظ قرآنِ پاک سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا[۳۸]

عربی میں پیر کو مرشد کہتے ہیں۔ مرشد کے لیے ولی ہونا ضروری ہے اور اللہ کا ولی کون ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[۳۹] ہمارے ولی وہ ہیں جو ہم سے ڈرتے ہیں۔ مرشد کے لیے شرط ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والا ہو یعنی اللہ کا ولی ہو۔ جب ولی ہو گا تب ہی تو اللہ کا راستہ دکھائے گا۔ فاسق و فاجر جو خود بیماریوں میں مبتلا ہو وہ دوسروں کو بیماری سے کیا نکالے گا۔ جو خود کنویں میں گرا ہوا ہے وہ دوسروں کو کیا کنویں سے نکالے گا۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

کے دہد زندانئے در اقتناص
مردِ زندانی دیگر را خلاص

ایک قیدی جو خود قید میں ہے دوسرے کو نجات کہاں دلا سکتا ہے؟ ؎

جز مگر نادر یکے فردانئے
تن بہ زنداں جاں او کیوانئے

بجز اس نادرِ یگانۂ روزگار کے کہ جس کا جسم تو زنداں میں ہو اور روح کا تعلق اللہ سے ہو۔

تو مرشد کے لیے ولی ہونا ضروری ہے۔ اس کا جسم تو دنیا میں ہوتا ہے لیکن روح کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے اس کا جسم مثل ڈول کے ہے، وہ کنویں میں ہوتا ہے یعنی دنیا میں لیکن اس کی روح یہاں نہیں ہوتی۔ روح اللہ کے پاس ہوتی ہے، جیسے ڈول کا جسم کنویں میں ہوتا ہے لیکن اس کا تعلق کنویں کے اوپر عالمِ بالا سے ہوتا ہے، جس سے وہ کنویں کے پانی کو اور کنویں میں گرے ہوؤں کو باہر نکال دیتا ہے۔ ایسے ہی پیر کا جسم دنیا میں ہوتا ہے لیکن روح کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ گناہ گاروں کو دنیا کے کنویں سے باہر نکال لے جاتا ہے اور اللہ سے ملا دیتا ہے اور جو خود دنیا کے کنویں میں گرا ہو اور عالمِ بالا سے اس کا کوئی تعلق نہیں یعنی جو خود نافرمانیوں میں مبتلا ہے وہ

---

[۳۸] الکھف:۱۷

[۳۹] الانفال:۳۴

دوسروں کو نافرمانیوں سے کیا نکالے گا۔ اس لیے اللہ کا نافرمان پیر نہیں ہو سکتا۔

اللہ کا راستہ دکھانے کا ظاہری وسیلہ پیر ہوتا ہے۔ اس لیے پیر ایسا ہو جو ولی ہو۔ لہٰذا وَلِیًّا مُّرْشِدًا فرما کر یہ بتا دیا کہ ہمارا راستہ بتانے والے کے لیے ہمارا دوست ہونا ضروری ہے۔ پیر کا مریدوں سے ولایت کا تعلق بھی ہوتا ہے۔ مثنوی کا شعر جو اوپر گزر چکا اس میں مولانا رومی فرماتے ہیں کہ پیر کی روح کا ایک تعلق تو اپنے جسم سے ہے اور ایک تعلق اللہ سے ہے۔ اس طرح اس کی روح کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک تعلق جو جسم سے ہے جس کی وجہ سے وہ زندہ ہے اس لیے دوسرے جسموں کو پکڑ کر اللہ تک پہنچا دیتا ہے لیکن جب پیر مر جاتا ہے تو روح کا تعلق اس کے جسم سے ختم ہو جاتا ہے اور روح اس تعلق کو ساتھ لے کر اللہ کے پاس چلی جاتی ہے۔ لیکن جب جسم مر گیا تو اب وہ کنویں میں گرے ہوؤں کو نہیں نکال سکتا یعنی اب مریدوں کی اصلاحِ نفس و تربیتِ اخلاق نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے اب نئے اللہ والے پیر سے تعلق کرنا ضروری ہے ورنہ دنیا کے کنویں سے نہیں نکل سکتے۔ اس میں ہدایت ہے ان بدعتیوں کے لیے جو قبروں سے فیض لے کر اپنی اصلاح و تربیت کرنا چاہتے ہیں اور اللہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

اللہ کی غفوریت بوجہ ان کی ودودیت کے ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ[۴۰] کہ میں اپنے بندے کی خطاؤں کو کیوں معاف کر دیتا ہوں؟ مارے محبت کے۔ اپنے بندوں کی خطاؤں کو اپنی محبت کی وجہ سے معاف کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے، محبت کرنے والے ہیں۔ بچہ جب کوئی خطا کر دیتا ہے جیسے ابھی کپڑے بدلوائے ہی تھے کہ مٹی میں لوٹ کر گندے کر آیا، تو باپ سخت غصے میں اس کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے لیکن وہ مارنے سے پہلے ہی باپ کے سامنے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ جوڑ کر یوں کہتا ہے کہ ابّا معاف کر دیجیے تو باپ کیوں معاف کر دیتا ہے؟ کیوں کہ بچے کی محبت جوش مارتی ہے کہ اس لیے تو مار رہا تھا کہ

---

[۴۰] البروج: ۱۴

اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اب تو وہ خود ہی ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ جیسے باپ کے لیے چھوٹا بچہ ہوتا ہے ایسے ہی ہم چاہے چھ فٹ کے ہو جائیں بال بھی سفید ہو جائیں تو بھی اللہ کے لیے ایسے ہی ہیں جیسے باپ کی نظر میں چھوٹا بچہ ہوتا ہے کیوں کہ وہ ہمارے خالق ہیں۔ تمہارے لیے بڑے ہو گئے لیکن اللہ کے لیے چھوٹے بچے کی طرح ہی ہیں۔ بچہ تو جسم کا کپڑا میلا کرتا ہے، تم جب اپنی روح کا کپڑا میلا کر لیتے ہو، گناہ سے دل گندا کر لیتے ہو، جب تم جھوٹ بول دیتے ہو یا نگاہ غلط جگہ ڈال دیتے ہو یا جماعت میں سستی کرتے ہو، مراد یہ ہے کہ کوئی بھی گناہ کر لیتے ہو تو اللہ کو ناراض کرنے پر پہلا عذاب عقل پر آتا ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ نفع ہو رہا ہے اور ہوتا ہے نقصان اور یہ عقل اس وقت آتی ہے جب آدمی اللہ والا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقل ایسے نہیں آتی، کسی اللہ والے کی غلامی سے آتی ہے۔ لہٰذا کسی اللہ والے کی غلامی کرو اور گناہوں سے بچو، اگر کبھی گناہ ہو بھی جائے تو فوراً اللہ سے رو لو، توبہ کر لو۔ جب کسی سے غلطی سے کبھی گناہ ہو جاتا ہے اور جب گناہ گار بندہ اللہ کے سامنے روتا ہے تو عرش ہل جاتا ہے، اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں؎

عرش لرزد از انین المذنبیں

انین کا معنیٰ ہے رونے کی آواز، آہ و نالہ، مومن کے رونے سے عرش ہل جاتا ہے مارے محبت کے؎

آں چناں لرزد کہ مادر بر ولد

جیسے ماں کا چھوٹا بچہ رونے لگتا ہے تو ماں کا دل کانپنے لگتا ہے، دوڑ کر اس کو اٹھا لیتی ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ** یعنی ہم بڑے معاف کرنے والے بڑے محبت کرنے والے ہیں، جب مومن معافی مانگتا ہے تو ہم مارے محبت کے اس کو معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ کو بندے سے بہت بڑا تعلق ہے۔ ہمارے ساتھ کوئی احسان کر دیتا ہے تو ہم اس کے ممنون ہوتے ہیں، کسی نے قرضہ ادا کر دیا، کسی ضرورت میں مدد کر دی، بیماری میں عیادت کر لی تو دل کو اس کی محبت کا احساس ہوتا ہے لیکن اللہ کو جو تعلق بندے سے ہے ویسا کسی کو نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ انہوں پیدا کیا ہے، ماں باپ نے تھوڑی پیدا کیا ہے۔ ماں کو کچھ خبر نہیں کہ میرے پیٹ میں کیا ہو رہا ہے، کب

میرے بچے کے دل لگایا جارہا ہے، کب پھیپڑے لگائے جارہے ہیں، کب آنکھیں لگائی جارہی ہیں، کب اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اور پاؤں لگائے جارہے ہیں۔ اگر ماں خالق ہوتی تو اس کو معلوم ہوتا کہ اب دل لگ گیا، اب آنکھیں لگ گئیں، اب ہاتھ پاؤں لگ گئے کیوں کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم ہوتا ہے کہ میں نے کس وقت کیا چیز بنائی ہے۔ تو خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، ماں تو صرف ظاہری سبب ہے بچے کی پیدائش کا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔ کیوں کہ ماؤں کو محبت کرنا انہوں نے ہی تو سکھایا ہے۔

مادراں را مہرِ من آموختم

اپنی محبت کا ایک ذرّہ ماں کو دے دیا، اس ذرے میں یہ اثر ہے کہ ماں کو اپنے بچے کی محبت اپنی جان سے زیادہ ہے۔ تو **وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ** فرما کر یہ بتا دیا کہ ہم اپنے بندے کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں کیوں کہ ہم اپنے بندوں سے محبت رکھتے ہیں۔

(ایک ٹیلر ماسٹر موجود تھے ان کو نصیحت فرمائی کہ) ٹیلر ماسٹروں کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ شیطان کہتا ہے کہ گاہک کا کپڑا بچا کر رکھ لو فائدہ ہو جائے گا۔ اس وقت نفس و شیطان سے کہہ دو کہ کھانا اور کپڑا ہمارا اللہ کے ذمہ ہے۔ اگر ہم نے کپڑا چرا بھی لیا تو برکت ختم ہو جائے گی۔ کیسے؟ جب تم کپڑا سی کر گاہک کو دو گے اور بچا ہوا کپڑا بھی اسے واپس کرو گے کہ لیجیے یہ آپ کا کپڑا بچا ہے تو وہ کتنا متأثر ہوگا اور سوچے گا کہ اللہ اکبر! اس زمانے میں ایسے درزی بھی ہیں جو کپڑا واپس کر دیتے ہیں دوسرے درزی تو تین گز میں سے آدھا گز بچا کر رکھ لیتے ہیں اور یہ واپس کر رہا ہے۔ دس لوگوں سے کہے گا کہ چلو اس درزی سے سلواؤ وہ بڑا ایمان دار ہے۔

۲۳؍ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ، مطابق ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۶۹ء

گناہ گاروں کے لیے طلوعِ آفتابِ اُمید

ارشاد فرمایا کہ گناہوں کا استحضار اپنی فنائیت و بے مائیگی کی نیت سے تو جائز اور مستحسن ہے کہ بندے کی نگاہ پھر اپنے عمل پر نہیں رہتی۔ اپنی پچھلی زندگی کے اعمال دیکھ

کر اپنے دامن کو خالی پاتا ہے تو اس کی نگاہ اللہ کی رحمت پر رہتی ہے کہ میں تو کسی قابل نہیں میاں کی رحمت بڑی ہے، اپنے عمل کے اعتبار سے تو میں مستحق عذاب ہوں لیکن حق تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ اپنی قدرت کاملہ قاہرہ سے وہ ایک منٹ میں نہ جانے کیا سے کیا بنا سکتے ہیں۔ ان کی عطا کسی استعداد و قابلیت کسی قاعدہ قانون کی پابند نہیں ہے۔ مطلع ابر آلود ہوتا ہے ایک ہوا چلتی ہے اور گھنگھور گھٹاؤں کو اڑا کر لے جاتی ہے۔ اسی طرح اگرچہ ہمارے قلب کا اُفق گناہ کی گھٹاؤں سے گھر گیا، نور کی کہیں گنجایش نہیں رہی لیکن اپنی گھٹاؤں کو مت دیکھو، ان کی نسیم کرم پر نظر رکھو، اس کے سامنے یہ گناہ کیا چیز ہیں۔ تو اپنی بے مائیگی اور فنائیت کے اعتبار سے اپنی سابقہ زندگی کے گناہوں کو یاد کرنا یہ تو پسندیدہ ہے، اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ بندہ مٹا ہوا رہے۔ ایسا شخص کہ جس نے کبھی کوئی گناہ تو نہیں کیا لیکن اپنے اعمال پر نظر ہو گئی کہ میں ایسا ہوں، میرے ان اعمالِ حسنہ سے مجھ کو بڑا قرب حاصل ہو گیا ہو گا۔ سمجھ لو شیطان نے اس کا راستہ مار دیا، ایسا شخص ہرگز مقرب نہیں ہو سکتا جو قرب حاصل تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اس سے تو وہ گناہ گار اچھا ہے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے نادم رہتا ہے۔ ندامت اور شرمندگی اللہ کو پسند ہے لیکن کبھی کبھی شیطان کان میں پھونک دیتا ہے کہ تم نے تو ساری زندگی گناہوں میں کاٹ دی حتیٰ کہ اب گناہوں کی استعداد بھی نہ رہی اور ولایت موقوف ہے استعداد ہوتے ہوئے تقاضے پر عمل نہ کرنا، اب تمہیں کیا قرب نصیب ہو گا، ولایت کا اعلیٰ مقام اب تمہیں نصیب نہیں ہو سکتا۔ جب دل میں یہ خیالات آئیں تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا زبردست دھوکا ہے۔ وہ مایوس کرنا چاہتا ہے کہ اسے اللہ کا قرب حاصل نہ ہو سکے۔ گناہ کا ایک تعلق تو بندے کی ذات سے ہے کہ واقعی ہم اپنے عمل کے اعتبار سے کسی قرب خاص کے مستحق نہیں لیکن دوسرا تعلق اللہ کی ذات سے ہے کہ وہ ہمارے گناہوں سے بھی عظیم ہیں ایک منٹ میں گناہوں کو دھو کر تاج خلافت پہنا سکتے ہیں اس لحاظ سے ان کی رحمت سے ہرگز ہرگز کسی حال میں ناامید نہ ہونا چاہیے۔

اے عظیم از ما گناہان عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

یہ ہے معرفت۔ اصل میں ہم دنیا کے اور جسم کے معاملات پر ان کی رحمت کو قیاس کرتے ہیں اس وجہ سے ناامیدی ہوجاتی ہے جیسے دنیامیں کسی مریض کے پھیپھڑوں میں سوراخ ہوتا ہے اور ناقابل علاج ہوجاتا ہے تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ ناقابل علاج ہوگیا، اب اسے کسی علاج سے فائدہ نہ ہوگا کیوں کہ اس میں اب استعداد صحت ختم ہوچکی ہے لیکن روح کے معاملات کو کبھی اس مثال پر قیاس نہ کرنا کیوں کہ روح کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کیا ہماری استعداد سے چھوٹی ہے یا ہماری استعداد کی پابند ہے یا اللہ تعالیٰ مجبور ہیں کہ فلاں بندے نے کیوں کہ گناہ کرکے خود کو تباہ کرلیا اس لیے نعوذ باللہ اب ہم اس کو اپنا بنانے پر قادر نہیں لٰہذا سند اعمال صالحہ یعنی سند استعداد ولایت دکھاؤ تو ہم اپنا بنائیں گے۔ ارے خوب یاد رکھو کہ اللہ کی رحمت کسی سند واستعداد کی پابند نہیں، جب وہ فضل فرماتے ہیں تو ایک منٹ میں بغیر سند واستعداد کے اپنا بنالیتے ہیں، بندہ جس قابل نہیں ہوتا اس قابل بنادیتے ہیں۔ وہ قابلیت کے پابند نہیں ہیں، نجاست پر جب ان کے آفتاب کرم کی شعاعیں پڑتی ہیں تو آفتاب کی گرمی سے اس کا ایک حصہ توزمین میں جذب ہوجاتا ہے اور ایک حصہ خشک ہوجاتا ہے۔ اسی نجاست کے ذرات برسات میں کھاد ہوجاتے ہیں اور وہ حصۂ زمین سبزہ زار ہوجاتا ہے۔ اور خشک حصہ تنور میں جل کر نور بن جاتا ہے۔ بولیے نجاست میں کیا خوبی واستعداد تھی؟ ان کی رحمت نجاست کو سبزہ زار بنادیتی ہے نور بنادیتی ہے۔ سبزۂ و نور بننے سے پہلے اگر نجاست یوں کہے کہ میں تو کسی قابل نہیں کیوں کہ میرے اندر تو سبزہ زار بننے کی صلاحیت ہی نہیں تو یہ اس کی حماقت اور معرفت کی کمی ہے۔ ارے تو نے اپنی استعداد کو دیکھا اللہ کی رحمت کو نہ دیکھا جو خالق قابلیت واستعداد ہے۔ تہجد کے وقت حضرت بڑے پیر صاحب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ دوہزار میل کی دوری پر ایک ابدال کا انتقال ہورہا ہے جاؤ اس کی نماز جنازہ پڑھانی ہے اور فلاں عیسائی کو جو صلیب ڈالے ہوئے گرجا میں پوجا کررہا ہے کلمہ پڑھا کر کرسئ ابدالیت پر بٹھانا ہے۔ بولیے اس عیسائی میں کیا استعداد تھی، کفر وطغیان میں مبتلا تھا ابھی تو کوئی

عمل بھی نہ کیا تھا اور درجہ ابدال کا عطا ہو رہا ہے، اتنے شواہد ہیں کہ تاریخ بھری ہوئی ہے۔ حضرت فضیل ابن عیاض ڈاکہ ڈالتے تھے جوانی ڈاکہ زنی قتل و غارت میں گزاری اپنے آپ کو تباہ کرلیا تھا، بڑھاپے میں توبہ کی اور ہمارے سلسلے کے اتنے بڑے ولی اللہ ہوئے کہ آج سلسلہ ان سے جاری ہوا۔ بولیے کیا کسی استعداد کی وجہ سے انہیں یہ قرب عطا ہوا۔ اللہ کی رحمت پر نظر رکھو ان کی رحمت سے بڑے سے بڑے درجہ ولایت کی امید رکھو ان کا فضل کسی قاعدہ قانون کا پابند نہیں، روتے رہو اور مانگتے رہو ان کا فضل جس کو چاہتا ہے مقام عالیہ عطا کرتا ہے وہ کسی کی استعداد و قابلیت کا پابند نہیں ان کے فضل سے امید رکھو کہ کس وقت نہ جانے کیا سے کیا بنادیں۔

بعض دفعہ تباہ شدہ زندگیوں کو زیادہ قرب نصیب ہوجاتا ہے جیسے ایک ملک میں زلزلہ آیا تھا تو اس ملک کے بادشاہ نے شاہی خزانے کو عام کردیا تھا کہ جس کا مکان تباہ ہوگیا ہو وہ پہلے سے اچھا مکان بنالے، جن کی جھونپڑیاں تھیں ان کے محل بن گئے۔ تو کیا ہمارا اللہ دنیاوی بادشاہوں سے بھی نعوذ باللہ کم ہے؟ اگرچہ ہم نے گناہوں کے زلزلوں سے اپنے آپ کو تباہ کرلیا ہے لیکن ہمارا شاہ تو ایسا غنی ہے کہ ہماری عمارت قرب کو پہلے سے کہیں اچھی اور عالی شان تعمیر کرسکتا ہے، وہ پہلے سے زیادہ اور عظیم الشان قرب عطا فرمانے پر قادر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے مایوس نہ ہونا چاہیے چاہے کیسا ہی حال ہو بلکہ توبہ کرکے ولایت کے اعلیٰ ترین مقام کی امید رکھنا چاہیے۔

نظر کی حفاظت شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے

ارشاد فرمایا کہ جو اپنی آنکھوں کو ننگا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی شرمگاہ کو ننگا کردیتے ہیں اور جو اپنی آنکھ پر اللہ کے حکم کا پردہ ڈالتا ہے اس کی برکت سے اس کی شرمگاہ پر بھی پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ اس لیے ارشاد ہے:

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَ یَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ[۴۱]

---

[۴۱] النور: ۳۰

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ معلوم ہوا کہ اگر آنکھیں نیچی رکھی جائیں گی تو شرمگاہ بھی محفوظ رہے گی ورنہ بس بے حیائی کی پہلی سیڑھی بدنظری ہے، یہ وہ لفٹ ہے کہ اگر اس میں سوار ہوگئے تو بس پھر آخری منزل (بدفعلی) پر لے جاکر چھوڑے گا کیوں کہ جب آدمی لفٹ میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کا بٹن دبا دیتا ہے تو اب درمیان میں نہیں رک سکتا منزل پر ہی جاکر لفٹ رکتی ہے۔ یہ وہ لفٹ ہے کہ اس کا چلانے والا شیطان ہے، لہٰذا اس میں سوار ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں میں روشنی دی ہے تو اوپر چلمن بھی بنادی ہے اس لیے جب کوئی خوبصورت نظر آئے تو یہ چلمن (یعنی پپوٹے) ڈال دو، شعاع نظر کو آگے نہ بڑھنے دو۔ جو ایسا کرے گا ان شاء اللہ کبھی شرمگاہ کو ننگا کرکے ذلیل نہ ہوگا۔ اگرچہ اس میں مجاہدہ کرنا پڑے گا، تقاضا ہوگا، تکلیف ہوگی لیکن سب کچھ جھیلنا چاہیے۔ اس وقت یہ سوچنا چاہیے کہ جس صورت پر آج جان و مال قربان کرنا بلکہ سلطنت قربان کرنا آسان معلوم ہوتا ہے کل یہی صورت ایسی ہوجائے گی کہ اس کی طرف نظر کرنے کو جی نہ چاہے گا، ایک پیالی چائے پلانے کو دل نہ چاہے گا۔ کوئی لڑکا ہے کہ آج جی چاہ رہا ہے کہ اس پر جان و مال قربان کردو لیکن کل جب اس کے داڑھی نکل آئے گی تو اس کو دیکھ کر بھاگو گے۔ یہ شیطان و نفس نقد نفع دکھاتے ہیں اور صورت اتنی حسین نہیں ہوتی جتنی وہ دکھاتے ہیں حالاں کہ ہر چیز کو اس کے انجام کے اعتبار سے دیکھنا چاہیے۔

گر بہ آرد رو بہ تو آں رو قفا ست
زادۂ دنیا چو دنیا بے وفا ست

شیطان اگر کسی کی صورت کو اچھا دکھائے تو اسے گندا سمجھو یعنی جس چیز کو وہ اچھا دکھائے اس کو اس کا عکس یعنی برا سمجھو۔ وہ آغاز میں شہوت کو پاک محبت کرکے دکھاتا ہے کہ تمہیں اس سے صرف پاک محبت ہے کوئی نفسانی تعلق نہیں ہے۔ شہوت کو وفا دکھاتا ہے تو سمجھ لو کہ دنیازادہ دنیا کی طرح بے وفا ہے۔ حرام تعلق ایک دن نفرت میں تبدیل ہوجاتا ہے اور آپس میں ہمیشہ کے لیے عداوت ہوجاتی ہے۔

۲۸/ رجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹/ اکتوبر ۱۹۶۹ء

بحوالہ مفتی صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ تملق (خوشامد) کی بدنامی سے تکبر کی بدنامی الذ (زیادہ لذیذ) ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو نصیحتیں

(تحریکِ خلافت میں جب قتل کی دھمکیاں آرہی تھیں) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو نصیحتیں فرمائیں:

۱) حق معلوم ہونے پر اظہارِ حق میں کسی سے مغلوب نہ ہو۔

۲) کسی سے توقع مت رکھو۔

۲۳/ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ مطابق ۳/ نومبر ۱۹۶۹ء بعد عشاء

بمقام ۴۔جی ۱۲/ ۱، ناظم آباد، کراچی

دین کی دولت کا سبب دنیاوی مصائب و حوادث نہیں فضل خداوندی ہے

ارشاد فرمایا کہ کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ کیوں کہ ہم پر مصیبت آگئی اس وجہ سے ہم کو دنیا نہ مل سکی یا کیوں کہ ہماری صحت خراب ہو گئی اس وجہ سے مجبوراً ہم دین کی طرف متوجہ ہوگئے۔ یہ خیال کرنا اللہ کی نعمت کی ناشکری ہے کیوں کہ ایسا شخص اللہ کی رحمت و شانِ اجتبا کے بجائے دینداری کو اپنی مصیبت و ناکامیابی کی طرف منسوب کر رہا ہے، سبب کو مسبِّب بنا رہا ہے، اللہ کی رحمت و فضل خداوندی سے نظر ہٹا کر ایک سبب رحمت کو معبود بنا رہا ہے یہ تو گویا شرک ہے۔ اگر مصیبت میں یہ خاصیت ہوتی کہ وہ اللہ تک پہنچا دیتی تو ہر مفلس و نادار اللہ والا ہوا کرتا حالاں کہ مشاہدہ ہے کہ کتنے مصیبت زدہ بے دین ہیں۔ گھر میں فاقہ ہے پہننے کو کپڑے نہیں ہیں رہنے کو گھر نہیں ہے بیمار بھی ہیں لیکن اس کے باوجود داڑھی منڈا رہے ہیں، سینما دیکھ رہے ہیں، شرابیں پی کر نالیوں میں پڑے ہوئے ہیں، نماز روزہ سے دور کا واسطہ نہیں۔ کیوں صاحب اگر مصیبت و ناکامی یا

مرض اللہ تک پہنچاتے ہیں تو ان کی مصیبت نے انہیں کیوں اللہ والا نہ بنا دیا، مصیبت تو موجود ہے۔ بس بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ان پر متوجہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی شانِ جذب کا پرتو ان کی ارواح پر نہیں پڑ رہا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف کھینچنا نہیں چاہتے۔ پس رحمت و فضل خاصۂ خداوندی کی بھیک مانگتا رہے۔ ہاں بعض کے لیے انہیں مصائب کو اپنی طرف کھینچ لینے کا سبب بنا دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مصائب کی حیثیت صرف سبب کی تو ہو سکتی ہے یہ مسبِّب نہیں ہیں اصل چیز تو ان کا فضل و رحمت خاص و شانِ اجتبا ہے۔ جب میاں کا فضل خاص و شان جذب شامل حال ہو جاتی ہے تب ہی بندہ ان کی طرف کھنچتا ہے ورنہ عمر گزر جائے اور ان کا راستہ نہ ملے۔

گر نہ فضلت می کشیدے جان من
رہ نیابم گرچہ ویراں شد بدن

اسی طرح اگر ان کا فضل متوجہ نہ ہو تو مجاہدات و عبادات بھی ان تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتے، شیطان ایک منٹ میں سب پر پانی پھیر دیتا ہے۔ مولانا رومی نے مثنوی شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے جو بظاہر تو فحش اور بھونڈا ہے لیکن اس مثال سے جو علوم مولانا نے اخذ کیے ہیں وہ مولانا ہی کا حصہ ہے۔

دو امرد ایک سرائے میں رات کو ٹھہرے، ایک امرد تو بالکل بے ریش تھا اور دوسرے کے چہرے پر داڑھی کے دو تین بال تھے جس کے بال نہیں تھے اس نے بد معاشوں سے اپنی حفاظت کے لیے پشت پر ستر اینٹیں لگائیں اور جس کے دو تین بال تھے اس نے کوئی اینٹ نہیں لگائی۔ جس نے ستر اینٹیں لگائی تھیں لیکن چوں کہ چہرے پر بال نہ تھے رات میں بد معاش نے اینٹیں ہٹا دیں اور وہ محفوظ نہ رہ سکا اور جس کے چہرے پر دو تین بال تھے وہ بچ گیا۔

اس واقعے سے مولانا سبق دیتے ہیں کہ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کا فضل متوجہ نہ ہو اور ان کی حفاظت نہ ہو تو شیطان ہماری عبادات کی اینٹیں ہٹا کر دل میں گھس جاتا ہے۔ دل میں ریا داخل کر دی، حُبِّ جاہ داخل کر دی، عبادت پر تکبر ہو گیا کہ اب میں کچھ ہو گیا

ہوں بس سارے مجاہدات بے کار و بے حقیقت ہو گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ان مجاہدات پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا اٹھو اور عطائے شاہی سے دو تین بال مانگ لو۔ یہ بال کیا ہیں؟ رحمت و فضل خاصِ خداوندی۔ یہ بال بظاہر تو دو تین ہیں لیکن عبادات کی ستر اینٹوں سے کہیں زیادہ اہم ہیں بلکہ یہی بال یعنی ادنیٰ سی رحمت ان عبادات کی حفاظت کی ضامن ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو عبادات خطرے میں ہیں۔ کسی وقت بھی شیطان حملہ کر کے تباہ کر سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے ان کی رحمت و فضل کی بھیک مانگتے رہو۔ ساری عبادات بے کار ہو سکتی ہیں لیکن اگر فضل و رحمت کے دو بال حاصل ہیں تو ان کو کوئی بے کار نہیں کر سکتا۔ شیطان بھی اس شخص پر رغبت نہیں کرتا جس پر میاں کا فضل دیکھتا ہے۔ اگر عمر بڑے سے بڑے گناہوں میں گزری ہے تو ایسے شخص کے لیے بھی ناامیدی کا کوئی سبب نہیں۔ جس پر ان کا کرم متوجہ ہوتا ہے تو عین حالتِ گناہ میں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ اگرچہ شیطان تو ناامید کرتا ہے کہ تو نے تو اپنی عمر گناہوں میں تباہ کر لی ہے، تیرے گناہ تو معاف ہی نہیں ہو سکتے، تجھ پر فضل ہو ہی نہیں سکتا تو جاننا چاہیے کہ یہ شیطان کا زبردست کید ہے، اس طرح وہ اللہ سے مایوس کر کے راستہ مارنا چاہتا ہے۔ ہم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ معاف کرتے کرتے نہیں تھکتے۔

اے عظیم از ما گناہانِ عظیم
تو توانی عفو کردن در حریم

ان کی ذات پاک تاثر سے پاک ہے، تاثر تو بندوں میں ہوتا ہے، تاثر نشانی ہے ضعف کی اس لیے اللہ کی ذاتِ پاک تاثر سے پاک ہے ورنہ اگر تاثر ہوتا تو حضرت عمر کو ایمان نصیب نہ ہوتا ارادۂ قتل رسول کرنے والے کو ہدایت مل سکتی تھی؟ ذرا حضرت عمر کے ان مجرمانہ قدموں کو دیکھو جو نبی کے قتل لیے اٹھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی شان اجتباو فضل خاص کو دیکھو کہ ایسے مجرم کو اپنا بنا رہے ہیں۔ کیوں صاحب حضرت عمر نے کیا عمل کیا تھا؟ عمل تو یہ تھا کہ افضل الانبیاء سبب تخلیق کائنات کو شہید کرنے کا عزم کر رہے تھے۔ کیا یہ عمل ایسا تھا کہ حضرت عمر کو ایمان نصیب ہو جاتا؟ ہر گز نہیں! بس بات یہ تھی کہ فضل خداوندی ان پر متوجہ تھا۔ پھر یہی حضرت عمر ہیں جن کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے:

لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَّكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ[۴۲]

کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ ان کا درجۂ ولایت تو دیکھو کہ ان کے بعد آنے والوں میں قیامت تک کوئی ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے اللہ کی رحمت کا کچھ اندازہ کرلو کہ کس کس طرح سے بندوں کو اپنا بناتی ہے۔ پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی وجہ سے جنگ احد میں مسلمانوں کو سخت شکست کھانی پڑی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے بعد جو چیز مقدس ہے یہی خون مبارک تھا جو حضرت خالد بن ولید کی وجہ سے زمین احد پر گرا تھا، بتایئے کہ کیا اس سخت بد ترین عمل کے بعد حضرت خالد بن ولید ایمان سے مشرف ہوسکتے تھے؟ اگر صرف عمل پر ہی رحمت خداوندی موقوف ہوتی تو حضرت خالد کو کبھی ایمان نصیب نہ ہوتا، اسی طرح حضرت وحشی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل نے کیا عمل کیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ایمان سے مشرف ہوئے؟ معلوم ہوا کہ اگر فضل خداوندی ہو تو عازم قتل نبی اور قاتل عَمِّ نبی کو ہدایت مل سکتی ہے اور اللہ نے ان کو ایمان ہی سے مشرف نہیں کیا بلکہ ان کے بعد آنے والا کوئی امتی قیامت تک ان کے درجۂ ولایت کو نہیں پہنچ سکتا۔ تو سوچنا چاہیے کہ جب ایسے سخت جرم کرنے والے نعمت خداوندی سے مشرف ہوگئے اور امتی کے تو گناہ ان گناہوں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اگر فضل خداوندی ہو تو عازم قتل نبی اور قاتل عم نبی کو ہدایت مل سکتی ہے اور ان کا فضل نہ ہو تو کاتب وحی مرتد ہوسکتا ہے، اور فضل ہو تو کافر اور مجرم صحابیت وولایت کے اعلیٰ ترین مقام سے مشرف ہوسکتا ہے۔

۲۶؍ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ مطابق ۷؍ نومبر ۱۹۶۹ء

آخرت کے شاہینوں کا میدانِ پرواز

ایک انگریزی تعلیم یافتہ سے فرمایا کہ ان تین جملوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم دنیا کے نیشنل نہیں ہیں اور ہمارا ویزا نا قابل توسیع ہے اور اس ویزا کی میعاد نا معلوم ہے،

---

[۴۲] جامع الترمذی: ۲/۲۰۹، مناقب ابی حفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ایچ ایم سعید

نہ جانے کس وقت ختم ہو جائے۔ اس وجہ سے جہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کی تیاری اسی دنیا میں رہ کر کرنی پڑے گی ورنہ جس وقت موت آجائے گی تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو رشوت دے کر ویزا بڑھوا لیا جاوے۔ موت ایک ایسی یقینی چیز ہے کہ اس کا کوئی منکر نہیں ہو سکتا، اور اس کے بعد کی آنے والی زندگی پر بھی ایک مسلمان کا ایمان ہے۔ اس لیے عقلاً آپ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ موت کے بعد کی زندگی کو بنانے کی تیاری کرنا ضروری ہے لیکن ہم عملی طور پر اس زندگی کو سنوارنے کے کام نہیں کرتے، جو محنت اس آنے والی زندگی کے لیے کرنا چاہیے اس سے غفلت برتتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اہل فکر کی صحبت میں نہیں بیٹھتے، جو لوگ ہمیں اس آنے والی زندگی کی یاد دلائیں ان کا ساتھ ہم نے چھوڑ دیا اسی وجہ سے عقلاً جانتے ہوئے بھی آخرت کی تیاری نہیں کرتے۔ صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شطرنج میں عمر گزارنے والا اگر ڈاکٹر اور انجینئر کی صحبت اختیار کرتا ہے اور جب وہ ان کی زندگی کے معیار کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں فکر پیدا ہو جاتی ہے کہ مجھے بھی ایسا ہی بننا چاہیے، اب تک میں نے اپنی زندگی کہاں بے وقوفی میں ضایع کی، اس لیے وہ اس دنیوی زندگی کو بنانے والی محنت کو شروع کر دیتا ہے کیوں؟ اس وجہ سے کہ اس نے افکار دنیا کے شاہینوں کے ساتھ اڑنا شروع کر دیا۔ جب افکار دنیا کے شاہینوں کے پرِ پرواز اور ان کی رفتارِ پرواز کو دیکھ کر دوسرے میں اس میدان میں پرواز کی ہمت و شوق پیدا ہو جاتا ہے تو جو آخرت کے شاہین ہیں کیا ان کی رفتارِ پرواز کو دیکھ کر اڑنے کی ہمت پیدا نہ ہو گی؟ آخرت کے شاہین الگ ہیں۔ ان کا میدانِ پرواز الگ ہے۔ اس میدان میں انبیاء اور اولیا اڑتے ہیں ان کی اس رفتار کا کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ ان کی رفتارِ پرواز نے انہیں نہ جانے کہاں پہنچا دیا۔ افکار دنیا کے شاہین شداد، نمرود و فرعون ہیں جن کی لاشیں زمین میں گل سڑ رہی ہیں، ذلیل ہیں، ان شاہینوں کا انجام ذلت ہے، یہ تو سابق صدر اور سابق شاہ ہو جاتے ہیں کبھی کسی ولی کو بھی سابق ولی لکھا ہوا دیکھا ہے، یہ قیامت تک سلطان الاولیاء، حضرت، مولانا، شاہ، کے لقب سے پکارے جاتے رہیں گے، ان کی عزت کو کبھی زوال نہیں کیوں کہ ان کی روحیں فانی مخلوقات سے منہ پھیر کر لَآ اُحِبُّ

الْاٰفِلِیْنَ کا نعرہ لگاتی ہوئی ہمیشہ زندہ و باقی رہنے والی ذات کی طرف اڑ رہی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو ان کے پاس آکر بیٹھتا ہے ان کے ساتھ اڑنے لگتا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کو سنوارنے کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ جب دنیا کے فانی شاہینوں کے پر پرواز میں اتنا دم ہے کہ ان کے پاس رہنے والا ان کے ساتھ اڑنے لگتا ہے تو کیا آخرت کے شاہینوں کے دست و بازو ان سے کمزور ہیں؟ ارے ان کے پر پرواز کی قوت کا اندازہ اسی وقت ہوگا جب ان کی صحبت میں رہ کر دیکھوگے۔ ان کی صحبت کرگس کو شاہین بناتی ہے، مردہ خور دنیا کو حی قیوم ذات سے آشنا کراتی ہے صحبت کا اثر بڑا ہوتا ہے کوئی آزما کر دیکھ لے۔ جو اہل فکر کی مجلس میں بیٹھے گا بے فکر نہیں رہ سکتا، صحبت کا اثر ایک نہ ایک دن رنگ لا کر رہتا ہے۔ جو ان کی صحبت اختیار کرتا ہے تو ان کا پر پرواز اس کو دنیائے مردار کی قیود سے آزاد کرکے حی و قیوم ذات کی طرف اڑانے لگتا ہے۔

۲۸؍ شعبان المعظم ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۹؍ نومبر ۱۹۶۹؁ء، بروز اتوار

شیطان کا مکر ضعیف ہے

حضرتِ والا نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا[۴۳]

شیطان کا مکر بہت بودا اور ضعیف ہے۔

ارشاد فرمایا کہ اگر یہ آیت نازل نہ ہوتی تو شیطان کے خوف سے بہت سے مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جاتی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے:

اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ[۴۴]

بہت سے مسلمانوں کو خوف ہو جاتا کہ شیطان ہم سے قوی ہے اب ہم اعمال صالحہ کر ہی نہیں سکتے۔ اذان ہوتی رہتی اور بہت سے لوگ چار پائی پر سہمے ہوئے پڑے رہتے کہ شیطان ہمیں مسجد جانے ہی نہیں دیتا، لیکن اللہ کی رحمت دیکھو کہ یہ آیت نازل فرمادی

---

[۴۳] النسآء:۷۶

[۴۴] البقرۃ:۱۶۸

کہ شیطان کا مکر تو بہت بودا اور ضعیف ہے۔ کس سے ڈرتے ہو۔ یہ تو ایک لاحول ولا قوۃ پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے۔ عورتوں کے مکر کو تو ہم خود بڑا کہہ رہے ہیں:

اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ[۴۵]

عورتوں کا مکر عظیم ہے۔ لیکن ہم نے ان کے عظیم مکر کو بھی تمہارا محکوم کر دیا اور تم کو ان پر حاکم بنا دیا:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ[۴۶]

تو جب عورتوں کو تم پٹکے ہوئے ہو تو شیطان کو نہیں پٹک سکتے؟ جبکہ اس کا مکر تو عورتوں کے مکر کے مقابلے میں بہت ضعیف ہے۔

۱۰؍ رمضان المبارک ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۲۱؍ نومبر ۱۹۶۹؁ء مجلس بعد فجر
بمقام ۴ - جی ۱۲ / ۱، ناظم آباد، کراچی

حصولِ اخلاص و بقائے اخلاص

ارشاد فرمایا کہ بعض دفعہ ابتدائے عمل میں اخلاص عطا ہو جاتا ہے لیکن بعد میں کسی گناہ کی وجہ سے چھن جاتا ہے، مثلاً نماز اخلاص سے شروع کی اور دورانِ نماز کوئی آگیا تو اس کو دکھانے کے لیے لمبے لمبے رکوع اور سجدے کرنے لگا یا صدقہ و خیرات اخلاص سے شروع کیا لیکن بعد میں شیطان نے دل میں ڈالا کہ تم بہت بڑے ولی اللہ ہو جو مال اس طرح خرچ کر رہے ہو یا مال دے کر مساکین پر احسان جتانے لگا اس طرح سارا اخلاص خاک میں مل گیا۔ اہلِ ایمان کی شان اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا[۴۷]

جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے پھر اس پر قائم بھی رہے۔ معلوم ہوا کہ رَبُّنَا اللّٰہُ کہہ دینا آسان ہے لیکن ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا مشکل ہے۔ اس لیے اپنے قلب کا

---

[۴۵] یوسف:۲۸

[۴۶] النسآء:۳۴

[۴۷] حٰمٓ السجدۃ:۳۰

جائزہ لیتا رہے کہ قلب کی سوئی **ثُمَّ اسْتَقَامُوْا** سے ہٹ تو نہیں رہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے حصولِ اخلاص اور بقائے اخلاص کی بھیک مانگتا رہے۔

انبیاء علیہم السلام کی شانِ عاشقانہ

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کافر تلوار لے کر آجائے اور کہے کہ کلمۂ کفر کہو ورنہ تمہاری گردن اڑادوں گا تو اُمتی کے لیے جائز ہے کہ جان بچانے کے لیے زبان سے کہہ دے اور دل سے اقرار کرے لیکن نبی کے لیے جائز نہیں کہ تلوار دیکھ کر زبان سے بھی کلمۂ کفر کہہ دے چناں چہ حضرت زکریا علیہ السلام آرے سے چروائے گئے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ دیا گیا۔

سر کے کٹنے کا مزہ یحییٰ سے پوچھ
لطفِ تن چرنے کا زکریا سے پوچھ
سر کو رکھ دینے کا نیچے تیغ کے
لطف اس کا پوچھ اسماعیل سے

اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں کہ ہمارے عاشقین ایسے ایسے ہیں کہ جسم کے تو دو ٹکڑے کر دیے لیکن توحید یعنی اقرارِ وحدت کو نہ چھوڑا۔

قتلِ خواہشات کا عظیم الشان خوں بہا

ارشاد فرمایا کہ دل کیا ہے؟ ایک مقتل ہے، قتل گاہ ہے خواہشات کی۔ اللہ کے راستے میں آدمی دیکھتا ہے کہ میری فلاں فلاں حرام خواہش تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہی ہے، فلاں خواہش مر گئی، بد نظری کا تقاضا پیدا ہوا اس نے فوراً اس خواہش کا گلا دبا دیا یہ آسان نہیں ہے، عاشقوں سے پوچھو کہ یہ مجاہدہ کتنا مشکل ہے کہ گویا جان ختم ہو گئی۔ یہ دراصل شہید ہے اگرچہ جسم اور گردن لیے پھرتا ہے۔

کسی کے زندہ شہید ہیں ہم نہیں یہ حسرت کہ سر نہیں ہے

اندر جو خون بہہ گیا وہ سوائے خدا کے کسی نے دیکھا نہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے لیے اپنی خواہشات کا خون کرتے ہیں یہ

شہادتِ باطنی ہے اور یہ بھی ان شاء اللہ قیامت کے دن شہداء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ عَشِقَ وَکَتَمَ وَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ فَھُوَ شَھِیْدٌ[۴۸]

جس کو کسی سے عشق ہو گیا اور اس نے اس کو چھپایا اور پاک دامن رہا اور اس گھٹن میں مر گیا وہ شہید ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں؎

ما بہا و خوں بہا را یافتم

ہم نے اپنی خواہشات کو تو قتل کیا لیکن اس کے خوں بہا میں خود حق تعالیٰ مل گئے۔ موجودہ سکّہ کے لحاظ سے ایک آدمی کی جان کا بدلہ اٹھارہ ہزار ہے اگر بھولے سے مر جائے، اور عمداً قتل کیا ہے تو اس کے بدلے میں قاتل لیا جاتا ہے۔ ہم جن کے حکم کی تعمیل میں اپنی خواہش کو قتل کرتے ہیں گویا خود کو ان کے حکم کی تیغ سے قتل کرتے ہیں، اس خون کے بدلے میں خود محبوب حقیقی تعالیٰ شانہٗ مل جاتے ہیں۔ میرا شعر ہے؎

ترے حکم کی تیغ سے ہوں میں بسمل
شہادت نہیں میری ممنون خنجر

نامرادی تو ہوئی لیکن ایسی نامرادیوں پر لاکھوں مرادیں قربان ہو جائیں؎

خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ
شکر کر مٹی سوارت ہو گئی

وہ اس قتلِ خواہش کے بدلے میں خود مل جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا عظیم الشان خوں بہا ہے مٹی سوارت ہو گئی کہ مٹی کی خواہش کے بدلے میں وہ مل گئے ورنہ مٹی مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[۴۹]

جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں ہم ان پر اپنے ملنے کے راستے کھول دیتے

---

[۴۸] کنزالعمال:۳۷۲/۳(۷۰۰۰)، حرف العین، منھا العشق، مؤسسۃ الرسالۃ

[۴۹] العنکبوت:۶۹

ہیں۔ (لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا کا ترجمہ اپنے ملنے کے راستے کھول دیتے ہیں کیا پیارا اور محبت بھرا ترجمہ ہے۔ جامع)

۱۶؍ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۷؍ نومبر ۱۹۶۹ء

اپنے نفس پر حکومت کس طرح حاصل ہوتی ہے؟

ارشاد فرمایا کہ تعزیراتِ پاکستان اگر گھر گھر تقسیم کر دی جائے تو کیا ملک کا انتظام چل جائے گا انتظام تو اسی وقت چلتا ہے جب کسی ایک کو حاکم بنا کر اس کو قوت بھی دی جائے کہ طاقت کے بل پر وہ قانون کا نفاذ کرے۔ انتظام کے لیے طاقت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہمارے نفس کی جو سلطنت ہے اس کا انتظام بھی جب ہی چلتا ہے جب کسی شیخ کامل کو اس سلطنت پر حاکم بنا دیا جائے اور اپنے نفس پر تصرف کرنے کی اس کو پوری قوت دے دی جائے کہ اب یہ نفس آپ کا مملوک ہے اور آپ اس کے حاکم ہیں۔

پیر خود را حاکم مطلق شناس

جس طرح آپ چاہیں گے اس کے مطابق یہ چلے گا اور اپنی رائے پر اب ہرگز عمل نہ کرے گا۔ اس تفویض کے بعد ہی نفس کی اصلاح ہوتی ہے ورنہ جس طرح تعزیرات کی موجودگی اور علم کے باوجود بغیر حاکم کے انتظام سلطنت نہیں چل سکتا، مملکت پر قانون کا نفاذ نہیں ہو سکتا اسی طرح قرآن و حدیث کے علم کے باوجود نفس پر ان قوانین کی حکومت قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ کسی کو اس پر حاکم مقرر نہ کیا جائے اور وہ حاکم شیخ کامل ہے۔ جب شیخ کو اپنا حاکم بنا لیا تو اب اپنا کچا چٹھا اس کے سامنے کھولنا پڑے گا، اپنے حالات کی اس کو اطلاع کرنی پڑے گی اگر آنکھیں خیانت کرتی ہیں تو شیخ کو ان کی خیانت کی اطلاع کرنی ہوگی سینہ اگر بُرے خیالات پکاتا ہے تو وہ خیالات شیخ پر ظاہر کرنے ہوں گے، اسی طرح جس کے جو جو اعضا نافرمانی کر رہے ہیں ان کی نافرمانیوں سے شیخ کو مطلع کرنا پڑے گا کیوں کہ اپنے جسم و نفس کا انتظام اب تم نے اس کے سپرد کر دیا ہے۔ پھر وہ بغاوت و نافرمانی کرنے والے نفس پر سزا مقرر کرے گا اس کی تجویزات پر عمل کرنا پڑے گا۔ اس طرح شیخ قرآن و حدیث کی حکومت تمہارے

نفس پر اور جسم و جان پر قائم کرے گا۔ ایک عمر جب تم اس کے احکامات خود پر نافذ کرتے رہو گے تو اس اطاعتِ کاملہ کی برکت سے نفس تمہارے قابو میں آجائے گا اب آنکھیں تمہاری مطیع ہو جائیں گی اب غلط محل پر نہیں اٹھ سکتیں، اب قدم اللہ کی نافرمانی کے راستے پر نہیں چل سکتے، اب ہاتھ اللہ کی نافرمانی کی طرف نہیں اٹھ سکتے، اب دل پچھلے گناہوں کا تصور کر کے خوش نہیں ہو سکتا، یہ مراد نہیں کہ گناہ کے تقاضے ہی فوت ہو جائیں گے۔ نہیں! تقاضے تو اب بھی موجود ہوں گے، لیکن اب وہ مغلوب ہوں گے اب ان پر تمہاری حکومت ہو گی اور وہ محکوم ہوں گے، پہلے وہ حاکم تھے اور تم ان تقاضوں کے تابع تھے۔ نفس پر یہ حکومت کسی کی غلامی کے صدقے میں ملتی ہے، اگر اپنے نفس کو کسی اللہ والے کا غلام نہ بنایا جائے تو اصلاح ناممکن ہے۔ اگر نفس کو احکاماتِ الٰہیہ کا مطیع بنانا ہے تو کسی اللہ والے سے تعلق کے بغیر کام نہیں بن سکتا۔

۲۵؍ رمضان المبارک ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۶؍ دسمبر ۱۹۶۹؁ء

ایک دعا

ایک مرید کو دعا لکھی کہ اللہ آپ کا دل دنیا سے اچاٹ اور اپنی یاد کے لیے بے چین رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سب کے دل دنیا سے اچاٹ اور اپنی یاد کے لیے بے چین رکھے۔

اللہ کے یہاں آہ کی قدر و قیمت

ارشاد فرمایا کہ آہ کی سائنس نے کیا قدر کی؟ کہا کہ یہ کاربن ڈائی آکسائڈ یعنی گندے فضلات اور مضر ہوا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں آہ کی کیا قدر ہے کہ مضطر کی آہ سے عرشِ الٰہی ہل جاتا ہے۔ یہ آہ سیدھی اللہ تک جاتی ہے درمیان میں کوئی حائل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ[۵۰]

---

[۵۰] النمل: ۶۲

اللہ ہی ہے جو مضطر اور بے قرار کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

مظلوموں کی آہ سے ڈرو کہ جب وہ اللہ کو پکارتے ہیں تو رحمتِ حق خود ان کی آہ کے استقبال کو آتی ہے۔ ہماری آہ کی اللہ نے کیا قدر کی، وہی ہماری آہ کے خریدار ہیں۔ سائنس اس آہ کی قدر و قیمت کیا جانے وہ تو مثل خر مٹی میں سو گئی۔ اس کی پرواز مٹی اور مٹی کے متعلقات تک ہے۔

۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۶/ دسمبر ۱۹۶۹؁ء
بمقام ۴۔ جی ۱۲ / ۱، ناظم آباد، کراچی

وحی الٰہی کی جامعیت اور خود ساختہ قانون کا بودا پن

کراچی بوقت نو بجے صبح، صرف احقر راقم الحروف حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ اپنے حجرے میں ارشاد فرمایا کہ صرف وحی الٰہی نے بد نظری کو حرام کر دیا ورنہ کسی ملک کے قانون میں بد نظری حرام نہیں ہے۔ جیسے ساتھ ناچنا انگریزوں کے یہاں حرام نہیں جو بد نظری کی بدترین صورت ہے۔ زنا تو بین الاقوامی طور پر مذموم فعل سمجھا جاتا ہے اس لیے بعض یورپی ملکوں میں سرعام زنا کرنا جرم ہے لیکن بد نظری جو مقدمہ اور سبب ہے زنا کا اس کی حرمت پر انسانی ذہن کی رسائی نہیں ہو سکی، اس لیے ان کا قانون ایسا ہے کہ آگ کو تو حرام کر دیا لیکن اس کے پاس پیٹرول کو جائز کرتے ہیں جس سے آگ بھڑک جاتی ہے، اور زنا میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور وحی الٰہی بد نظری کو حرام کرتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اگر بندے نظر کی حفاظت نہ کریں گے تو زنا میں مبتلا ہو جائیں گے، اور نظر کی حفاظت سے شرمگاہ محفوظ رہے گی۔ اسی لیے قرآن پاک میں **قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ** کے فوراً بعد **وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ** ہے یعنی اگر تم نظروں کی حفاظت کرو گے تو تمہاری شرم گاہیں محفوظ رہیں گی۔ یہ فرق ہے انسان کے

خود ساختہ قانون اور اللہ تعالیٰ کے قانون میں۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ پیٹرول اور آگ جمع نہیں ہو سکتے اس لیے نگاہوں کی حفاظت کا حکم دے دیا، اور ان نافرمانوں کو اس کی عقل نہیں، ان کی عقل نارسا انسانی نفسیات کی اس باریکی تک نہیں پہنچ سکی۔

شیخ سے کیسی محبت کرنی چاہیے؟

ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے ایسی محبت کی جیسے دنیوی محبوب سے۔ شیخ کا سر دبانا، سر میں تیل ڈالنا، بدن دبانا، کپڑے دھونا، گھر کے لیے آٹا پسوا کر لانا، خدمت کرنا، محبت میں شیخ کے پاؤں سے آنکھیں ملنا۔ یہ محبت کا صحیح محل ہے نہ کہ مرنے سڑنے والی لاشوں سے محبت کرنا۔ اللہ کو تو ہم اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اس زمین پر جہاں اکثر بندے مختلف چیزوں کو تلاش کر رہے ہیں کوئی وزارت عظمیٰ کی کرسی کی تلاش میں ہے، کوئی تجارت کو تلاش کر رہا ہے، کوئی حسن فانی کی جستجو میں سرگرداں ہے لیکن بعض بندے ایسے ہیں جن کی روحیں صرف مجھے تلاش کریں گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ پیدا کیے تاکہ اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو والہانہ تعلق ہوتا ہے ان اللہ والوں کو دیکھ کر ان بندوں کو اللہ یاد آجائے اور ان کے دل کو تسکین ہو جائے اور اللہ کی محبت کا اور اللہ کے حضور میں سجدہ کا مزہ مل جائے۔

پردے اٹھے ہوئے بھی ہیں ان کی ادھر نظر بھی ہے
بڑھ کے مقدر آزما سر بھی ہے سنگ در بھی ہے

اصل میں سر اسی وقت سر ہوتا ہے جب سنگ در پر ہوتا ہے ورنہ لاکھوں سر جو سنگ در پر نہ تھے وہ سر کہلانے کے قابل ہی نہ ہوئے۔

قصہ نازکی لب کا

ارشاد فرمایا کہ ایک عاشق صاحب اپنے معشوق کے لبوں کی نزاکت پر یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

کہ اتنے میں معشوق کے ہونٹ پر تتیہ نے کاٹ لیا اور معشوق کا ہونٹ ایک انچ سے ساڑھے چار انچ کا ہو گیا۔ اب عاشق صاحب کی نظر معشوق کی طرف نہیں اٹھ رہی ہے تو اس نے کہا کہ میری طرف دیکھتے کیوں نہیں؟ تو عاشق صاحب کہتے ہیں کہ حسن کی تباہی نہیں دیکھی جاتی۔ ایسے بے حقیقت اور فانی حُسن پر کیا مرتے ہو کہ وہ حُسن بھی فانی ہے اور عشق بھی فانی ہے۔ اس ذات پاک تعالیٰ شانہٗ پر مرو جس کے حُسن کو کبھی زوال نہیں۔

۳؍ شوال المکرم ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۳؍ دسمبر ۱۹۶۹ء، بوقت بعد نمازِ فجر

بمقام ۴ ۔جی ۱۲/ ۱، ناظم آباد، کراچی

حق تعالیٰ کو کون پاتا ہے اور کون محروم رہتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ حُسن مجازی کی مثال رنگین بلب کی سی ہے جس کو نور کا ایک ذرّہ سر چشمۂ نور یعنی غیبی پاور ہاؤس سے مل گیا ہے جس سے اس میں یہ روشنی نظر آ رہی ہے، لیکن جو شخص بلب کے نور پر فریفتہ ہو جائے گا تو وہ سر چشمۂ نور تک نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ بلب کی روشنی اس کو پاور ہاؤس کی طرف التفات نہ کرنے دے گی۔ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ بلب ہی سب کچھ ہے۔ اسی طرح حُسنِ مجازی دراصل اللہ تعالیٰ کے حُسن و جمال کا ایک ادنیٰ ذرّہ ہے۔ جو شخص اس ذرّۂ حُسن پر فریفتہ ہو جائے گا وہ سر چشمۂ حُسن و جمال یعنی اللہ تعالیٰ کو نہیں پا سکتا کیوں کہ اس کی نظریں تو اس بلب پر فریفتہ ہو گئی ہیں اور اس کے حُسن تک محدود رہ کر وہ سر چشمۂ نور کی تلاش و جستجو سے محروم رہے گا۔ اسے خبر نہیں کہ یہ بلب پاور ہاؤس کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور ان بلبوں کی طرف التفات کے معنیٰ ہیں مرکز نور سے محرومی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے پر فضل فرماتے ہیں اس کے لیے اکثر ان بلبوں پر سیاہی کے شیشے لگا دیتے ہیں اور حُسن مجازی سے اس کو دور کر دیتے ہیں مثلاً کسی کو بد صورت بیوی دے دی تاکہ وہ اس بلب کی روشنی پر عاشق نہ ہو اور دنیا سے دل اچاٹ رہے اور ہماری جستجو میں سرگرداں پھرے۔ بعض دفعہ جائز اور حلال لذت بھی اللہ کے راستے میں حجاب ہو جاتی ہے، مثلاً کوئی شخص بیوی پر اتنا عاشق ہو جائے کہ اللہ سے غافل ہو جائے تو یہ حلال لذّت اس کے

لیے حجاب ہو گئی اور یہ شخص دراصل ناکام ہو گیا اور ایک وہ شخص ہے کہ بد صورت بیوی ہے اس کے ذوقِ حُسن کو تو تسکین نہیں ملتی لیکن اسی غم نے اس کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیا کیوں کہ بیوی کی طرف زیادہ ملتفت نہیں اس لیے اللہ والوں کی خدمت میں رہتا ہے اگرچہ اللہ کا حکم سمجھ کر بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے لیکن اس کا دل بیوی سے نہیں لگتا تو یہ شخص کامیاب ہے اور یہ بد صورت بیوی اس کے لیے نعمت ہے اور اگر کسی کو اللہ نے خوبصورت بیوی دی ہے یا حُسنِ مجازی سے حرام لذت اٹھانے پر وہ قادر ہے لیکن اللہ کی محبت کو بیوی کی محبت پر غالب رکھتا ہے یا حرام لذت سے مثلاً زنا سے بچتا ہے تو یہ شخص بھی کامیاب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی چاٹ اسی بندے کو عطا فرماتے ہیں جس کا دل دنیا سے اچاٹ کر دیتے ہیں، پہلے دل کو اچاٹ کرتے ہیں پھر اپنی محبت کی چاٹ عطا فرماتے ہیں۔ دل کو وہی اچاٹ کرتے ہیں ورنہ ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ خوب دنیا میں لگیں، دنیا سے خوب دل لگائیں لیکن جس بندے پر فضل فرماتے ہیں اس کو اسباب گناہ سے دور کر دیتے ہیں، یہ گناہ کرنا چاہتا ہے لیکن حق تعالیٰ اس کو دور کر دیتے ہیں، یہ جس شاخ پر نشیمن بنانا چاہتا ہے وہ شاخ کاٹ ڈالتے ہیں۔

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لیے
وہ ہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل دنیا سے اچاٹ کر دیتے ہیں اور اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ تو ہر ناخوشگوار واقعے سے اگرچہ دل کو تکلیف ہوتی ہے لیکن یہی تکلیف معرفت الٰہیہ کا سبب ہو جاتی ہے۔ بس دنیا سے دل اچاٹ رہنا اتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی موتی اس کی قیمت نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی محبت کی چاٹ ایسے ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جن کے دل دنیا سے سرد ہیں، یہ انبیاء اور اولیاء کا دستر خوان ہے۔ دنیا اور آخرت ایک دستر خوان پر جمع نہیں ہو سکتے۔ اس دستر خوان پر چمار اور بھنگی یعنی دنیا دار کب آسکتے ہیں۔ اللہ کی محبت کی یہ چاٹ تو معززین مکرمین یعنی انبیاء اور اولیاء کے لیے ہے، یہ چاٹ ہر ایک کو نہیں دی جاتی، اس کے لیے خاص دل مخصوص ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دل دنیا سے اچاٹ نہیں ہوا اور اپنی محبت کی چاٹ عطا فرما دیں کیوں کہ ان کی غیرت حُسن یہ کب گوارا کر سکتی

ہے کہ تمہاری آنکھیں غیروں پر بھی گڑی رہیں اور وہ تمہیں اپنے آپ کو بھی دکھا دیں۔ پہلے آنکھیں ساری کائنات سے بند کرنا پڑیں گی تب وہ اپنا حُسن دکھائیں گے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کہ اگر ہمیں دیکھنا چاہتے ہو تو دنیا بھر سے آنکھیں بند کرلو۔ اگر تم دنیا کے حسینوں کو دیکھو گے تو ہم تمہیں نہ ملیں گے۔ یہ دنیا تو دارالامتحان ہے وہ آزماتے ہیں کہ کون ان رنگین فانی بلبوں سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے اور کون ان فانی رنگینیوں سے آنکھیں بند کرکے سرچشمۂ نور کی طرف آتا ہے، دنیا کے یہ حسین چہرے ہم نے تمہارے امتحان کے لیے ہی تو بنائے ہیں تاکہ تمہیں آزمائیں کہ تم ان سے فریب کھاجاتے ہو یا خالق حُسن سے اپنا رابطہ قائم کرتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جن بندوں کی روحیں حق تعالیٰ کے حُسن و جمال سے آشنا ہوچکی ہیں وہ اس فانی حُسن سے بے نیاز ہوگئی ہیں۔ دنیا کا حُسن ان کی نگاہوں میں ہیچ ہے کیوں کہ جس نے ایک ہزار پاور کے بلب کی روشنی دیکھ لی، کیا وہ ۴۰؍واٹ کے بلب کی روشنی کی طرف متوجہ ہوگا؟ اس لیے ان رنگین بلبوں سے آنکھیں بند کرلو، کچھ دن محنت کرنا پڑے گی پھر دل میں اللہ کے قرب اور ان کی محبت کی مٹھاس کی ایسی لذّت محسوس ہوگی کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھی، نہ کانوں نے سنی، نہ ہی کسی کے وہم و خیال میں گزری، دنیا ہی میں جنّت کا لطف اور مزہ ملنے لگے گا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ[۵۱]

نہیں جانتا ہے کوئی نفس جو چھپاکے رکھی ہوئی ہے آنکھوں کی ٹھنڈک (اولیاء اللہ کے لیے۔)

یہ ایسی لذّت ہے کہ وہی دل جانتا ہے جس کو عطا کی جاتی ہے، اس لذت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ ایک ولی بھی نہیں جان سکتا کہ دوسرے ولی کے قلب کو کس نوع کی لذّت حاصل ہے اور قرب کی کیا مٹھاس مل رہی ہے۔ ہر ولی کے قلب کو ایک منفرد لذت عطا کی جاتی ہے۔ اولیاء اللہ کی ظاہری حالت پر تو دنیا دار افسوس کرتے ہیں کہ ہائے یہ شخص تباہ ہوگیا، نہ کار ہے نہ بنگلہ، کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے ہیں اور وہ ان دنیا داروں پر ترس کھاتا ہے کہ ہائے یہ کیسے محروم ہیں،

---

[۵۱] السجدۃ:۱۷

بادشاہوں کو وہ دولت نصیب نہیں جو مجھے حاصل ہے اور یہ نہ جانے کیا سمجھتے ہیں۔ اسی لیے وہ کہتا ہے: اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ سورۂ یٰسین شریف میں ہے کہ ”کہا اس نے کہ کان کھول کر سن لو کہ میں اپنے رب پر ایمان لایا ہوں۔ “، ”خوب سن لو“ میں کیا مزہ ہے یہ کیسی لذت کو ظاہر کر رہا ہے:

قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ
وَجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ[۵۲]

جب اس کو جنّت میں داخل کیا تو اس نے کہا کہ کاش! میری قوم دیکھتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں بنایا۔ اسی طرح وہ شخص کہتا ہے کہ کاش! دنیا دار دیکھتے کہ میرے اللہ نے اپنے قرب کی کیسی حلاوت مجھے عطا فرمائی ہے اور کن کن نعمتوں سے نوازا ہے اس کو دنیاداروں کی حالت اور غفلت پر رحم آتا ہے۔

۳؍ شوال المکرم ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۳؍ دسمبر ۱۹۶۹ء

قبل از ظہر بارہ بجے کے قریب

گناہوں کو چھوڑنے کا ایک دلکش طریقہ

ارشاد فرمایا کہ جب تک گناہوں کی عادت نہ چھوٹے اس وقت تک ہر گناہ کے بعد فوراً استغفار کرنا چاہیے۔ اگر کبھی اتفاق سے کپڑوں پر کوئی گندگی لگ جاتی ہے تو کیا اس وقت اس کپڑے کو فوراً دھوتے نہیں ہو کیا وہ گندا کپڑا پہنے ہوئے پھرتے رہتے ہو۔ اس وقت کوئی یہ نہیں چاہتا کہ اس گندگی کی حالت میں کوئی مجھے دیکھے بلکہ فوراً پہلے صفائی کرتے ہو۔ یہی حالت گناہ کے بعد بھی ہونی چاہیے کہ روح گندی ہوگئی اب جب تک صفائی نہ کرلو کسی کے سامنے نہ جاؤ جب تک اللہ سے معاملہ صاف نہ کرلو اور گناہ کی دھلائی ہوتی ہے وضو سے، نماز سے، ندامت اور گریہ وزاری سے، اللہ والوں کی صحبت سے۔ آنکھوں میں دو تھیلیاں آنسوؤں کی اللہ نے رکھ دی ہیں بس یہ ہماری تھیلیاں

---

[۵۲] یٰس: ۲۶_۲۷

گناہوں کو بہا دیتی ہیں، گناہ ہو جائے بس آنسوؤں کا دریا بہا دو۔ اگر شیطان یہ وسوسہ دل میں ڈالے کہ بے وقوف ابھی تو رو رہا ہے اور ابھی پھر یہی گناہ کرے گا ایسی توبہ سے کیا فائدہ تو اس سے کہہ دو کہ کم بخت! کوئی اور دروازہ بھی نہیں ہے کوئی جائے پناہ ان کے علاوہ نہیں ہے کوئی اور اللہ نہیں ہے، نیکوں کا بھی وہی اللہ ہے اور گناہ گاروں کا بھی وہی اللہ ہے اور ہم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہیں لیکن ہمارا اللہ معاف کرتے کرتے نہیں تھک سکتا۔ اس لیے گناہ ہو جائے تو خوب استغفار کیجیے۔ اس کثرت استغفار سے ان شاء اللہ ایک دن گناہوں کی عادت چھوٹ جائے گی کیوں کہ شیطان دیکھے گا کہ یہ گناہ کر کے اتنا روتا ہے کہ پہلے سے زیادہ مقرب ہو جاتا ہے اس لیے پھر وہ گناہ کرانا چھوڑ دے گا اس لیے استغفار میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے ورنہ گناہوں کے دھبوں سے قلب و روح میلے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کم گندا کپڑا تو آسانی سے دھل جاتا ہے اور زیادہ گندا کپڑا پھر صاف نہیں ہوتا پھر تیزاب ڈالنا پڑتا ہے۔ اگر استغفار نہ کی اور روح میلی ہوتی چلی گئی تو پھر دوزخ کی آگ کے تیزاب سے تزکیہ کیا جائے گا تو کون ہے جو تیزاب سے تزکیہ کرانا چاہتا ہے، عقل مندی تو یہی ہے کہ خود دھو ڈالے، رو دھو کر معاملہ صاف کر لے اور اپنے مصلح سے مشورہ بھی ضروری ہے۔

۶؍ شوال المکرم ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۱۷؍ دسمبر ۱۹۶۹؁ء بعد عشاء

احقر راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضرت میرے خاندان کے لوگ مجھے بہت حقیر سمجھتے ہیں کہ ملّا بن کر یہ برباد ہو گیا۔ نہ اس کے پاس کار ہے نہ مکان ہے نہ ذریعۂ معاش ہے۔ ان کی نگاہوں میں میری تحقیر معلوم ہوتی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ اگر مخلوق نے تمہیں اپنی نگاہوں سے گرا دیا تو بھی مخلوق کو اپنی نگاہوں سے گرا دو۔ اس گرانے کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ مخلوق کو حقیر سمجھنے لگو، اگر کہیں دوسروں کو حقیر سمجھ لیا تو یہ خود جرم عظیم ہے بلکہ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ دل میں مخلوق کی کوئی وقعت نہ ہو، لوگوں کو خوش کرنے کی، لوگوں کی نگاہ میں معزز ہونے کی فکر نہ رہے دل میں یہ خواہش نہ رہے کہ کون سا ایسا کام کر لوں کہ جس سے لوگوں کی نظروں میں میری عزت ہو جائے، دل کو مخلوق سے خالی کر لو۔ اگر لوگ تمہیں دقیانوسی ملّا یا پسماندہ

سمجھتے ہیں تو تمہارا کام یہ ہے کہ ان کی نظروں سے بے نیاز ہو جاؤ اور جہاں مخلوق کی رضا اور خالق کی رضا میں ٹکراؤ ہو رہا ہو وہاں مخلوق کو بالکل نظر انداز کر دو اور خالق کی نظر سے نظر ملائے رہو کہ میاں کس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر ساری مخلوق تم پر طعن کرے تو بھی اپنے مولیٰ کو ناراض کرنے کی ہمت نہ ہو تب سمجھو کہ مخلوق نگاہ سے گر گئی۔ مخلوق نے اگر کسی کو نگاہوں سے گرا دیا ہے تو اسے شکر کرنا چاہیے کہ اسے بڑی نعمت عطا فرمائی گئی ہے جو مجاہدۂ اختیاریہ سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی کیوں کہ بعض دفعہ مخلوق سے تعلق اللہ کے راستے کا بہت بڑا بُت ہو جاتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کا لوگ بہت اکرام کرنے لگیں اور دعائیں کرانے لگیں اور بزرگ سمجھنے لگیں تو یہ باتیں خصوصاً مبتدی کے لیے ہلاکت کا سبب ہو جاتی ہیں کیوں کہ ایسے لوگوں سے قلب کو علاقہ و تعلق زیادہ ہو جاتا ہے پھر اس کا دل سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ نفس و شیطان کان میں پھونک دیتے ہیں کہ تم مقدس ہو گئے جب ہی تو لوگ تمہاری عزت کر رہے ہیں۔

بس جہاں اپنے تقدس کا گمان ہوا سمجھ لو کہ راستہ مارا گیا اور بندہ کے قلب اور اللہ کے درمیان بہت بڑا حجاب پڑ گیا۔ برعکس اس کے جس بندے کو مخلوق ذلیل سمجھ رہی ہو اس کا دل ٹوٹا ہوا رہتا ہے اور اس کی نظر اپنے مولیٰ کی طرف لگی رہتی ہے کہ میاں آپ اپنا بنا لیجیے مخلوق تو مجھے ذلیل سمجھتی ہے آپ مجھے ذلیل نہ سمجھیے۔ اے اللہ! اگر ساری مخلوق مجھے حقیر و ذلیل سمجھ رہی ہے اور آپ مجھے عزیز رکھتے ہیں تو مجھے کوئی غم نہیں اور اے اللہ! اگر ساری مخلوق مجھے معزز سمجھے لیکن آپ کی نگاہوں میں، میں ذلیل ہوں تو اے اللہ! ایسی عزت سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ جس بندے پر وہ فضل فرماتے ہیں اس کو مخلوق سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ اور عادتاً اس کی تکمیل یوں ہی ہوتی ہے کہ اس کو مخلوق کی نگاہوں میں گرا دیتے ہیں پہلے مخلوق اس کو چھوڑتی ہے پھر یہ مخلوق کو چھوڑتا ہے یعنی پھر مخلوق کو دل سے نکالنا اس پر آسان ہو جاتا ہے تو جس شخص کو مخلوق حقیر سمجھ رہی ہو (دین کی وجہ سے) اور اس کو اپنی نگاہوں سے گرا رہی ہو تو اسے شکر کرنا چاہیے کے بغیر اختیار کے اس کو بڑی نعمت عطا فرمائی گئی ہے جو مجاہدہ اختیاریہ سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی کیوں کہ اگر کوئی اپنے اختیار سے ایسا کام کرتا جس سے

مخلوق کو ایذا پہنچے اور اس کی وجہ سے لوگ اسے حقیر سمجھنے لگیں تو یہ فعل مذموم ہوتا اور بجائے قرب کے اور دوری ہو جاتی لیکن غیر اختیاری طور پر اگر میاں کسی کے لیے یہ انتظام فرمادیں تو اسے خوش ہونا چاہیے کہ بھلے دن آرہے ہیں اور اللہ کا فضل اس کی طرف متوجہ ہے، دل کو میاں اپنے لیے خالی کر رہے ہیں اس کے لیے دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ! مخلوق نے جس طرح مجھے اپنی نگاہوں سے گرادیا ہے آپ مخلوق کو میری نگاہوں سے گرادیجیے اور میرے دل سے اس کی وقعت نکال دیجیے اور اس سے میرے دل کو خالی کردیجیے کہ بغیر اس حجاب کے میرا قلب آپ کو دیکھے۔ اے اللہ! آپ کے سارے بندے مجھ سے اچھے ہیں اور میں سب سے برا ہوں لیکن آپ کیوں کہ ان سے بھی اچھے ہیں اس لیے دل سے مخلوق کا انخلا کر رہا ہوں۔ دل کو مخلوق سے اللہ کے لیے خالی کرے کسی کو حقیر سمجھ کر نہیں۔ اللہ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ بندہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھے اور سب بندوں کو اپنے سے بہتر سمجھے۔ بندہ جتنا اپنی نگاہوں میں گرتا جاتا ہے اللہ کی نگاہوں میں چڑھتا جاتا ہے اور جتنا اپنی نگاہوں میں چڑھتا جاتا ہے اللہ کی نگاہوں میں گرتا جاتا ہے۔ یہ نزول عروج کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ یہ بات اہل عقل کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اہلِ سائنس اور دنیا کے تمام عقلاء کے نزدیک اجتماعِ ضدین محال ہے ان کے نزدیک عروج کے ساتھ نزول اور نزول کے ساتھ عروج جمع نہیں ہوسکتا لیکن اللہ کی قدرتِ غالبہ کاملہ محال کو ممکن کردیتی ہے جیسے آنکھ کی کالی پتلی میں خزانۂ نور رکھ دیا حالاں کہ سیاہی میں سفیدی کا وجود اور تاریکی میں نور کا وجود اہل عقل کے نزدیک ناممکن ہے۔ اسی طرح اس مثال مادی سے غیر مادی مثال بھی واضح ہوگئی کہ عروج و نزول بھی یکجا ہوسکتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ [۵۳]

جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو بلند کردیتا ہے، ایک ہم ہیں کہ چار نفل پڑھ لیے ذکر کرلیا اور رونا آگیا تو سمجھے کہ ولی ہوگئے اور ایک حضرت ذوالنّون مصری

---

[۵۳] کنز العمال: ۵۰/۳ (۵۴۳۷)، مؤسسة الرسالة / مشکوٰة المصابیح: ۴۳۴، باب الغضب والکبر، المکتبة القدیمیة

رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مصر کے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت دعا کر دیجیے کہ بارش ہو جائے پانی کی سخت قلت ہے فرمایا کہ ذوالنون کو مصر سے نکال دو کہ اس کی شامت اعمال سے اللہ کی مخلوق پریشان ہے اور یہ صرف زبان سے ہی نہیں کہا بلکہ خود مصر سے نکل گئے اور باہر جا کر دعا کی کہ اے اللہ! ذوالنون نے مصر کو خالی کر دیا اب آپ ابر کرم کو حکم دے دیجیے کہ پانی برسا دے میری شامتِ اعمال کا اثر مخلوق پر نہ پڑے۔ اپنے نفس پر اس قدر بدگمانی رکھتے تھے اور صرف گمان ہی نہیں یقین تھا کہ میں ایسا ہی برا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حضرات اللہ کے پیارے تھے اگر ان کے اخلاص و فنائیت و عبدیت اور ان کے نور خشیت کا ایک ذرّہ ہمیں مل جائے تو ہماری ناپاک جانیں پاک ہو جائیں۔ اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری نگاہوں میں حقیر کر دیں۔ نفس اور شیطان کے کید سے محفوظ فرمادیں کہ شیطان مختلف طریقوں سے راستہ مارتا ہے اور اگر اللہ کا خاص فضل شامل حال نہ ہو تو آدمی اس کی چالوں سے بچ نہیں سکتا۔ کبھی کہتا ہے تم نے بڑے مجاہدے کیے ہیں تم تو بہت مقرب ہو گئے، کبھی کہتا ہے کہ تم نے اپنے شیخ کی بہت خدمت کی ہے اور فلاں نے تو بہت کم کی ہے تم درجے میں اس سے زیادہ ہو، کبھی کوئی دعا قبول ہو گئی یا کسی نے تمہارے امر بالمعروف کو قبول کر لیا تو کہتا ہے کہ اب تم مقبول بندے ہو گئے کہ دعا قبول ہونے لگی اور تمہاری باتوں میں اثر پیدا ہو گیا کہ لوگ تمہاری بات سے متاثر ہونے لگے۔ غرض طرح طرح سے راستہ مارنے کی کوشش کرتا ہے ہم لوگ اپنے ضعیف ایمانوں کی بدولت اس کے سامنے ایک بچے کی طرح ہیں اور وہ ایک خرانٹ ٹھگ ہے جس کے سامنے بچہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور جس طرح چاہتا ہے اسے ٹھگ لیتا ہے۔ بس اگر اللہ کا خاص فضل شامل نہ ہو تو ہمیں لمحہ بھر میں گمراہ کر دے اسی لیے ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ شیطان سے میری پناہ مانگو

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بغیر میری پناہ کے تم اپنے دست و بازو کی بدولت اس کے مکر و کید سے نہیں بچ سکتے اس لیے جب کوئی میلان دل میں پیدا ہو فوراً دعا مانگنی چاہیے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ[۵۴]

پھر فرمایا کہ مخلوق کو نگاہ سے گرانے میں اور حقیر سمجھنے میں بہت باریک فرق ہے، اس میں خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔ نگاہ سے گرانا تو یہ ہے کہ دل میں مخلوق کی کوئی وقعت نہ ہو قلب کو کسی سے علاقہ نہ رہے مخلوق کے تعلق پر اللہ کا تعلق غالب ہو جائے، مخلوق کی نظروں میں معزز بننے کی یا خالق کی رضا کے مقابلے میں مخلوق کی رضا کی فکر نہ ہو کہ لوگ ہمیں کیا کہیں گے، مخلوق سے نظر بالکل اٹھ جائے اور خالق سے مل جائے یہ تو مخلوق کا نگاہوں سے گر جانا ہے لیکن یہ کہنا کہ میں لوگوں سے اچھا ہوں یا اب مقدس ہوں کہ مخلوق میرے قلب میں رہنے کے قابل نہیں یا میرا قلب مخلوق کے قید و بند سے آزاد ہو چکا ہے یا میں تکمیل ولایت و قربِ خداوندی کے لیے مخلوق جیسی حقیر چیز کا قلب سے انخلا کرتا ہوں۔ غرض دوسروں کے مقابلے میں اپنی ذرّہ برابر برتری کا احساس یہ جرم ہے۔ پہلی حالت محمود ہے دوسری حالت مذموم۔

مطلب یہ ہے کہ قلب میں صرف اللہ رہے اور غیر نہ رہے، قلب کو غیر سے کوئی علاقہ نہ رہے اور یہ اس شخص کے لیے آسان ہو جاتا ہے جس کو مخلوق خود چھوڑ دیتی ہے اور اسے حقیر سمجھتی ہے ورنہ دوسری صورت میں قلب کو تمام علائق سے خالی کرنا اور اللہ سے تعلق کا جوڑنا بہت مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ لوگوں کے حُسنِ سلوک سے قلب کو ان کے ساتھ تعلق زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی یہ تعلق اللہ کے ساتھ محبت و تعلق میں حائل ہو جاتا ہے۔ بر عکس وہ شخص کہ جس کا قلب تمام علائق سے خالی ہوتا ہے اس کا تعلق مع اللہ بہت قوی ہو جاتا ہے اس کی نظر مولیٰ کے علاوہ کسی پر نہیں ہوتی۔

اس کے بعد حضرتِ والا کی برکت سے حضرتِ والا کے اس مضمون کو احقر نے مندرجہ ذیل اشعار میں قلم بند کر لیا جس کو حضرت نے بہت پسند فرمایا (میرؔ)

نگاہ خلق سے گرنے کا غم ہو کیا مجھ کو
نظر سے خلق کو خود ہی گرا دیا میں نے

---

[۵۴] جامع الترمذی: ۲/۱۹۲، باب جامع الدعوات عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایچ ایم سعید

بسا ہے اب تو نگاہوں میں بس جمال ترا
حجاب غیر کو دل سے اٹھا دیا میں نے
مجھے بھی اپنا بنالیجے بہ فیضِ کرم
کہ اب تو آپ کو اپنا بنالیا میں نے
نظر میں ہیچ ہے اب جوش و مستی صہبا
وہ جام غم میرے دل کو پلادیا تو نے

۸؍ شوال ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۱۹؍ دسمبر ۱۹۶۹؁ء

حسنِ مجازی کی مثال چاند کے عکس سے

ارشاد فرمایا کہ حسنِ مجازی در اصل خزانۂ حسنِ نور حقیقی کی ایک شعاع عکس ہے۔ جو عکس کے پیچھے بھاگے گا وہ اصل سے دور ہوتا جائے گا۔ جیسے چاند کا عکس ندی کے پانی میں پڑتا ہے تو جو شخص عکس پر عاشق ہوجائے گا اور پانی میں چاند کو ڈھونڈے گا تو چاند سے اور دور ہو جائے گا اور کچھ ہاتھ بھی نہ آئے گا سوائے مٹی اور کیچڑ کے، کیوں کہ چاند تو بلندی پر ہے اور عکس پستی میں۔ اگر چاند کو حاصل کرنا ہے تو عکس سے رخ موڑ کر سمت مخالف کی طرف رجوع کرنا پڑے گا نظر کو بلند کرنا پڑے گا ورنہ عکس کی طرف متوجہ رہا تو چاند سے بھی محروم رہا اور آخر میں ندامت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ یہی حال حسنِ مجازی کے عاشقین کا ہے کہ آج جن کمان ابرو اور تیرِ مژگاں پر فریفتہ ہو رہے ہیں اور شاعر جن پر غزلیات تیار کر رہے ہیں کل زوالِ حُسن کے بعد ان کی تیرِ مژگاں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔ آنکھیں اب بھی وہی ہیں ابرو اور مژگاں بھی وہی ہیں پس اگر وہ حسن کسی کا ذاتی تھا تو اب کہاں چلا گیا! بات یہ تھی کہ یہ عکس پر فریفتہ ہو رہے تھے، مرکز حُسن حقیقی کی ایک شعاع مٹی پر پڑ رہی تھی جس نے مٹی کو حسین بنا دیا تھا تا کہ بندوں کو آزمائیں کہ کون مٹی پر عاشق ہوتا ہے اور کون وحی الٰہی کی اطاعت کرتا ہے۔ مرکز سے وہ شعاعِ حُسن ہٹالی گئی حُسنِ مجازی کا زوال ہوگیا۔ اب معرِّف (تعریف کرنے

والا) اور معرَّف (تعریف کیا گیا) دونوں نادم ہیں، دنیا میں بھی کچھ نہ ملا اور اللہ کا غضب اپنے اوپر حلال کرلیا۔ پس یہ فانی حُسن التفات کے قابل ہی نہیں۔ اپنی روح کا رابطہ خالقِ حسن سے قائم کرلو۔ محبت کے قابل صرف ان کی ذات ہے جس کو کبھی زوال نہیں۔ اگر عکس کی طرف دوڑوگے تو اصل سے دوری ہوتی جائے گی اگر حُسن مجازی کی طرف مائل ہو گے تو سرچشمۂ حُسن وجمال یعنی حق تعالیٰ کی ذات پاک سے دوری ہوتی جائے گی، اس لیے حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ بدنظری کو اس لیے حرام فرمادیا کہ یہ پیش خیمہ ہے عشق کا۔ آنکھوں سے دیکھو گے تو مجاز کی طرف میلان کا ہونا لازمی ہے، اگر اس کے قریب ہوگے خواہ نظر سے یا دل سے یا جوارح سے تو متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اس وقت یہ مراقبہ کافی نہیں کہ یہ تو فانی شے ہے ایک دن مٹی ہوجائے گا، اس وقت کوئی مراقبہ کام نہ آئے گا۔ آگ کے پاس جاؤ گے گرمی پہنچ کررہے گی، پیٹرول آگ کے پاس جائے گا تو آگ جلا کر خاک کردے گی۔ یہاں صرف مراقبہ کافی نہیں، ترک تعلق ضروری ہے لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اس شجر گندم منہی عنہ کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تمہاری بشریت حُسنِ گندم سے مغلوب ہوجائے گی۔ ہر شے کے اندر ایک خاصیت ہے وہ خاصیت اپنا اثر دکھاتی ہے جیسے آفتاب عین عروج پر ہو اس وقت کوئی شخص یہ مراقبہ کرے کہ شام کے وقت یہ غروب ہو جائے گا اور اس کی تمازت باقی نہ رہے گی لیکن آفتاب کے سامنے کھڑا رہے تو کیا ہوگا؟ اس مراقبہ کے باوجود تمازتِ آفتاب اس کو پہنچ کر رہے گی، پسینہ چھوٹ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ مراقبہ کافی نہیں ترک تعلق ضروری ہے۔ اس وجہ سے وحی الٰہی نے معصیت کے اسباب ومقدمات کو بھی حرام قرار دے دیا۔ اسباب معصیت کے قرب سے بھی ہمیں روک دیا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاں پیٹرول کا ذخیرہ ہو وہاں آگ کی چنگاری بھی رہے؟ اگر چنگاری آئے گی تو آگ لگ جائے گی۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے آنکھوں کو نیچی رکھنے کا حکم دے دیا تاکہ کوئی مجازی حُسن کے قریب ہی نہ جائے۔ انگارہ ہاتھ میں لے کر کوئی یہ مراقبہ کرتا رہے کہ یہ فانی ہے کوئلہ ہوجائے گا تو کیا اس مراقبہ سے آگ کی خاصیت بدل جائے گی اور ہاتھ نہ جلے گا؟ یہی وجہ ہے کہ قرب اسباب معصیت سے منع فرمادیا گیا۔ ہاں جب انگارہ بجھ جائے اس وقت اس کو دیکھ کر یہ

مراقبہ کرسکتے ہو، جب حُسن بوڑھا ہو کر زوال ہو جائے تو اب دیکھ سکتے ہو کیوں کہ انگارے میں اب جلانے کی خاصیت ہی نہ رہی اس لیے اس کا دیکھنا اب ناجائز نہیں۔

۱۰؍ شوال المکرم ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۲۰؍ دسمبر ۱۹۶۹؁ء مجلس بعد عشاء

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اِلہامی علوم

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی کے علوم مولانا کی بزرگی وولایت کی دلیل ہیں۔ جس کنویں سے پانی ابل رہا ہو اس کو دیکھ کر یہی کہیں گے کہ اس کا سوتہ بہت بڑا ہے اور اس کا تعلق سمندر سے ہو چکا ہے۔ عجیب عجیب مثالوں سے اپنا مدعا ظاہر فرماتے ہیں کہ بات دل میں چبھ جاتی ہے۔ ایک جگہ دنیا کی مثال مگرمچھ سے دی ہے۔ مگرمچھ پانی سے سر نکال کر اپنا منہ کھول لیتا ہے سارا جسم پانی میں ہوتا ہے کھلا ہوا منہ باہر کرلیتا ہے۔ اس کے بڑے بڑے دانتوں میں غذا کے ریشے اٹک جانے کی وجہ سے کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ کیڑوں کو دیکھ کر چڑیاں اس کے منہ میں آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ سمجھتی ہیں کہ زمین کے کسی حصے سے کیڑے نکل رہے ہیں۔ جب بہت سی چڑیاں جمع ہو جاتی ہیں تو یک لخت منہ بند کرلیتا ہے اور سب چڑیوں کو نگل جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا بھی مگرمچھ کی طرح ہے۔ اس کے اوپر بسنے والے اپنے اپنے مزوں میں مگن ہیں کوئی ٹیلی وژن میں، کوئی شراب کباب میں کوئی روپیہ پیسہ کمانے میں کہ اچانک ایک دن یہ منہ بند کرلیتی ہے اور قبر میں ہمیشہ کے لیے نگل جاتی ہے۔ دنیا والے سمجھ رہے ہیں کہ ہمیں خوراک مل رہی ہے یہ خبر نہیں کہ خود خوراک بن چکے ہیں بس کچھ عرصہ کی دیر ہے۔

پھر فرمایا کہ دنیا مشقت کا گھر ہے یہاں کمانے کی بھی حاجت ہے، پیشاب اور پاخانہ کی بھی حاجت ہے، کلفت و غم سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، اور جنّت عیش کا گھر ہے وہاں کوئی مشقت نہ ہوگی، اور وہاں کی نعمتوں کی آب و تاب ہر لحظہ ایک سی رہے گی، کسی چیز میں زوال نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جنّت میں نیند بھی نہیں آئے گی کیوں کہ نیند سے تو آدمی اتنی دیر کے لیے لطف سے محروم ہو جاتا ہے اور جنّت کی کسی نعمت میں انحطاط نہ ہوگا ہر لحظہ عیش قائم رہے گا، جنّت میں ہر وقت آدمی عیش و عشرت میں

مشغول رہے گا اور تھکن بھی نہیں ہو گی، اس لیے وہاں نیند کی خواہش ہی نہ ہو گی۔ دنیا میں تو مجاہدہ و مشقت کی وجہ سے انسان نیند کا محتاج ہے اور اس وجہ سے بھی یہاں نیند رکھی ہے تاکہ یاد رہے کہ یہ مشقت کا گھر ہے اور یہاں کی ہر چیز کو زوال ہے اور یہ کہ یہ نیند موت کا ایک نمونہ ہے اور یہ کہ عیش والے کو کچھ دیر کے لیے عیش سے محروم کر دیا جائے اور غمگین کو غم سے سکون مل جائے۔ نیند میں شاہ و گدا، آزاد و اسیر سب ایک کر دیے جاتے ہیں اور روزانہ موت کا نمونہ دکھادیا جاتا ہے۔

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

نیند قیدیوں کو قید خانے سے بے خبر کر دیتی ہے اور بادشاہوں کو اپنی سلطنت سے بے خبر کر دیتی ہے۔ یہ ہیں مولانا کے الہامی علوم جو ان کی بزرگی اور ولایتِ کبریٰ کی دلیل ہیں۔

۱۵/ شوال المکرم ۱۳۸۹ سنہ ھ مطابق ۲۵/ دسمبر ۱۹۶۹ سنہ ء، بوقت اشراق

بمقام مسجد اشرف المدارس، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی

ایک حسین شعر اور اُس کی شرح

آج اشراق کی نماز پڑھ کر حضرتِ والا نے برجستہ یہ شعر فرمایا جو اسی وقت وارد ہوا تھا۔

گو ہوں گلِ افسردہ و متروکِ عنادل
لیکن ہیں عیاں مجھ سے ہی اسرار چمن کے

اور پھر اس کی یہ عجیب و غریب شرح بیان فرمائی کہ دنیا کی بہاروں سے دل کا افسردہ ہونا اور اہلِ بہارِ دنیا کا ایسے شخص کو متروک کر دینا کیا ہے؟

وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ[۵۵]

ترجمہ: نہیں دی جاتی یہ نعمت لیکن بڑے صاحبِ نصیب لوگوں کو۔ اس لیے یہ افسرد گی

---

[۵۵] حٰمٓ السجدة: ۳۵

نعمتِ عظمیٰ ہے کہ اس شخص سے ناپائیداریٔ چمن کے اسرار عیاں ہو رہے ہیں اور اس کی یہ افسردگی چمن کے گلہائے شگفتہ کو دعوتِ افسردگی دے رہی ہے کہ اے گلو! آج اس چمن میں افسردہ ہو جاؤ تا کہ اس کے بدلے میں تمہیں ایسی شگفتگی عطا ہو گی جس پر ایسے لاکھوں چمن قربان کیے جاسکتے ہیں یعنی مجاہدات سے اپنے جسم کو یعنی حرام تقاضائے نفس کو ویران کرلو تو دنیا ہی میں ایسی بالطف زندگی اور پھر ایسی حیات ابدی نصیب ہو گی جس پر ایک دنیا کیا، لاکھوں کروڑوں دنیائیں اور دنیا کی بہاریں قربان کی جاسکتی ہیں۔ گلِ افسردہ گلِ شگفتہ کے لیے باعث عبرت ہے کیوں کہ آج جن گلوں کو اپنی شگفتگی پر ناز ہے وہ بھی ایک دن افسردہ ہو جائیں گے اور اس وقت بعد از خرابیٔ بسیار ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ اگر ہم عین شبابِ شگفتگی میں افسردہ ہو جاتے تو خالقِ بہار حق تعالیٰ شانہٗ دائمی شگفتگی عطا فرماتے جس پر کبھی فنا نہ آتی، اور اب ان کی شگفتگی ابدی افسردگی میں تبدیل ہوگئی اس لیے جو گل کہ آج بظاہر افسردہ ہے لیکن اس کی افسردگی میں لاکھوں چمن پوشیدہ ہیں، وہ صاحب اسرار ہے، جانِ چمن ہے، اس کی افسردگی چمنِ دنیا کے اسرار عیاں کررہی ہے کہ دنیا کا یہ چمن ایک دن ایسے ہی افسردہ ہو جائے گا۔

میں نے لیا ہے داغِ دل کھو کے بہارِ زندگی
اک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

ارشاد فرمایا کہ اس آیت کو لکھ لو:

اِنَّہٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّہٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی [۵۶]

ترجمہ: جو شخص آئے گا اپنے رب کے پاس مجرم اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جیے گا۔

یعنی جو شخص حالت معصیت میں اپنے رب کے پاس آئے گا وہ جہنم میں زندگی اور موت کے درمیان شدید تکلیف میں مبتلا رہے گا۔ اَللّٰھُمَّ احۡفَظۡنَا مِنۡہُ۔

---

[۵۶] طٰہٰ:۷۴

تکلیف اور بیماری میں شکایت کا سبب خود کو بے قصور سمجھنا ہے

ایک انگریزی کالج کے طالب علم جو کسی بیماری میں مبتلا تھے آئے اور کہا کہ یہ بیماری بھی تو اللہ نے دی ہے حالاں کہ میں کسی کو تکلیف بھی نہیں دیتا کسی کا نقصان نہیں کرتا سب کا بھلا چاہتا ہوں لیکن پھر بھی مبتلا ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ اپنے آپ کو بے قصور سمجھتے ہیں حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ خَطَّاءٌ ۵۷؎

تمام بنی آدم خطاکار ہیں، تم سب خطاکار ہو۔ اس ایک جملہ مبارک میں پوری اُمّت مخاطب ہے مع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یعنی اس میں وہ بندے بھی شامل ہیں جو کسی مقام ولایت پر بھی فائز ہو چکے ہیں اور صحابہ سے بڑا ولی کون ہو گا وہ بھی مخاطب ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز کے استغفار فرماتے اے اللہ! معاف فرما دیجیے۔ عبادت کی ہے نعوذ باللہ! کوئی گناہ نہیں کیا، اور نبی تو گناہ کر بھی نہیں سکتا معصوم ہوتا ہے فرشتے اس کی عصمت کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے بعد معافی مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! آپ معاف فرما دیجیے کیوں کہ آپ کی عظمت کے پیش نظر آپ کی عبادت کا حق ادا نہ ہوا۔ اور ایک ہمارا حال ہے کہ ہزاروں نافرمانیوں میں مبتلا ہیں لیکن سمجھتے ہیں کہ ہم بے قصور ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت فرض کر لیجیے کہ حشر ہو رہا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ دنیا میں رہ کر ہماری محبت کا حق ادا کیا تھا؟ تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں کیا تھا؟

دین سے دوری کا سبب ماحول نہیں، قلّتِ طلب ہے

پھر اس نے کہا کہ ہمارا ماحول ہی ایسا ہے کہ ہمیں دین کی حقیقت کا ہی پتا نہیں کہ دین کیا ہے۔

۵۷؎ جامع الترمذی: ۲/۷۶، باب الاستغفار والتوبۃ، ایچ ایم سعید

ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ کے سامنے یہ عذر چل سکتا ہے کہ صاحب ہمیں خبر ہی نہ تھی؟ کیا اتنی خبر آپ کو نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں؟ پھر اگر دل میں تڑپ ہو اور آخرت پر یقین ہو اور اللہ کی عظمت دل میں ہو تو آدمی خود تلاش کرتا پھرے۔ جس چیز کو ہم اپنے لیے نفع بخش خیال کرتے ہیں اس کے لیے کیسی کیسی محنتیں کرتے ہیں۔ آپ جو یہ کتابیں لیے پھرتے ہیں تو کیوں؟ اسی لیے تو کہ آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے ایم اے کرلیا تو زندگی سنور جائے گی۔ اس لیے دن رات محنت کرتے ہیں، دماغ کھپاتے ہیں اور جو اس مضمونِ صنعت کا ماہر ہے اس کی خدمت میں لگتے ہیں اور اس سے سیکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ کی طلب ہے تو کچھ محنت کرنی پڑے گی، کچھ وقت نکالنا پڑے گا اور دین کو بھی کسی دین والے سے سیکھنا پڑے گا۔ میاں! وجہ یہ ہے کہ دنیا کی فکر ہے آخرت کی فکر نہیں۔ اگر یہ فکر پیدا ہوجائے تو خود عقل آجائے گی کہ آخرت کیسے بنتی ہے، خود تدبیریں سوچو گے جیسے دنیا کی عقل آگئی ہے۔ سمندر کسی نے نہ دیکھا ہو لیکن سن لیا ہے کہ سمندر ہے تو طالب خود تلاش کرتا ہے، اپنے قدم اٹھا کر بس تک لے گیا ٹکٹ خریدے گا بس کا نمبر معلوم کرے گا۔ تو سمندر کے لیے خود اتنی محنت کی، دین کے لیے چاہتے ہیں کہ کچھ محنت نہ کرنی پڑے۔ حالاں کہ دنیا کا حاصل کرنا مشکل ہے، دین کا حصول آسان ہے، نماز میں ایک سجدہ کرنے میں کیا محنت کرنی پڑتی ہے؟ ساری زمین مسجد بنادی گئی کہ جہاں چاہو سجدہ کرو اور سلطنت کا لطف حاصل کرو، یہ سلطنت عام کردی گئی، لیکن ہم پھر بھی دین کو ہوّا سمجھتے ہیں اور دنیا کے لیے ماہرین فنون کے پاس بھاگے پھرتے ہیں روزانہ یا ہفتہ یا مہینہ میں، کسی دن اللہ کو حاصل کرنے کے لیے کسی اللہ والے کے پاس جانے کی توفیق نہیں ہوتی۔

حزن و غم بھی رحمت و شفقت ہے

پھر فرمایا کہ بیماری اس لیے نہیں دی جاتی کہ تم پلنگ پر پڑ جاؤ یا پریشان ہو جاؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا[۵۸]

---

[۵۸] البقرۃ:۲۸۶

کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے بلکہ بیماری و پریشانی اس لیے دیتے ہیں کہ غفلت سے باز آجاؤ، دل کا زنگ دور ہو اور مجبور ہو کر ہمارے پاس آجاؤ۔ حزن و غم بوجہ شفقت و محبت کے ہیں۔ ہمارے ہی فائدہ کے لیے ہیں، انتقام یا ایذا کے لیے نہیں ہوتے۔ اور دنیا کے مصائب سے اگر بچنا چاہتے ہو تو اس کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس آجاؤ۔ ایک یہودی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر چاروں طرف سے تیر آرہے ہوں تو ان سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ وحی آئی کہ اس سے کہہ دو کہ تیر چلانے والے کے پاس آکر کھڑا ہو جائے۔

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہنشاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں ہے

آخر خود سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا فائدہ ہے، اللہ تعالیٰ تو احتیاج سے پاک ہیں۔ اگر ساری دنیا کافر ہو جائے تو ان کی سلطنت میں ذرّہ برابر کمی نہیں آسکتی، اور ساری دنیا مومن ہو جائے تو ذرّہ برابر ان کی سلطنت میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ کفر و نافرمانی میں ہمارا اپنا نقصان ہے اطاعت و فرماں برداری میں ہمارا اپنا نفع ہے۔ کسی حکیم یا ڈاکٹر کے لیے آپ کہہ سکتے ہیں کہ صاحب انہوں نے پیسے بنانے کے لیے مجھے ایسی دوا دی کہ مجھے فائدہ نہ ہوا، مرض کو طول دے دیا۔ یہ بات بندوں کے لیے تو ٹھیک ہو سکتی ہے کہ بندوں کو احتیاج ہے، غرض ہے، اپنے فائدہ کے لیے وہ ایسا کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہم سے نہ کوئی غرض ہے نہ احتیاج ہے کہ صاحب اپنی فلاں غرض اور احتیاج کے لیے ہمیں یہ مصیبت دی۔ حالاں کہ معلوم ہو چکا کہ ان کی ذات پاک اور ان کی سلطنت ہماری اطاعت و نافرمانی سے بے نیاز ہے۔ بس یہ بیماری وغیرہ ہمارے ہی نفع کے لیے، ہماری غفلت کو دور کرنے کے لیے بھیجی جاتی ہے کہ بندہ ہماری طرف رجوع کرے اور اپنی زندگی کے مقصد کو پہچانے ورنہ اگر کھانا پینا اور ہگنے موتنے ہی کو مقصد بنا لیا تو پھر انسان میں اور کُتّے اور جانور میں کیا فرق رہا؟ آدمی اگر اپنی زندگی کا مقصد نہیں پہچانتا تو کتے اور جانور اور تمام موجودات بلکہ ان سے بھی ذلیل اور بدتر ہو جاتا ہے کیوں کہ آپ

اگر پاؤ بھر کھاتے ہیں تو بھینس ۲۰/ سیر کھاتی ہے، آپ اگر آدھ سیر ہگتے ہیں تو ہاتھی دس سیر ہگتا ہے، آدمی اگر تین منٹ صحبت کرتا ہے تو کتا گھنٹوں صحبت کرتا ہے۔ اسی طرح سوٹ بوٹ پہن کر اور پیڈ لگا کر اگر کندھوں کو اونچا کر کے چلتے ہو تو پہاڑ تم سے زیادہ بلند ہے، اگر اپنی جلد کی چمک اور سفیدی کو باعثِ فوقیت سمجھتے ہو تو شمس و قمر تم سے زیادہ روشن ہیں۔ غرض اس معیار پر تو انسان تمام موجودات سے ذلیل ہے۔ بظاہر سب موجودات سے تو انسان چھوٹا ہے لیکن جس چیز نے اسے ممتاز کیا وہ ہے دین، احکامِ شریعت۔ جس کو جب اللہ تعالیٰ نے کوہ و دریا، زمین و آسمان پر پیش کیا تو بوجہ عاجزی ڈر کر اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس بار کو اٹھا لیا۔ پس اگر انسان اس امانت کی قدر نہیں کرتا تو جانور اور کُتّے سے زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس کے اندر عقل و فہم ہے اور جانور اس سے خالی ہے۔ اور دین تو نعمت ہے۔ فرماتے ہیں:

وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ[59]

میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ ہم نعمت کو زحمت سمجھتے ہیں۔ اگر شریعت بدنگاہی سے منع کرتی ہے تو یہ نعمت ہے، کیوں کہ بدنگاہی سے عشق پیدا ہو گا پھر معشوق کی گلی میں جائے گا اور پھر جوتے پڑ جاتے ہیں تو بدنگاہی سے اگر اللہ نے منع کیا تو ہمیں جوتے کھانے سے بچایا، تو یہ نعمت ہے یا زحمت؟ اسی طرح اگر چوری سے منع کیا تو تمہارا ہاتھ کٹنے سے اور مخلوق میں رسوا ہونے سے بچایا۔ چور کی کیا کوئی عزت کرتا ہے؟ پھر خود سوچو کہ یہ نعمت ہے یا زحمت؟ اسی طرح زنا سے منع کیا تو اولاد کے نطفوں کی حفاظت کی کہ اولاد تمہاری رہے اور خون کی محبت قائم رہے اور بڑھاپے میں اولاد کام آئے ورنہ جہاں زنا عام ہو گیا وہاں دیکھ لو کیا حال ہے برطانیہ میں بوڑھے ماں باپ کے لیے یتیم خانے بنا دیے گئے آبادی سے دور۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ زنا اتنا عام ہو گیا کہ آپس کی محبت محسوس نہیں ہوتی۔

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ... الخ کی تفسیر

پھر ان صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کافروں کے قلوب

---

[59] المآئدۃ:۳

پر مہر لگادی اب وہ ہدایت نہیں پاسکتے تو ان کافروں کا کیا قصور ہے کیوں کہ ان پر تو مہر لگ چکی۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ترجمہ کسی اللہ والے عالم سے سمجھ کر نہیں پڑھتے وہ اسی لیے گمراہ ہوجاتے ہیں کہ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہیں خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ پڑھ کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ ظالم ہیں۔ جہاں یہ فرمایا کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ[٦٠] اس کے کئی سپاروں کے بعد اس آیت کی تشریح فرمادی کہ ہم نے کیوں مہر لگائی؟ فرماتے ہیں بَلۡ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیۡہَا بِکُفۡرِہِمۡ[٦١] کہ ہم نے مہر لگادی ان کے قلوب پر ان کے کفر کی وجہ سے۔ انہوں نے دین کی نعمت کو زحمت سمجھا اور نافرمانی و سرکشی اختیار کی اور من مانی زندگی گزاری اور طے کرلیا کہ ہمیں ایمان لانا ہی نہیں ہے یہاں تک کہ اس طغیانی و سرکشی کی وجہ سے ان کی صلاحیتِ ہدایت ختم ہوگئی اور ان کے قلوب پر مہر لگادی گئی کہ جاؤ اب ہدایت نہیں پاسکتے، کیوں کہ خود تم نے طے کیا کہ ہم اسی طرح سرکشی و نافرمانی کرتے رہیں گے اس وجہ سے محروم کردیے گئے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کا لڑکا حد سے زیادہ نافرمان ہو باپ چاہتا ہے کہ وہ فرماں بردار ہوجائے لیکن جب اس کی نافرمانیاں حد سے گزر گئیں تو باپ کہتا ہے کہ تجھے جائیداد کی وراثت سے محروم کرتا ہوں۔ تو کیا باپ نے اس پر ظلم کیا؟ بس اگر باپ ظلم نہیں کرسکتا تو کیا اللہ تعالیٰ ظلم کرسکتے ہیں؟ وہ تو ظلم سے پاک ہیں۔ اور ان کی سابقہ نافرمانیوں کی وجہ سے ان کے قلوب کو محروم کردیا گیا۔ یہی تفسیر ہے اس آیت کی۔

۱۸/ شوال المکرم ۱۳۸۹؁ھ مطابق ۲۸/ دسمبر ۱۹۶۹؁ء

ولایت کے اعلیٰ ترین مقام سے روکنے کا شیطانی حربہ

احقر راقم الحروف پر حالتِ قبض طاری تھی اور مایوسی کی کیفیت تھی کہ میرے اعمال تو بڑے خراب ہیں میں اللہ سے قرب اور ولایتِ خاصّہ کیسے مانگوں؟ فرمایا کہ اللہ سے ولایت کا اعلیٰ ترین مقام صدیقیت مانگو کہ اے اللہ! حضرت صدیق اکبر کی

---

[٦٠] البقرۃ:۷

[٦١] النسآء:۱۵۵

صدیقیت سے ایک ذرّہ مجھے بھی عطا فرما دیجیے۔ اپنی صلاحیت پر نظر نہ کرو اللہ کے فضل ورحمت پر نظر رکھو کہ وہ فضل فرماتے ہیں تو خود صلاحیت پیدا فرما دیتے ہیں، وہ صلاحیت کے محتاج نہیں۔ شیطان ایسے وقت میں جب یہ دیکھتا ہے کہ اس مانگنے کی بدولت کہیں یہ کسی اعلیٰ مقام ولایت پر فائز نہ ہو جائے تو وہ دعا کے وقت عمل کو سامنے کر دیتا ہے کہ تیرے اعمال تو ایسے ایسے ہیں تو نے گناہوں سے اپنے قلب کی صلاحیت ہی تباہ کر دی اب تو کسی مقام ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا، تو سمجھ لو کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے وہ جب دیکھتا ہے کہ اس بندے کو حق تعالیٰ اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اس کی ولایت کو میں روک نہیں سکتا تو چاہتا ہے کہ ولایت مل جائے لیکن گھٹیا درجہ کی ملے اعلیٰ درجہ کی ولایت سے یہ محروم رہے جیسے کسی کو نوکری مل رہی ہو تو حاسد چاہتا ہے کہ چلو اگر نوکری مل ہی رہی ہے ۵۰۰؍ روپے کی ملے ۱۰۰۰؍ روپے ماہانہ کی نہ ملے، اس کی تدبیر کرتا ہے۔ ایسے ہی شیطان اعلیٰ درجہ کی ولایت سے محروم کرنے کے لیے یہ تدبیر کرتا ہے کہ بوقت دعا اس کے اعمال سامنے کر دیتا ہے کہ تو نے ایسے بُرے کام کیے ہیں کس منہ سے اتنی اعلیٰ بات مانگ رہا ہے تیرا دل تو تباہ ہو چکا ہے اب اس مقام صدیقیت کے قابل ہی نہیں رہا اس لیے ایسی دعا مانگنے سے کیا فائدہ۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ تو سمجھنا چاہیے کہ یہ مثال دنیا کی ہے۔ دنیا کے معاملات میں ہمارا منہ چھوٹا اور بات بڑی ہو سکتی ہے لیکن اللہ کے لیے بڑی سے بڑی بات بھی چھوٹی سے چھوٹی ہے اور یہ خیال کہ گناہوں سے ہماری صلاحیت ختم ہو گئی اور دل تباہ ہو چکا ہے یہ وسوسہ بھی غلط ہے کیوں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ہمارے تباہ شدہ دل کی تشکیل و تعمیر پر قادر نہیں ہیں۔ بے شک گناہوں سے دل بالکل تباہ ہو گیا ہے لیکن حق تعالیٰ اس کی از سر نو تشکیل پر قادر ہیں کہ وہ اس کو اپنے اعلیٰ ترین قرب کے قابل بنانے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جباریت ہے جس کے معنیٰ ہیں ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا۔ ہم لوگ ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑتے ہیں تو گرہ رہ جاتی ہے وہ ایسا جوڑتے ہیں کہ گرہ بھی نہیں رہتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبھی شکستہ ہی نہ تھا اس لیے گناہوں سے ختم شدہ صلاحیت اور تباہ شدہ دل کو وہ ایسا جوڑ سکتے ہیں کہ جیسے یہ کبھی تباہ ہی نہ ہوا تھا اور کبھی گناہ ہی نہ کیا تھا۔ اگر نجاست یہ کہنے لگے کہ میرے

اندر تو کوئی صلاحیت ہی نہیں میں کیا مانگوں تو یہ اس کی حماقت ہے، حق تعالیٰ کا آفتاب کرم اپنی شعاعوں کو اس نجاست سے نہیں ہٹاتا اس کی شعاعیں نجاست سے پلید نہیں ہوتیں، وہ نجاست سے اعراض نہیں کرتا۔ کہ میری شعاعیں پاک چیزوں پر پڑیں ناپاک پر نہ پڑیں۔ آفتاب کی شعاعیں اسی نجاست کو سبزہ اور نور بنادیتی ہیں (اپلا تنور میں نور ہو جاتا ہے اور کھاد سے سبزہ اگ جاتا ہے) اب کوئی اس سبزہ و گلزار کو یہ کہہ سکتا ہے کہ تو پہلے پاخانہ تھا یا اس نجاست میں کوئی صلاحیت تھی۔ بس حق تعالیٰ سے مایوسی کی کوئی صورت نہیں ہے، ان کا کرم عام ہے۔ بس مانگتا رہے کہ اے آفتاب کرم! اپنی کرم کی ایک شعاع اس عبدِ عاصی پر بھی ڈال دیجیے، اے بحر کرم اپنے کرم کا ایک قطرہ اس گناہ گار کو بھی عطا فرمادیجیے اے خالق بہار کائنات ہمارے خزاں رسیدہ دل یعنی گناہوں سے خزاں رسیدہ دل کو اپنی نسیمِ بہارِ قرب سے زندہ فرمادیجیے اور اپنی صفت جباریت کا ایک پرتو میرے قلب کی تباہ شدہ صلاحیت پر بھی ڈال دیجیے اے اللہ! اس دل کو اپنی محبت کے قابل بنادیجیے یعنی تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاک فرمادیجیے، وہی دل اللہ کے پیار کے قابل ہوتا ہے جس میں کوئی خلق رذیلہ نہیں رہتا۔ تو ہم ایک ایک خلق کا نام کہاں تک لیں اس ایک جملہ میں تمام اخلاق رذیلہ سے نجات کی دعا ہوگئی۔ اور یوں بھی مانگے کہ اے اللہ! آپ نے فرمایا ہے کہ اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ[۶۲] کہ آپ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ اے اللہ! آپ کی اس آیت پاک کا صدقہ کہ مجھے اس مَنۡ میں شامل فرمالیجیے۔ آپ کا یہ من تو دونوں عالم اور جو کچھ ان میں ہے سب کے لیے کافی ہے اے اللہ! اپنے کرم سے مجھے بھی اپنی طرف جذب فرمالیجیے اور جس کو آپ جذب فرماتے ہیں وہ کبھی مردود نہیں ہو سکتا، اور آپ کے دست و بازو جس کو اپنی طرف کھینچیں گے پھر شیطان و نفس اور ساری دنیا بھی اس کو اپنی طرف کھینچنا چاہے تو آپ کے دست و بازو کے مقابلے میں کوئی اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔

مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ مجذوب مردود نہیں ہوتا، شیطان صرف سالکِ

---

[۶۲] الشوریٰ: ۱۳

محض تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف جذب نہ فرمایا تھا اس وجہ سے مردود ہو گیا۔ اس لیے سلوک کے ساتھ جذب ہونا ضروری ہے۔

بعد تقریر کے احقر سے فرمایا کہ حوصلہ پیدا ہوا مایوسی دور ہوئی؟ فرمایا کہ اس تقریر کے بعد جس کو حق تعالیٰ اپنا بنانا چاہیں گے تو اسے اپنے قرب کا اعلیٰ ترین مقام مانگنے کی توفیق عطا فرمادیں گے اور جس کو یہ توفیق نہیں ہو گی تو میں سمجھوں گا کہ اس کو میاں اپنا بنانا نہیں چاہتے اور مقام صدیقیت نہیں دینا چاہتے۔ شیطان اعمال دکھا کر دعا مانگنے سے روکتا ہے اور مایوس کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کی طرف سے تخت و تاج تقسیم ہو رہا ہو کہ جس کا جی چاہے لے لے تو کوئی چمار اس وقت شاہ کی خدمت میں اپنی چماریت پیش کردے کہ کیوں کہ میں چمار ہوں اس وجہ سے تخت و تاج نہیں لے سکتا، میں تخت و تاج کے قابل نہیں ہوں تو شاہ یہی کہے گا کہ اچھا جا چمار ہی بنا رہ، ہم نے تو ہر خاص و عام کے لیے اعلان کردیا تھا کہ جس کا جی چاہے لوٹ لے ہماری نعمت عام ہو رہی ہے تو ایسے وقت اپنی صلاحیت پر نظر کرنا نعمت کی ناقدری ہے اور بادشاہ کی قدرت کاملہ پر خفیف ہونے کا گمان لازم آتا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں کہ بُروں کو بھی اپنا بنا لے۔ پس حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کسی کی صلاحیت کی محتاج نہیں ہے مانگنے والا چاہیے۔ انہوں نے اپنی نعمت کو ہر خاص و عام کے لیے عام کردیا ؎

بہ لطف آں کہ وقفِ عام کردی
جہاں را دعوت اسلام کردی

اس تقریر کے بعد نعمت کے عام ہونے کا یقین آجانا چاہیے ورنہ محروم رہو گے، اور فوراً دعا مانگنی شروع کردینی چاہیے، کیوں کہ جب نعمت تقسیم ہو رہی ہو اس وقت اس کے حصول میں سستی کرنا نعمت کی بے قدری ہے بلکہ نعمت کی جھلک دیکھتے ہی دوڑ کرلے لینا چاہیے جس سے حق تعالیٰ خوش ہوں کہ بندہ ہماری نعمتوں کا حریص ہے جیسے بھوکے کو کوئی ٹکڑا دکھاوے تو کیسا دوڑ کر جائے گا! اللہ کی نعمتوں کو سن کر بندے کا یہی حال ہونا چاہیے ورنہ لازم آئے گا کہ وہ نعمت کا حریص نہیں ہے۔ اس لیے خوب گڑگڑا کر یہ دعا مانگا کرو کہ

اے اللہ! حضرت صدیق اکبر کی صدیقیت سے ایک ذرّہ ہمیں بھی عطا فرما دیجیے۔ معلوم ہے وہ ذرّہ کیا ہوگا؟ اس کی وسعت کی تھاہ نہیں وہ ایسا ذرّہ ہے۔ اس دعا کا معمول بنالینا چاہیے۔

قوتوں میں ضعف کے بعد بھی عبادت کا پورا اجر ملتا ہے

ایک بوڑھے صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ضعف کے باعث اب نہ زیادہ تلاوت ہوتی ہے نہ ذکر جیسے پہلے کرتا تھا اب نہیں ہوتا، افسوس ہوتا ہے کہ اب مجھے کیا ثواب اور قرب ملے گا۔

ارشاد فرمایا کہ بڑھاپے میں قوتوں کے زوال پر بھی مزدور کو وہی مزدوری ملتی ہے اگرچہ پہلے ایک من وزن اٹھاتا تھا اور اب دس سیر اٹھاتا ہے اس عطا میں کمی نہیں آتی، کیوں کہ دینے والا نہیں بدلتا۔ ہماری قوتوں میں تغیر آتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات متغیر نہیں ہوتی۔ اس لیے قوتوں میں ضعف کے بعد اگر پہلے سا ذکر و تلاوت نہیں ہوتی تو بھی پورا اجر ضرور ملے گا۔

غیر اللہ سے دل کی حفاظت کا ایک وظیفہ

ہندوستان سے ایک رئیس مہمان آئے ہوئے تھے تو حضرتِ والا نے احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ میرے شیخ فرماتے تھے کہ جب کوئی امیر مہمان ہو تو یا مغنی پڑھتے رہو تاکہ دل ان کی امیری و مال کی طرف مائل نہ ہو۔

بیت اللہ کا مزہ اور خصوصی انوار و برکات کس کو حاصل ہوتے ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ جس کا دل بیت اللہ ہوتا ہے یعنی جس کے دل میں اللہ ہوتا ہے اس کو ہی بیت اللہ میں مزہ آتا ہے، اس کو بیت اللہ میں انوار و برکات نظر آتے ہیں ایسا شخص آفاق عالم میں کہیں بھی ہو تو ہر وقت باخدا رہتا ہے۔ دل کے بیت اللہ ہونے سے مراد ہے جو دل ہر وقت باخدا رہتا ہے اور جس کا دل بیت اللہ نہیں اس کو بیت اللہ میں بھی کچھ نظر نہیں آتا، اس کو خصوصی انوار و برکات حاصل نہیں ہوتے۔ میں نے ایسے شخص بھی دیکھے ہیں کہ حرم کے اندر سگریٹ پی رہے ہیں۔ طواف نہیں کیا جاتا مکہ میں ایسے پھر

رہے ہیں جیسے سیاحت پر آئے ہوئے ہیں، خرید و فروخت میں لگے ہوئے ہیں، ملتزم پر ہیں لیکن رونا نہیں آرہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دل کی آنکھیں نہیں بنائیں۔ اس لیے حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ صاحبِ نسبت ہو کر حج کو جائے تو حج کا مزہ ہے۔

قرب کا مدار اعمال اختیاریہ پر ہے اعمال غیر اختیاریہ پر نہیں

رونے سے مراد ہے کہ رونے والوں کا سامنہ بھی نہیں بنا رہے تھے، کیوں کہ رونا تو ایک فعل غیر اختیاری ہے لیکن رونے والوں کی شکل بنالینا اختیاری ہے اور قرب اعمالِ اختیاریہ پر موقوف ہے اَلتَّبَاكِیْ كَالْبَاكِیْ بہ تکلف رونے والا بھی رونے والا ہی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جس کو رونا نہ آئے وہ قرب سے محروم ہے اس کو دین کی سمجھ نہیں بلکہ وہ شخص محرف دین ہے کیوں کہ ایسا شخص اعمال غیر اختیاریہ کو قرب کا موقوف علیہ بتا رہا ہے حالاں کہ جس کو رونا نہیں آتا اس کا دل روتا ہے کہ ہائے مجھے رونا نہیں آرہا، یہ افسوس ہی دل کا رونا ہے۔ اس کو حاجی صاحب فرماتے ہیں ؎

روتی ہے خلق میری خرابی کو دیکھ کر
روتا ہوں میں کہ ہائے مری چشم تر نہیں

ایک شخص خوب رو رہا ہے لیکن دل میں عُجب و کبر پیدا ہو گیا کہ آج میرا درجہ فلاں شخص سے بڑھ گیا ہو گا کیوں کہ میں خوب رو رہا ہوں اور دوسرے شخص کو رونا نہیں آیا، اور اس شخص کا دل رو رہا ہے کہ ہائے مجھے رونا بھی نہیں آتا، فلاں شخص مجھ سے اچھا ہے کہ کیسا رو رہا ہے۔ یہاں نہ رونے والا قرب اعلیٰ پر فائز ہے اور رونے والا قربِ اسفل پر ہے۔ لہٰذا اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ قرب اعمال اختیاریہ پر موقوف ہے اعمالِ غیر اختیاریہ کو اس میں دخل نہیں۔

شیطان کی ایک بہت بڑی چال سے نجات

ارشاد فرمایا کہ شیطان بڑا چال باز ہے، یہ طرح طرح سے راستہ مارتا ہے۔

گناہ کرنے سے پہلے گناہ کو چھوٹا دکھاتا ہے تاکہ آدمی گناہ کر لے اور گناہ کے بعد گناہ کو

بڑا دکھا کر اللہ تعالیٰ سے مایوس کرتا ہے کہ آدمی گناہ کر کے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں رو نہ سکے، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ رونے سے اس کو پہلے سے زیادہ قُرب نصیب ہو جائے گا۔ اس لیے اگر کبھی گناہ ہو جائے تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں فوراً اللہ تعالیٰ سے رجوع کر لو اور سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے تر کر دو۔ اگر آدمی بار بار جسم میں نجاست لگا لے اور سمندر کے قریب اس لیے نہ جائے کہ شرم آتی ہے کہ سمندر بھی کیا کہے گا کہ یہ بار بار نجاست لگا آتا ہے۔ کیا اس کے بار بار نجاست لگا کر آنے سے سمندر پر اس نجاست کا کوئی اثر پڑے گا؟ سمندر تو یہی کہے گا آتو سہی، ہماری ایک موج تیری ساری نجاستوں کو دھونے کے لیے کافی ہے اور ہمارے اوپر تیری نجاستوں کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ سمندر مخلوق ہے۔ مخلوق میں اللہ نے یہ صفت رکھ دی تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کو کیوں محدود سمجھتے ہو۔ اس لیے کیسا ہی گناہ ہو جائے کبھی حق تعالیٰ سے مایوس نہ ہونا چاہیے، بس توبہ و استغفار کر لو پاک ہو جاؤ گے۔ ہاں جو لوگ سمندر سے دور ہیں وہ خطرے میں ہیں کہ ان کی نجاست کبھی دور نہ ہو گی۔

احقر کے ایک شعر پر حضرتِ والا کی کیف انگیز تشریح

احقر راقم الحروف کے اس شعر کو سن کر حضرتِ والا پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔

اب رگِ جاں دے رہی ہے دعوتِ دار و رسن
آرہی ہے جان میں خوشبوئے جانانہ مجھے

بہت دیر تک بڑی رِقّت اور درد کے ساتھ اس شعر کو گنگناتے رہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت محمد حسین الہ آبادی کی جان نکل گئی تھی ایک شعر پر۔ بڑا خطرناک شعر کہا ہے آپ نے۔ فرمایا کہ شاید آپ کو بھی شعر کہتے وقت اس کا احساس نہ ہوا ہو کہ دار پر رگِ جان ہی دبائی جاتی ہے۔ رگِ جاں کا دار و رسن کو دعوت دینا کیا معنیٰ خیز ہے اور لطف انگیز ہے۔ مراد ہے کہ جان اللہ کے راستے کی ہر مشکل اٹھانے کو تیار ہے۔

۱۲؍ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹؍ اپریل ۱۹۷۰ء

بمقام ۴۔جی ۱۲/ ۱، ناظم آباد، کراچی

غارِ حرا کا حاصل

ارشاد فرمایا کہ غارِ حرا کا حاصل کیا تھا؟ خلوت مع الحق اور انقطاع عن الخلق۔ تعلق مع اللہ کے حصول کے لیے خالی انقطاع عن الخلق بھی کافی نہیں اس انقطاع کے ساتھ خلوت مع الحق بھی ضروری ہے۔ ورنہ اگر خلق سے تو انقطاع ہے لیکن دل غیر اللہ میں مصروف ہے یا تنہائی میں نامحرم کے ساتھ بیٹھا ہے تو یہ خلوت مع الحرام ہے، تو اس انقطاع عن الخلق کے باوجود تعلق مع اللہ نصیب ہونا ناممکن ہے کیوں کہ خلوت مع الحق میسر نہیں۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ہم کو نامحرموں کے ساتھ تنہا بیٹھنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

ایک مسنون دعا کی تلقین

ارشاد فرمایا کہ یہ دعا مانگیے اَللّٰھُمَّ لَا تَنْزِعْ عَنِّیْ صَالِحًا مَّا اَعْطَیْتَنِیْ[۶۳] اے اللہ! نہ چھین لیجیے (بہ سبب میرے گناہوں کے) مجھ سے وہ بھلائیاں جو آپ نے عطا فرمائی ہیں۔

اے خدائے با عطا و با وفا
رحم کن بر عمر رفتہ بر جفا

روحانی نشوونما کی ایک مثال

ارشاد فرمایا کہ درخت اس وقت پھولتا ہے جبکہ اس میں داخلی گرمی بھی ہو اور خارجی گرمی بھی ہو۔ خارجی گرمی تو آفتاب سے پہنچتی ہے اور داخلی گرمی کے لیے اس کی جڑوں میں کھاد دیا جاتا ہے۔ اگر داخلی اور خارجی دونوں حرارتوں میں سے اگر ایک

---

[۶۳] کنزالعمال: ۱۸۶/۲ (۳۶۷۴)، باب الدعاء، مؤسسة الرسالة

حرارت بھی نہ ملے تو درخت کا نشو و نما نہیں ہو سکتا، اس درخت میں پھل پھول نہیں آسکتے، دونوں قسم کی گرمی ضروری ہے۔ اسی طرح سالک کے لیے بھی داخلی گرمی اور خارجی گرمی کی ضرورت ہے۔ داخلی گرمی تو ذکر اور پابندی معمولات سے حاصل ہوتی ہے اور خارجی گرمی کے لیے ضروری ہے کہ آفتاب ولایت کی معیت حاصل ہو یعنی صحبت شیخ نصیب ہو، جب تک آفتاب نبوت موجود ہے اس وقت روح کو خارجی گرمی اس کی صحبت سے حاصل ہو گی اور آفتاب نبوت کے مستور ہو جانے کے بعد آفتاب ولایت سے حرارت خارجی حاصل ہو گی۔ بغیر اس کے قلب و روح کا نشو و نما ناممکن ہے، خیر القرون میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو آفتاب نبوت سے یہ خارجی حرارت حاصل ہوتی تھی اور یہ اسی آفتابِ کا فیض ہے کہ اب قیامت تک کوئی ولی صحابہ کے مقام کو نہیں پا سکتا۔ داخلی حرارت حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ میں بدرجۂ اتم موجود تھی لیکن آفتاب نبوت سے براہِ راست فیض یاب نہ ہونے کی وجہ سے مقام صحابیت حاصل نہ ہو سکا۔ اسی طرح اگر کوئی شیخ کامل کی صحبت میں رہتا ہے لیکن ذکر و معمولات اور اعمالِ صالحہ کی پابندی نہیں کرتا تو بھی اس کی روح کا نشو و نما نہیں ہو سکتا، اس کی جان کے درخت میں پھل پھول نہیں لگ سکتے یعنی اس کی جان باخدا نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ خارجی گرمی تو حاصل کر رہا ہے لیکن داخلی گرمی سے محروم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ذکر و معمولات کی پابندی کرتا ہے لیکن آفتاب ولایت کی شعاعوں سے محروم ہے یعنی شیخ کامل کی صحبت اختیار نہیں کرتا تو اس کو بھی کامیابی نہیں ہو سکتی کیوں کہ روح کے درخت کو خارجی گرمی نہیں مل رہی ہے۔ پس چند دن کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر ذکر و مجاہدات کر لو پھر دیکھنا کہ ایک مدت کے بعد روح کا درخت کیسا پھلتا پھولتا ہے کہ قرب حق کی ایسی لذّت محسوس ہو گی کہ اس کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں مل سکتے۔

طالبِ جاہ کو اللہ نہیں مل سکتا

ارشاد فرمایا کہ کبھی شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ آج محنت و مجاہدہ کر لو ایک دن تم بھی شیخ ہو جاؤ گے تمہارے پاس بھی مخلوق دعا کرانے آئے گی تمہارے مکان کے سامنے بھی کاریں کھڑی ہوں گی، لوگ آگے پیچھے پھریں گے۔ یہ خیال

اللہ تعالیٰ کے راستے کا بہت بڑا بت ہے۔ جس کے دل میں اللہ کے علاوہ کوئی اور طلب ہو گی اسے کبھی اللہ نہیں مل سکتا کیوں کہ یہ شخص اللہ کا طالب نہیں ہے، جاہ کا طالب ہے مولیٰ کو بھی چاہ رہا ہے اور غلاموں کی بھی طلب ہے، اسے مولیٰ نہیں مل سکتا، کیوں کہ اس نے مولیٰ کو نہ پہچانا۔ اگر مولیٰ کی معرفت و عظمت اس کے قلب پر منکشف ہو جاتی تو غلاموں کی عظمت بھلا دل میں رہ سکتی تھی؟ جس کے پاس ایک لاکھ روپے کا نوٹ ہو اور وہ آٹھ آنے کی تمنا کرے تو کہا جائے گا اسے ایک لاکھ روپے کی معرفت نہیں۔ خالق مل رہا ہو اور مخلوق کی تمنا کرے تو یہ شخص غیر عارف ہے۔ خالق کے ملتے ہوئے مخلوق کی تمنا کرنا معرفت کے خلاف ہے۔ اس کو حق تعالیٰ نہیں مل سکتے۔ بادشاہ اور بھنگیوں کی دعوت ایک دستر خوان پر نہیں ہو سکتی۔ یا تو بادشاہ ہی کو بلا لو یا بھنگیوں ہی کو بلا لو۔ بادشاہ کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ بھنگیوں کو بھی مقام عظمت دیا جائے۔ تو جس دل میں خالق کی طلب کے ساتھ مخلوق کی طلب شامل ہو گی اسے خالق کی معیت نصیب نہیں ہو سکتی کیوں کہ اس نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں۔ عارف کو سوائے خدا کے کچھ مطلوب نہیں، وہ جانتا ہے کہ اگر اللہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔ وہ تو یوں کہتا ہے ؎

جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

جس کو اللہ مل جائے اس کو اور کیا چاہیے۔ اگر اللہ مل گیا اور فرض کر لو کہ مخلوق نہیں ملی تو کیا نقصان ہے۔ ہاں مخلوق تو واہ واہ کر رہی ہو اور اللہ کا فضل متوجہ نہ ہو تو کیا وہ شخص کامیاب ہے؟ پس صرف اللہ سے اللہ کو مانگو گوشۂ گم نامی کو دل سے محبوب رکھو، اگر گم نام رہنا دل کو پسند آگیا تو سمجھ لو کہ ایمان ہے ورنہ نفاق کا خطرہ ہے۔ دل کی گہرائیوں میں جاہی اور باہی دونوں قسم کے بتوں کو تلاش کرتے رہو اور جہاں ان کا سراغ ملے فوراً توڑ ڈالو یعنی اللہ کے سامنے خوب گڑگڑا کر توبہ کرو کہ اے اللہ! اگر میرے دل کی گہرائیوں میں کہیں آپ کی طلب کے علاوہ کچھ اور بت چھپے ہوئے ہیں تو اے اللہ! آپ ان کو میرے دل سے نکال دیجیے۔ جس طرح کعبہ سے آپ نے تین سو ساٹھ بُت نکال دیے تھے، اے اللہ! یہ دل بھی آپ کا گھر ہے اے اللہ! آپ اپنے اس گھر کو بھی ہر قسم کے

بتوں سے پاک فرما دیجیے۔ اے اللہ! میری نظر سے تو میرے دل کے بت پوشیدہ ہو سکتے ہیں لیکن اے اللہ! آپ علیم بذات الصدور ہیں آپ اپنے فضل سے میرے دل کے ریزہ ریزہ کو پاک فرما دیجیے۔ اے اللہ! اگر آپ مل گئے تو سب کچھ مل گیا۔ اور اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ سب کچھ مل جاوے لیکن آپ نہ ملیں۔ اے اللہ! میرے دل کو اپنے لیے خاص فرما لیجیے اور مجھے اخلاص کی دولت عطا فرما دیجیے۔

آیت رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا ... الخ پر ایک الہامی علم

رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ[٦٤]

اس آیت سے ثابت ہوا کہ محض زیادتِ علم مطلوب نہیں بلکہ زیادتِ علم اس وقت نعمت ہے جب الحاق بالصالحین کے ساتھ ہو اور یہ الحاق بالصالحین عقائد میں ہو، اعمال میں احوال میں ہو، اقوال میں ہو ورنہ محض زیادتیٔ علم تو شیطان کو بھی حاصل تھی لیکن الحاق بالصالحین نہ تھا اس وجہ سے اس کی زیادتیٔ علم اس کی گمراہی کا ذریعہ ہو گئی۔ (یہ علم بیت اللہ میں عطا ہوا)

آیت یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا کی تفسیر

حضرت ابو ذر غفاری اس حدیث کے راوی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا[٦٥] اس دن زمین بیان کرے گی اپنی خبریں۔ تو صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ یہ خبریں بیان کرنا کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفسیر بیان فرمائی کہ زمین کا خبریں بیان کرنا یہ ہے کہ زمین کی پیٹھ پر جو اعمال کیے جا رہے ہیں زمین اس کی گواہی دے گی[٦٦]

---

[٦٤] الشعرآء:٨٣

[٦٥] الزلزال:٤

[٦٦] جامع الترمذی:٢/٦٨، باب ما جاء فی العرض، ایچ ایم سعید

علم اور خشیت لازم و ملزوم ہیں

ارشاد فرمایا کہ کوئی لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہو سکتا۔ برف کے لیے برودت لازم ہے اور نار کے لیے حرارت لازم ہے۔ اگر کہیں آگ جل رہی ہو لیکن اس میں گرمی نہ ہو تو کہیں گے یہ آگ نہیں۔ اسی طرح اگر کہیں برف رکھی ہو اور اس میں ٹھنڈک نہ ہو تو کہیں گے کہ یہ برف نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ لازم و ملزوم کا انفکاک و انفصال محال ہے۔ پس جس طرح آگ کے لیے حرارت لازم ہے اور برف کے لیے برودت لازم ہے اسی طرح علم کے لیے خشیت لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا[۶۷]

إِنَّمَا کے ساتھ حصر فرمادیا۔ خشیت محصور ہے علم کے ساتھ، خشیت صفت لازمہ ہے علم کی۔ پس جس عالم میں خشیت نہ ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں، اس کے اندر علم نہیں۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ الخ اگرچہ جملہ خبریہ ہے لیکن ہر جملہ خبریہ میں جملہ انشائیہ پوشیدہ ہوتا ہے، جیسے کسی نے کہا کہ دیکھو یہاں سانپ ہے تو اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے لیکن اس میں جملہ انشائیہ داخل ہے کہ سانپ سے بچو۔ اب اگر کوئی اس خبر کے بعد سانپ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا تو گویا وہ اس جملہ خبریہ کی عملی تکذیب کرتا ہے۔ اسی طرح قرآنِ پاک سے جنّت کی بشارت اور دوزخ کی وعیدوں کی خبر مل جانے کے بعد اگر جنّت کے حصول اور دوزخ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا تو گویا وہ قرآن کی خبروں کی عملی تکذیب کرتا ہے۔ عالم وہی ہے جس کے اندر اتنی خشیت پیدا ہو جائے جو اس کو دوزخ کے عذاب سے بچنے والا بنادے۔ لیکن خشیت کی بھی حدود ہیں، اتنی خشیت مطلوب نہیں کہ خوف سے بخار آجائے اور بستر پر لیٹ جائے۔ بس اتنا خوف مطلوب ہے جو بندے کو گناہوں سے بچالے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ[۶۸]

---

[۶۷] فاطر:۲۸

[۶۸] جامع الترمذی:۲/۱۸۸، باب من ابواب الدعوات، ایچ ایم سعید

اے اللہ! مجھے اتنا خوف نصیب فرمادے کہ وہ مجھ میں اور تیری نافرمانیوں کے درمیان حائل ہوجائے یعنی جو مجھے نافرمانیوں سے بچالے۔

گناہ کی فوری تلافی کا انعام

ارشاد فرمایا کہ جس زمین پر احیاناً کوئی گناہ ہوگیا مثلاً بد نگاہی ہوگئی تو اسی جگہ ٹھہر جائے اور وہیں توبہ کرلے اور سبحان اللہ یا الحمد للہ یا کوئی نیک عمل کرے تو قیامت کے دن جب زمین اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے گناہ کی گواہی دے گی تو اس کی توبہ اور نیکی کی گواہی بھی دے گی۔

اِسلام کے دینِ فطرت ہونے کی دلیل

ارشاد فرمایا کہ زنا کو بین الاقوامی طور پر مذموم فعل سمجھا جاتا ہے لیکن بد نظری جو اس کا مقدمہ و سبب ہے اس کو انسان کا کوئی خود ساختہ قانون جرم قرار نہیں دیتا۔ یہ صرف وحیٔ الٰہی کا احسان ہے جو معصیت کے اسباب و مقدمات کو بھی حرام قرار دیتی ہے۔ زنا کو حرام قرار دیا تو اس فعلِ خبیث کے مقدمہ کو بھی حرام کردیا تاکہ زنا کا ارتکاب ہی نہ ہوسکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ[۲۹] غضِ بصر کا حکم ہم اسی لیے دے رہے ہیں کہ اگر آنکھوں سے حسنِ مجازی کی طرف دیکھو گے تو میلان ہونا لازمی ہے اور میلان سے عشق اور عشق سے زنا اور اس طرح کے افعالِ خبیثہ میں مبتلا ہوکر آخرت کو تباہ کرلوگے۔ اس لیے وحیٔ الٰہی نے صرف معصیت کو ہی حرام قرار نہیں دیا بلکہ معصیت کے اسباب و مقدمات کو بھی حرام کردیا کیوں کہ سبب کی موجودگی ہی سے مسبب کی موجودگی لازم آتی ہے۔ سبب موجود نہ ہو تو مسبب بھی موجود نہیں ہوسکتا۔ جس طرح پیٹرول کے پاس چنگاری سبب ہے آگ بھڑکنے کا، اگر چنگاری نہ ہوگی تو آگ بھی نہیں بھڑک سکتی۔ اسی طرح بدنگاہی سبب ہے زنا کا، اگر آنکھوں کی حفاظت کی جائے گی تو شرم گاہ بھی محفوظ رہے گی، اسی لیے یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ کے بعد وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی آنکھوں کو ننگی کرتا ہے تو

---

[۲۹] النور:۳۰

اس کی شرمگاہ بھی ننگی کر دی جاتی ہے اور جو شخص اپنی نگاہوں پر اللہ کے حکم کا پردہ ڈالے رکھتا ہے اس کی برکت سے اس کی شرمگاہ محفوظ رہتی ہے۔ زنا کو تو بین الاقوامی طور پر مذموم فعل کہا جاتا ہے لیکن بد نگاہی کو انسانوں کا کوئی خود ساختہ قانون حرام قرار نہیں دیتا کیوں کہ نگاہوں پر انسانوں کی حکومت قائم نہیں ہو سکتی، نگاہوں کا محاسبہ کرنا انسان کے ناقص علم و قوت کی دسترس سے باہر ہے۔ یہی دلیل ہے ذہنِ انسانی کے بنائے ہوئے قوانین کے ناقص و نامکمل ہونے کی۔ اس کے برعکس وحیٔ الٰہی نے بد نگاہی کو بوجہ سببِ معصیت ہونے کے حرام قرار دے دیا، یہاں نگاہوں پر بھی اللہ کی حکومت ہے، کیوں کہ صرف حق تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو آنکھوں اور سینوں کی خیانت سے باخبر ہے۔ بندوں کے دلوں میں جو خیالات پوشیدہ ہیں اور نگاہیں جب جب خیانتیں کرتی ہیں حق تعالیٰ کی ذات پاک ہر وقت ان سے باخبر ہے:

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِي الصُّدُوۡرُ ؎

اس لیے قانونِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے والا اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتا۔ یہی دلیل ہے اسلام کے مکمل قانون اور دینِ فطرت ہونے کی۔ لَا تَقۡرَبُوا الزِّنَا فرما کر اسبابِ معصیت کے قرب سے بھی منع فرما دیا کہ اگر قریب جاؤ گے تو گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اُس وقت یہ مراقبہ کام نہ آئے گا کہ یہ حُسن فانی التفات کے قابل نہیں، کیوں کہ ہر شے کے اندر ایک خاصیت ہے وہ اپنا اثر دکھاتی ہے۔ انگارے کو ہاتھ میں لے کر اگر کوئی یہ مراقبہ کرتا رہے کہ یہ فانی ہے بجھ جائے گا تو کیا انگارے کی خاصیت بدل جائے گی اور ہاتھ نہ جلے گا؟ معلوم ہوا کہ یہاں صرف مراقبہ کافی نہیں ترکِ تعلق ضروری ہے۔ پس حُسنِ مجازی کے قریب بھی نہ جاؤ، اگر قریب ہو گئے خواہ نظر سے یا قلب سے یا جوارح سے تو معصیت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

یہی وجہ ہے کہ جن بندوں کی جانیں محبوبِ حقیقی کے حُسن و جمال سے آشنا ہو چکی ہیں وہ اس لَا تَقۡرَبُوۡا پر عمل کرتی ہیں۔ لَا تَقۡرَبُوۡا پر عمل کرنے میں دل کو غم

؎ المؤمن:١٩

تو ہو گا لیکن یہ غم اتنی عظیم دولت ہے کہ لاکھ تہجد و اشراق ایک طرف اور یہ غم ایک طرف۔ لاکھوں وظیفوں اور ذکر و نوافل سے اللہ کا وہ قرب نصیب نہیں ہو سکتا جو غم اٹھانے سے ہوتا ہے۔ غم اٹھانا کوئی معمولی کام نہیں دل گردہ والوں کا کام ہے۔ یہ ان ہی کا کام ہے جو اللہ کی محبت میں جان کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے سینوں میں ہر دم تلواریں چل رہی ہیں۔ اپنی خواہشات کو تہہ تیغ کر رہے ہیں۔ خود اپنی آرزوؤں کی لاشیں دیکھ رہے ہیں کہ فلاں خواہش مر گئی، فلاں تڑپ رہی ہے، فلاں دم توڑ رہی ہے، مجاز کی طرف میلان ہوا اس نے گلا دبا دیا۔ بد نظری کے تقاضے کو کچل کر دل کا خون کر لیا۔ یہ اگرچہ جسم اور گردن لیے پھرتا ہے لیکن دراصل شہید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ عَشِقَ فَکَتَمَ وَعَفَّ فَمَاتَ فَھُوَ شَھِیْدٌ[1]

علماء نے لکھا ہے کہ کَتَمَ سے مراد کتمان عن الخلق ہے یعنی مخلوق سے تذکرہ نہیں کرتا، آنکھوں سے اس کی طرف نہیں دیکھتا، پاؤں کو اس کی گلی میں نہیں لے جاتا، کانوں سے اس کی بات نہیں سنتا، دل میں اس کا خیال نہیں لاتا۔ وَعَفَّ یعنی آنکھوں کو پاک رکھا اس کو دیکھنے سے، کانوں کو پاک رکھا اس کی باتوں کو سننے سے، زبان کو پاک رکھا اس کا تذکرہ کرنے سے، پاؤں کو پاک رکھا اس کی گلی میں جانے سے، دل کو پاک رکھا اس کا خیال لانے سے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں اس کو موت آگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ شہید ہے۔ شہداء کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

پس کچھ دن کی محنت ہے۔ اگر اللہ کے راستے کا یہ غم برداشت کر لیا اور غیر اللہ سے دل کو فارغ کر لیا تو اللہ کے قرب کی اور ان کی محبت کی ایسی مٹھاس اور ایسی لذت نصیب ہو گی جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی وہم و خیال میں گزری جس کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ[2]

---

[1] کنزالعمال:۳/۳۷۲(۷۰۰۰)، حرف العین، منھا العشق، مؤسسۃ الرسالۃ

[2] السجدۃ:۱۷

نہیں جانتا ہے کوئی نفس جو چھپا رکھی ہوئی ہے آنکھوں کی ٹھنڈک اپنے اولیاء کے لیے یہ ایسی لذت ہے کہ وہی دل جانتا ہے جس کو عطا کی جاتی ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ ایک ولی بھی نہیں جان سکتا کہ دوسرے ولی کے قلب کو کس نوع کی لذت حاصل ہے اور اللہ کے قرب کی کیا مٹھاس مل رہی ہے۔ ہر ولی کے قلب کو ایک مختلف لذت عطا ہوتی ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ لذت ہے جو بادشاہوں کو نصیب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن بندوں کی جانیں حق تعالیٰ کے حُسن و جمال سے آشنا ہو چکی ہیں وہ دنیائے فانی کے حُسن سے بے نیاز ہو گئی ہیں کیوں کہ جس نے ایک ہزار پاور کے بلب کی روشنی دیکھ لی وہ کیا چالیس پاور کے بلب کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے؟ لیکن اولیاء اللہ کو یہ دولت مفت میں نہیں ملتی دریائے خون سے گزرنا پڑتا ہے۔ اپنی خواہشات کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کرنا پڑتا ہے تب یہ نعمت ملتی ہے۔

عارفاں زانند ہر دم آمنوں
کہ گزر کردند از دریائے خوں

مے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے مری مفت کی نہیں

اللہ کی محبت کی لذت ایسی سستی نہیں ہے کہ ہر بوالہوس کو عطا ہو جاوے۔ حق تعالیٰ اپنی محبت کی چاٹ ایسے بندے کو عطا فرماتے ہیں جس کا دل دنیا سے اُچاٹ کر دیتے ہیں۔ پہلے دل کو دنیا سے اُچاٹ کرتے ہیں پھر اپنی محبت کی چاٹ عطا فرماتے ہیں۔ اس کے لیے خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔ یہ انبیاء اور اولیاء کا دستر خوان ہے۔ بھنگی اور چمار یعنی دنیادار اس دستر خوان پر نہیں آ سکتے۔

غرض حُسنِ مجازی سے بچنے میں جو دل کو غم ہو گا یہ غم خود بہت بڑی نعمت ہے، اگر قلب کو کوئی اور انعام نہ ملے تو یہ غم خود بہت بڑا انعام ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں کہ کوئی بادشاہ کسی بچے کو ایک لاکھ روپیہ دے دے لیکن بچے کو ایک لاکھ کی معرفت نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے ٹافی دو بادشاہ ہنس کر کہتا ہے کہ اس کو لے جاؤ۔ بادشاہ نے اگر ٹافی نہیں دی تو کیا یہ ایک لاکھ روپیہ خود انعام نہیں ہے؟

۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ مطابق ۹؍ جولائی ۱۹۷۰ء

مقامِ محبت

ارشاد فرمایا کہ محبت کے لیے خوف لازم ہے خوف کے لیے محبت لازم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی کسی سے بہت ڈرتا ہو لیکن اس سے محبت نہ رکھتا ہو لیکن جب محبت ہو جاتی ہے تو خوف خود آجاتا ہے کہ کہیں ہمارا محبوب ہم سے ناراض نہ ہو جاوے۔ اس لیے جو شخص صرف اللہ کا خوف رکھتا ہے لیکن محبت نہیں رکھتا اس کے دل میں شیطان وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ میاں کیا عبادت کر رہے ہو بے کار ڈر رہے ہو، مرنے کے بعد نہ عذاب ہے نہ ثواب۔ پس اگر دل سے خوف نکل گیا تو ایسا شخص گمراہ ہو گیا، کیوں کہ دل میں اللہ کی محبت تو تھی نہیں جو رہنمائی کرتی، پس اگر ڈنڈے کے خوف سے اللہ کو یاد کیا تو کیا یاد کیا اللہ کو تو محبت سے یاد کرنا چاہیے۔ اہلِ محبت پر شیطان کا کوئی حربہ نہیں چلتا اگر وہ کبھی یہ وسوسہ بھی ڈالتا ہے تو عاشق کہہ دیتا ہے کہ کمبخت تو کہاں آیا ہے ہمیں تو بغیر ان کے نام کے چین ہی نہیں ملتا بغیر ان کی یاد کے تو ہم جی ہی نہیں سکتے ان کی یاد سے میرے دل کو جو کچھ مل رہا ہے تو ان وسوسوں سے ان نعمتوں کو نہیں مٹا سکتا، جا اپنا راستہ لے کہیں اور جا۔ پس مقامِ محبت تک شیطان کے قدم نہیں پہنچتے، کیوں کہ یہ مردود محبت کو جانتا ہی نہیں۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ شیطان سالک محض تھا عاشق نہ تھا اسی وجہ سے مردود ہو گیا۔ پس محض خوف سے اللہ کو یاد کرنا کمال نہیں، کمال تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد میں آدمی مجبور محبت ہو جاوے یعنی دل کو محبت کا وہ مقام حاصل ہو جاوے کہ بغیر حق تعالیٰ کی یاد کے سکون ہی نہ ملے اور دل اللہ کی یاد پر مجبور ہو۔ کیوں کہ اللہ کا اپنے بندوں کے ساتھ صرف حاکم و محکوم کا ہی تعلق نہیں ہے بلکہ اللہ کی ذات پاک میں محبوبیت کی شان بھی ہے۔ اگر محبوبیت کی یہ شان حق تعالیٰ کی ذات پاک میں نہ ہوتی تو ہرگز یہ آیت نازل نہ ہوتی كَلَّآ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ[۳۷] ہر گز نہیں وہ اپنے رب سے اس دن محجوب ہوں گے۔ ہم انہیں اپنی صورت نہیں دکھائیں

---

[۳۷] المطففین:۱۵

گے۔ کیا دنیا کا کوئی حاکم یا صدرِ مملکت یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر تم ہمارا حکم نہ مانو گے۔ تو ہم تمہیں اپنی صورت نہ دکھائیں گے؟ اگر وہ یہ کہہ بھی دے تو لوگ یہی کہیں گے کہ کون تیری صورت دیکھنے کو بے قرار ہے۔ کیوں کہ وہ حاکم محض ہیں محبوب نہیں اور حق تعالیٰ صرف حاکم نہیں محبوب بھی ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی شانِ محبوبیت کو ظاہر فرمادیا کہ کفار اس دن ہماری لذت دیدار سے محروم ہوں گے۔ یعنی حق تعالیٰ ایسے محبوب ہیں کہ ان کی لذت دیدار سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے، سزا تو بعد میں ہوگی لیکن عاشق کے لیے کیا یہی کم ہے کہ محبوب حجاب میں ہو۔

دُنیا میں خوشی و غم کے تمام حالات رَبوبیتِ اِلٰہیہ کے تحت ہیں

ارشاد فرمایا کہ دُنیا میں انسان پر جو مختلف حالات پیش آتے ہیں کبھی خوشی آگئی کبھی غم آگیا کبھی کسی عزیز کا انتقال ہوگیا، کبھی مال میں نقصان ہوگیا کبھی کوئی اور فکر و پریشانی لاحق ہوگئی تو یہ تمام حالات اتفاقی نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ کے قصد و ارادے کے تحت ہو رہے ہیں اور ہر ایک حال میں ان کی ربوبیت شامل ہے، لہٰذا صدمہ و غم میں یہ نہ سوچنا چاہیے کہ ہائے یہ کیوں ہوگیا ہمارا بڑا نقصان ہوگیا، بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ یہ تمام حق تعالیٰ کی ربوبیت کے تحت پیش آرہے ہیں اور ان کی ربوبیت تمام مضرتوں سے پاک ہے۔ سجدہ میں ہر روز سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے ہو جس کے معنیٰ ہیں کہ ان کی ربوبیت تمام مضرتوں سے پاک ہے۔ چاہے غم اگرچہ بڑا ہے لیکن یہ ہماری تربیت و ترقیٔ درجات کے لیے ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ فرمادیا کہ میں تمہارا رب ہوں اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہوں لیکن میری ربوبیت رحمت کے ساتھ ہے۔

ایک بار اسمِ ذات کہنے سے ننانوے اَسمائے صفات کی تجلی حاصل ہوتی ہے

ارشاد فرمایا کہ اسمِ ذات تمام اسمائے صفات کا حامل ہے۔ جس وقت بندہ یا اللہ کہتا ہے تو گویا وہ یا غفار بھی کہتا ہے یا ستار بھی کہتا ہے یا رزاق بھی کہتا ہے یا رب بھی کہتا ہے۔ ایک بار اللہ کو پکارتے ہو تو گویا ننانوے اسمائے صفاتیہ کو پکارتے ہو اور بیک وقت تمام اسمائے صفاتیہ کی تجلی ہوتی ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ الخ کی تفسیر

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ[۴۷]

اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ اے ہمارے رسول! اگرچہ آپ کو تنہائی میں ہمارے ساتھ بیٹھنا، سجدوں میں ہم سے ہم کلام ہونا، تنہائیوں میں ہمارے سامنے رونا دنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں سے زیادہ عزیز ہے اور آپ کا جی ہمارے بغیر کہیں نہیں لگتا لیکن آپ اپنے نفس پر جبر کرکے ہمارے ان عاشقین بندوں کے درمیان بیٹھیے کیوں کہ اگر آپ تنہائیوں میں صرف ہمارے ہی ساتھ رہیں گے تو ان عاشقین بندوں کی جانیں ہم سے کیسے آشنا ہوں گی؟ امّت کا کام کیسے ہوگا؟ گلِ محمدی کی خوشبو سے ان کی جانیں کیسے بسیں گی؟ پھر حق تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں کہ ہم جو آپ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ **وَاصْبِرْ نَفْسَكَ** تو ہم کن لوگوں کے پاس بیٹھنے کے لیے آپ سے کہہ رہے ہیں۔ ہم اپنے غیروں کے پاس بیٹھنے کے لیے آپ سے نہیں کہہ رہے، ہم ان لوگوں کے پاس آپ کو بیٹھنے کا حکم دے رہے ہیں جن کی جانیں ہر وقت بس ہمیں تلاش کیا کرتی ہیں، جن کی جانوں میں ہر وقت ہمارے لیے بے چینی اور تڑپ ہے۔ جو صبح و شام ہمیں پکارتے ہیں تو ان کے پاس بیٹھنا گویا ہمارے ہی پاس بیٹھنا ہے۔ آپ ان کے پاس بیٹھیں تو گویا ہمارے ہی پاس بیٹھے ہوں گے۔ پس یہ عنوان تسلی کا ہے۔

صحبتِ شیخ سے دل کا نرم ہونا اور پھر ذکر اللہ کا اثر

ارشاد فرمایا کہ جب لوہے کو موڑنا ہوتا ہے تو پہلے اس کو آگ میں رکھتے ہیں یہاں تک کہ آگ کی حرارت سے وہ سرخ ہوکر نرم ہوجاتا ہے پھر اس پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے تو ایک دم مڑ جاتا ہے، اگر بغیر گرم کیے اس پر کتنا ہی ہتھوڑا بجاؤ لوہا مڑے گا نہیں۔ پس یہی حال ہمارے قلب کا ہے۔ ہمارا قلب مثل لوہے کے ہے۔ اس کو پہلے کسی اللہ والے کی صحبت کی آگ میں سرخ کرلو پھر جب اس صحبت کی برکت سے اللہ کی محبت

---

[۴۷] الکھف:۲۸

سے اس میں نرمی آجائے گی پھر ذکر کا ہتھوڑا لگاؤ گے تو دیکھو گے کہ کیسا اللہ کی طرف مڑتا ہے۔ صحبت کے بعد ہی ذکر کا اصلی نفع ظاہر ہوتا ہے۔ ذکر کے نفع تام کے لیے صحبتِ اہل اللہ ضروری ہے۔ اور صحبت کا مطلب یہ نہیں کہ سال میں ایک دفعہ آگئے اور پھر مہینوں خبر نہیں لی بلکہ جس طرح لوہا جب ٹھنڈا ہونے لگتا ہے اور اس میں صلابت پھر عود کرنے لگتی ہے تو اس کو پھر آگ میں رکھتے ہیں یہاں تک کہ آگ کی حرارت سے وہ پھر سرخ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر ہتھوڑا مارتے ہیں یہ عمل برابر جاری رہتا ہے اِذَا تَکَرَّرَ تَقَرَّرَ اسی طرح صحبت کا اثر جب کم ہونے لگے تو پھر شیخ کی خدمت میں آبیٹھے اور اللہ کی محبت کی گرمی حاصل کرے پھر ذکر میں مشغول ہو یہاں تک کہ اس تکرار سے ایک دن نسبت میں استقرار پیدا ہو جائے گا، اور جس طرح زمین کو مستقل کھودتے رہنے سے ایک دن پانی کا سوتہ پھوٹ پڑتا ہے اسی طرح قلب میں ایک دن نسبت مع اللہ کا سوتہ پھوٹ پڑے گا اور اللہ کا قربِ خاص نصیب ہو جائے گا۔

وصول الیٰ اللہ شیخ کے بغیر ناممکن ہے

ارشاد فرمایا کہ تیر چاہے کتنا ہی قیمتی ہو خواہ اس پر کتنے ہیرے جواہرات لگے ہوئے ہوں لیکن اُڑ نہیں سکتا جب تک کہ کسی کمان میں نہ رکھا جاوے خواہ کمان بظاہر کیسی ہی ٹوٹی پھوٹی ہو وہ قیمتی تیر اڑنے میں اس بظاہر ٹوٹی پھوٹی کمان کا محتاج ہے ورنہ بے کمان کے قیامت تک زمین پر ہی پڑا رہے گا۔ اسی طرح عالم جس کو خواہ علم کا کتنا ہی بلند مقام حاصل ہو اس کو بھی اللہ تک اڑنے کے لیے پیر کرنا پڑے گا خواہ پیر علم میں اس سے کمتر ہی کیوں نہ ہو لیکن اس ٹوٹی پھوٹی کمان میں اپنے کو رکھنا پڑے گا تب اللہ تک رسائی ہوگی ورنہ باوجود علم و فضل کے قیامت تک زمین پر پڑا رہے گا یعنی محض جسم کی آرائشوں اور لذتوں میں پڑا رہے گا اللہ تک نہ پہنچ سکے گا۔

ایمان بالغیب کی ایک عجیب حکمت

اگر اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں خود کو دکھا دیتے تو اتنے انسان کاہے کو دوزخ میں جاتے، کیوں کہ اللہ کو دیکھنے کے بعد کفر و فسق کی ہمت کسی کو بھی نہ ہوتی۔ جواب

اس کا یہ ہے کہ پھر امتحان کا ہے کا ہوتا اگر دنیا میں کوئی ممتحن پرچہ آؤٹ کر دیتا ہے تو لوگ کہتے ہیں ممتحن بڑا ظالم تھا کہ جن لڑکوں نے امتحان کی تیاری میں اپنا خون پسینہ گرایا تھا ان کے ساتھ وہ لڑکے بھی کامیاب ہوگئے جنہوں نے کچھ محنت نہیں کی تھی اس ممتحن نے ہزاروں کے خون اور پسینے کو رائیگاں کر دیا۔ اسی طرح اگر اللہ اپنے کو دکھا دیتا تو اللہ پر ظلم کا الزام عائد ہوتا کہ انبیاء اور شہداء جن کے کلیجے منہ کو آگئے تھے جنہوں نے بغیر دیکھے اللہ کے راستے میں اپنا خون بہایا تھا ان کا خون رائیگاں چلا جاتا حق تعالیٰ کی رضا اور جنّت کا حق تو ان لوگوں کو تھا لیکن اگر اللہ خود کو دکھا دیتا تو یہ پرچہ آؤٹ ہوجاتا اور کافر و مشرک بھی اللہ کو مان لیتے اور بغیر ایثار و قربانی کے جنّت میں چلے جاتے، اور انبیاء و شہداء کی محنتیں اور کافرین کی نافرمانیوں کی جزا ایک ہی ہوجاتی، دونوں کا درجہ مساوی ہوجاتا جو ظلم تھا اور جو حق تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔

انسان کے دل کی بے مثال قیمت

ارشاد فرمایا کہ یہ دل بڑا قیمتی ہے یہ اللہ کا گھر ہے۔ پہلے انسان کے سینے میں اپنا گھر رکھ کر پھر زمین و آسمان کو اس کا خادم بنایا حدیثِ قدسی میں ہے کہ میں نہیں سمایا زمینوں میں آسمانوں میں لیکن مومن کے قلب میں مثل مہمان کے آجاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بارِ امانت یعنی بارِ امانتِ شریعت کو زمین و آسمان پر، پہاڑوں پر، دریاؤں پر پیش کیا لیکن سب نے مارے ڈر کے انکار کر دیا کہ اے اللہ! ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا لیکن اس بار کو انسان نے اٹھا لیا کہ اے اللہ! میرا قلب آپ کی محبت کے لیے حاضر ہے، یہ بار اٹھا کر اب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری سے کیوں بچتے ہو۔

زمین و آسماں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

اہل اللہ کی خدمت نہ کرنے پر قیامت کے دن باز پُرس ہوگی

ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کا دیوانہ ہوجائے گا صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ اس کو بیٹھے بٹھائے روزی عطا فرمائے گا بلکہ دوسروں کو اپنے اس دیوانے کی خدمت پر مامور کر

دے گا۔ اس کا ثبوت قرآن میں ہے۔ اصحابِ صفہ کی شان میں فرماتے ہیں:

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ[۷۵]

اے دنیا والو! یہ لوگ ہماری محبت کے مارے ہوئے ہیں، ہماری محبت میں گھیر لیے گئے ہیں، یہ ہماری محبت کے محصور ہیں، ان کی جانیں ہر وقت ہمارے ایک قربِ خاص سے مشرف ہیں، انہوں نے وہ تیز والی شرابِ محبت پی لی ہے جس کی مستی نے دنیا کے کاموں سے ان کے دست و پا کو شل کر دیا ہے۔ یہ استطاعت نہیں رکھتے کہ زمین پر کمانے کے لیے چلیں پھریں۔ زمین پر کسب معاش کے لیے چلنا پھرنا ان کی استطاعت سے باہر ہو گیا ہے، کیوں کہ ہمارے اس قربِ اعلیٰ سے قربِ اسفل کی طرف نزول کرنا ان کے لیے محال ہو چکا ہے جس طرح مچھلی کو پانی سے الگ ہونے میں اپنی موت نظر آتی ہے بلکہ پانی ہی میں اس کی حیات اور اس کی غذا ہے اسی طرح ہم سے ایک لمحہ کے لیے علیحدہ ہونے میں انہیں اپنی موت نظر آتی ہے اور ہمہ وقت ہمارے دین کے کام میں لگے رہنے ہی میں ان کی زندگی ہے، اس کام سے یہ ایک لمحہ کو علیحدہ نہیں ہو سکتے، چاہے ان کو کھانے کو نہ ملے یہ ہم ہی سے سوال کرتے ہیں لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے کہ ہم دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں ہمیں کچھ کھانے کو دے دو بلکہ تم ان کے چہروں کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے غنی لوگ ہیں ان کے قلب غنی ہیں۔ ان کے قلب کو ہمارے قرب کی ایسی عظیم دولت نصیب ہے جس نے ان کو لوگوں سے مستغنی کر دیا ہے اور ان کے دل کا غناء ان کے چہروں پر چھلک آیا ہے اے دنیا والو! یہ لوگ ہماری محبت کے مارے ہوئے ہیں یہ ہمارے دیوانے ہیں ہم تم پر ان کی خدمت کو فرض کرتے ہیں۔ تم کو ان کے کھانے پینے اور ان کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھنا پڑے گا۔ اگر تم ان کی خدمت نہیں کرو گے تو قیامت کے دن تم سے باز پُرس ہو گی۔

جلوتِ نبوت کی جان خلوتِ نبوت ہے

ارشاد فرمایا کہ کارِ نبوت کے دو جُز ہیں: ایک علومِ نبوت اور دوسرا ولایت النبوت۔ نبوت کا وہ جُز جس کا تعلق اُمّت کے ساتھ ہے مثلاً تبلیغ و تعلیم، جہاد و غزوات

---

[۷۵] البقرۃ:۲۷۳

وغیرہ اس کا تو لوگوں کو خیال رہتا ہے لیکن نبوت کا وہ جُز جس کا تعلق ولایت سے ہے اس کی طرف سے لوگ صَرف نظر کر لیتے ہیں۔ حالاں کہ نبی کی جلوت کے ساتھ خلوت بھی اتنی ہی اہم ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد میں ساری ساری رات قرآن کی تلاوت کرنا فرض نہیں تھا۔ پاؤں مبارک سوج جاتے تھے، بعض دفعہ خون نکل پڑتا تھا۔ یہ ولایتِ نبوت تھی کہ حکم دیا جارہا ہے کہ **وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ**[76] یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت کی آہ تھی جس کا اثر یہ تھا کہ جلوت میں لوگوں کے دلوں میں محبت کی آگ لگا دیتی تھی:

اَکۡرِمُوا الۡعُلَمَآءَ فَاِنَّھُمۡ وَرَثَۃُ الۡاَنۡبِیَآءِ[77]

(علماء انبیاء کے وارث ہیں۔) یعنی تم (علماء) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوت کے بھی وارث ہو اور خلوت کے بھی وارث ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جلوت کا جز تو لے لو اور خلوت کے جز کو رد کر دو۔ انبیاء کی دولت دو طرح کی ہے: ایک دولت جلوت کی اور ایک دولت خلوت کی۔ جلوت کی دولت تو یہ ہے تعلیم و تبلیغ جہاد و غزوات وغیرہ۔ اور:

فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ﴿۷﴾ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ﴿۸﴾[78]

یہ توجہ الی الرّب جو ہے یہی ولایت النبوت ہے، جو وراثت ہے خلوت کی۔ خلوت کی اشکباریاں و آہ و گریہ تہجد اشراق و چاشت اور تنہائیوں میں چُھپ کر اپنے رب کے ساتھ مشغول ہونا یہ بھی نبوت کی وراثت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو جو وارثینِ انبیاء قرار دیا ہے تو اصل وارث وہی عالم ہے جو انبیاء کی جلوت کا بھی وارث ہے اور خلوت کا بھی وارث ہے ورنہ وہ عالم اصل وارثِ انبیاء نہیں ہے جو مجمع میں عوام کے سامنے تو نماز باجماعت بھی ادا کر رہا ہے تقریر و تبلیغ بھی کر رہا ہے، رو رہا ہے کیوں کہ اس میں جاہ مل رہی ہے لوگ ہاتھ پاؤں چوم رہے ہیں، مرغ مل رہا ہے، عزت ہو رہی ہے لیکن تنہائیوں میں اللہ سے بے خبر ہے۔ نہ ذکر ہے نہ آہ ہے نہ آنسو ہیں۔ تم جب

---

[76] المنشرح:۸

[77] کنزالعمال:۱۰/۱۵۰(۲۸۷۶۴)، کتاب العلم، مؤسسۃ الرسالۃ

[78] المنشرح:۸-۷

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت کے وارث نہیں ہو تو جلوت کے بھی وارث نہیں ہو۔ جلوتِ نبوت کی جان خلوتِ نبوت ہے۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ نبوت کی وراثت کے دو جز ہیں ایک وراثت جلوت کی ہے ایک وراثت خلوت کی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان دونوں وراثتوں کی حفاظت کے لیے اُمّت میں الگ الگ رجال پیدا فرمائے۔ جس پر جلوت کی وراثت کو غالب کر دیا گیا اس سے فقہ و حدیث کا کام لیا گیا اور جس پر خلوت کی وراثت کو غالب کر دیا گیا اس سے درد محبت کی آہِ سوختہ جانی کا کام لیا گیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو لوگ خلوت کی وراثت کے حامل تھے وہ جلوت کی وراثت کے حامل نہ تھے یا اس کے برعکس۔ نعوذ باللہ یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ علمائے ربانیین و صوفیا وغیرہ دونوں وراثتوں کے بیک وقت حامل تھے لیکن جس سے جو کام لینا تھا اس پر اس رنگ کو غالب کر دیا گیا، کسی پر جلوت کی وراثت غالب کر دی گئی کسی پر خلوت کی، جس پر جو رنگ غالب تھا اس سے وہی کام لیا گیا۔

۹؍ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۹؍ دسمبر ۱۹۷۰ء
مجلس بوقت صبح ساڑھے گیارہ بجے، ناظم آباد

اعمال اور میزانِ عدل کی تمثیل پولنگ اسٹیشن سے

ارشاد فرمایا کہ جب تک پولنگ ہوتی رہتی ہے تو نہ جیت کا قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے نہ ہار کا۔ اگر کسی پولنگ اسٹیشن پر کسی امیدوار کے حق میں زیادہ ووٹ پڑ رہے ہوں اور اس کو مبارکباد دی جائے کہ آپ کے حق میں بڑے ووٹ پڑے ہیں تو وہ مطمئن نہیں ہوتا بلکہ یہی کہتا ہے کہ بھائی ابھی کوئی اعتبار نہیں، ممکن ہے کسی دوسرے پولنگ اسٹیشن پر ووٹ اتنے کم پڑیں کہ حزبِ مخالف جیت جائے اور میں ہار جاؤں۔ ہاں جب پولنگ ختم ہو جائے گی اور میزان کے وقت میں سب سے بازی لے جاؤں گا وہ وقت خوشی کا وقت ہو گا۔ یہی حال ہمارے اعمال کا ہے۔ ہمارے کان آنکھیں زبان ناک ہاتھ پاؤں اور یہ قلب بھی پولنگ اسٹیشن ہیں جن میں نیکیوں اور برائیوں کے ووٹ پڑ رہے ہیں۔ اگر آنکھیں اللہ کی یاد میں رو رہی ہیں کسی نامحرم کو نہیں دیکھ رہی ہیں زبان اللہ کا

ذکر اور تلاوت کر رہی ہے کان اللہ والوں کی بات سن رہے ہیں تو یہ نیکیوں کے ووٹ پڑ رہے ہیں لیکن ابھی بہت زیادہ خوش مت ہو کیوں کہ ابھی دوسرے پولنگ اسٹیشن باقی ہیں ممکن ہے ہاتھ یا پاؤں یا قلب وغیرہ کے پولنگ اسٹیشنوں پر تمہارے نیکیوں کے ووٹ گھٹ جائیں اور حزبِ مخالف نفس و شیطان کے حق میں زیادہ ووٹ پڑ جائیں یعنی ہمارے ہاتھ پاؤں سے ایسے گناہ کے اعمال سرزد ہو جائیں۔ پس قیامت کے دن جب وہ حقیقی پولنگ آفیسر یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نیکیوں اور گناہوں کے ووٹوں کی میزان کریں گے وہ دن ہار جیت کا دن ہو گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ[۷۹] اس دن قطعی فیصلہ ہو جائے گا کہ کون جیتا اور کون ہارا۔

۱۷؍ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۴؍ اپریل ۱۹۷۱ء

شہواتِ نفسانیہ کی تفہیم ایک مثال سے

ارشاد فرمایا کہ مچھلی پانی میں کانٹے میں لگے ہوئے چارے کو دیکھ کر للچاتی ہے اور چاہتی ہے کہ کسی صورت سے اس لذت کو نہ چھوڑے لیکن اس میں ایک مولانا روہو بھی ہے وہ روہو کہتا ہے کہ دیکھو اس چارے کے قریب بھی نہ جانا اس میں کانٹا لگا ہوا ہے اور اس کی ڈور خشکی پر ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے۔ تم میری بات مان لو، تم وہ کچھ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ میں پیغامبر ہوں میرے قلب کا رابطہ اس پانی کے باہر ایک دوسرے عالم سے ہے۔ میرے قلب پر یہ پیغام خشکی سے نازل ہو رہا ہے۔ اگر تم میری بات نہیں مانو گے اور اس چارے کو نہیں چھوڑو گے تو شکاری ڈور کھینچ لے گا اور یہ چارہ جو آج بڑا دلفریب معلوم ہو رہا ہے تم کو خشکی میں لے جائے گا وہاں پھر تیرے چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں گے پھر وہاں آگ بھی ہے اس پر کھولتے ہوئے گھی میں تجھے ڈالا جائے گا پھر ۲۰؍ آدمی تجھے کھانے آئیں گے جن کی دو سو انگلیاں تیر القمہ بنائیں گی اور چھ سو چالیس دانت تجھے چبائیں گے ۔ مسٹر روہو مولانا روہو کی یہ بات سن کر کہتا ہے۔ مولانا! یہ سب رجعت پسندی کی باتیں ہیں، آپ لوگ رجعت پسند ہیں میں تو اس چارے

---

[۷۹] التغابن:۸

کے گردن نہ چھری دیکھتا ہوں نہ آگ دیکھتا ہوں نہ کھولتا ہوا گھی دیکھتا ہوں اور نہ دو سو انگلیاں ہیں نہ چھ سو چالیس دانت ہیں آپ لوگ معاشرہ پر بدنما داغ ہیں، ہماری لذتوں کو تلخ کرتے رہتے ہیں تو دوستو کیا مسٹر روہو کے اس اعتراض کے بعد معاملہ کی نوعیت بدل جائے گی؟ جو کانٹے پر منہ مارے گا اور اس لذت کو نہ چھوڑے گا یہ تمام مراحل اس کو پیش آئیں گے۔ بس یہی حال انبیاء اور اولیاء کا ہے۔ وہ آخرت کے عذاب کی خبریں اس دنیا میں دیتے ہیں اور یہاں کی ناجائز لذتوں ٹیلی وژن شراب وکباب سے بچنے کے لیے آگاہ کرتے ہیں کہ ان لذتوں و شہوتوں کے پیچھے آگ چھپی ہوئی ہے **حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ**[80] وہ کہتے ہیں کہ ان لذتوں کے چارے پر منہ نہ مارنا ان کے پیچھے بھی نہ جانا ورنہ اس کا انجام آگ اور دوزخ کی تکالیف ہیں۔ پس جو لوگ ایمان لے آتے ہیں وہ امان میں رہتے ہیں اور جو لوگ نبی کی بات نہیں مانتے ان کو دوزخ کے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا جس کی پہلے ہی خبر دی گئی تھی۔

ذکر لاکھ فکروں اور تشویش کے ساتھ بھی مفید ہے

ارشاد فرمایا کہ ذکر اگر تشویشِ قلب کے ساتھ بھی ہو تو بھی نفع سے خالی نہیں ہوتا۔ جس طرح سوداگر کھانا بھی کھا رہا ہے اور گاہکوں کو سامان بھی بیچ رہا ہے چاروں طرف سے ہجوم ہے کسی سے کچھ بات کر رہا ہے کسی کو کچھ دے رہا ہے حالاں کہ اطمینانِ قلب نصیب نہیں اور کھانے کی طرف بالکل توجہ بھی نہیں لیکن اس تشویشِ قلب کے باوجود جو لقمہ حلق سے اترے گا تو معدے میں پہنچ کر وہ خون ہی بنائے گا زہر نہیں بنائے گا۔ جسم میں خون اور طاقت پیدا کرے گا بس اسی طرح ذکر میں خواہ بالکل دل نہ لگے خواہ کتنا ہی وساوس کا ہجوم ہو لاکھ اطمینان و یکسوئی نہ ہو ذکر کیے جاؤ ترک نہ کرو کیوں کہ اس تشویش کے باوجود یہ ذکر اپنا کام کرے گا قلب میں پہنچ کر نور ہی بنائے گا ظلمت نہیں بنائے گا جس طرح لقمہ معدے میں پہنچتا ہے تو خون بناتا ہے۔ یہ نور روح میں قوت و طاقت پیدا کرے گا جو مقصود ہے ذکر کا، اطمینان کے انتظار میں ذکر کو ترک کرنا یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکا

---

[80] صحیح البخاری: ۲/۹۶۰ (۶۵۲۶)، باب حجبت النار بالشہوات، المکتبۃ المظہریۃ

ہے۔ جیسے اگر کوئی اطمینان کے انتظار میں کھانا چھوڑ دے تو کیا ہو گا جسم کمزور ہو گا کہ نہیں؟ اسی طرح یکسوئی کے انتظار میں ذکر کو چھوڑو گے تو روح کمزور ہو جائے گی۔

قبض وبسطِ قلب بمثل مد و جزرِ بحر

ارشاد فرمایا کہ جب چاند اور سمندر کے درمیان سے زمین کی حیلولت بالکل غائب ہو جاتی ہے تو چاند کا پورا نور سمندر پر پڑتا ہے اور سمندر میں مد ہوتا ہے اور لہریں جوش مارتی ہیں، اور جب چاند اور سمندر کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے تو سمندر چاند کے نور سے محجوب ہو جاتا ہے اور یہ حالت حالتِ جزر کہلاتی ہے اور لہروں کا جوش ختم ہو جاتا ہے پس بعینہٖ یہی حال قلب کا ہے۔ جب اللہ اور قلب کے درمیان نفس کی زمین کی حیلولت غائب ہو جاتی ہے یعنی گناہ کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا اس وقت دل میں اللہ کی محبت کا ایک جوش ہوتا ہے۔ جس طرح بحر میں مد ہوتا ہے اسی طرح دل میں بھی ایک جوش ہوتا ہے، اور جب نفس حائل ہو جاتا ہے تو مد غائب ہو جاتا ہے اور جزر ہو جاتا ہے اور سکون و بے کیفی اضمحلال کی کیفیت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے۔

مزاح

۱) احقر نے ایک مزدور کو ایک نل کے بجائے دوسرے نل سے بھرنے کو کہا تو فرمایا کہ اس پر اتنا زور کیوں دے رہے ہو، پھر فرمایا

عشق نے عشرت کو بدھو کر دیا
ورنہ عشرت تھا کبھی کچھ کام کا

۲) نعمانی صاحب بات کرنے کے لیے آ بیٹھے۔ حضرت نے کچھ بات کر کے پھر خط لکھنا چاہا تو نعمانی صاحب نے خط ہاتھ سے کھینچ لیا کہ ہم تو آ کر بیٹھے ہیں آپ خط لکھنے لگے، حضرت نے بے ساختہ فرمایا: اے شوخ تو کیا کرتا ہے۔

۳) اپنے صاحب زادہ سے ایک کام کے لیے فرمایا، انہوں نے کچھ سُستی کی تو فرمایا کہ آپ بالکل بحر الکاہل ہو گئے ہیں۔

۴) ایک مولانا صاحب نے پان پیش کیا تو فرمایا تَرَکْتُ الْپَانَ وَالچھالِیَ جَمِیْعًا بر وزن تَرَکْتُ لَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا اور یہ سب مزاح بے ساختہ ہوتا ہے۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ کے فضل سے الفاظ میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر آتے ہیں کہتے ہیں کہ مجھے بھی استعمال کرلیجیے میں بہت مزیدار ہوں۔

۵) ایک عالم صاحب پسِ پشت بیٹھے تھے مزاحاً فرمایا کہ پیشِ نظر آ جایئے

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے
دلِ بے تاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کا ایک الہامی طریقہ

ارشاد فرمایا کہ بحالت ذکر عُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ[۸۱] کا مراقبہ کرو۔ اپنے کو اہل قبور میں سے شمار کرو۔ ذکر شروع کرنے سے پہلے تھوڑی دیر یہ مراقبہ کرو کہ یہ میرا جنازہ سامنے رکھا ہوا ہے کفن لپٹا ہوا ہے، اتنی گہری فکر کرو کہ کفن کی گرہیں بھی نظر آنے لگیں پھر کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ یہ سوچو کہ جسم تو مردہ ہوگیا روح مجرّد ذکر کر رہی ہے اب نفی لَآ اِلٰهَ کا مزہ ہے۔ اس وقت مراقبہ کرو کہ کوئی نہیں ہے نہ زمین وآسمان ہیں نہ کائنات ہے، ہم بھی نہیں ہیں پوری کائنات میں اے اللہ! صرف آپ ہی آپ ہیں باقی سب فنا ہوگیا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ[۸۲] مخلوق سے یہ انقطاعِ تام وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا[۸۳] کا مصداق ہوگا اس طرح نفی لَآ اِلٰهَ کے بعد جب اِلَّا اللهُ کہوگے تو یہ اِلَّا اللهُ کی ضرب روح پر پڑے گی۔ فرمایا کہ یہ طریقہ حق تعالیٰ نے اس وقت مجھے خاص عطا فرمایا ہے۔ اس طرح لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کے ذکر سے روح پر اس قدر فیضان ہوگا کہ ان شاء اللہ بہت قرب نصیب ہوگا، اور اس طریقے سے ان شاء اللہ وساوس کا تدارک بھی ہوجائے گا۔ اگر وساوس آئیں کہ تجھے فلاں کام کرنا ہے تو فوراً سمجھا دو کہ تو

---

[۸۱] سنن ابن ماجة: ۳۳۹/۲ (۴۱۱۴)، باب مثل الدنیا، المکتبة الرحمانیة

[۸۲] الرحمٰن: ۲۶

[۸۳] المزمل: ۸

تو مردہ پڑا ہوا ہے تجھے کام کیا تو بھی ختم ہو گیا سب کام ختم ہو گئے اب کچھ باقی نہیں صرف اللہ ہے۔ اس مراقبے سے ان شاء اللہ ذکر میں وساوس بھی منقطع ہو جائیں گے اور جمعیتِ قلب کے ساتھ اللہ کا نام لینے کی توفیق ہو جائے گی۔

ارواح پر محبت کی اَزلی چوٹ

ارشاد فرمایا کہ

ذکرِ حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دل مجروح را

مرہم کی قدر کس کو ہوتی ہے؟ جس کے زخم لگا ہوتا ہے۔ یہ حق تعالیٰ کا ذکر ان ہی دلوں کا مرہم ہے جو اللہ کی محبت سے زخمی ہو چکے ہیں۔ ان زخمی دلوں سے اس مرہم کی قدر پوچھو، یہ مرہم کہ ان کے زخم پر کیسی ٹھنڈک عطا کرتا ہے۔ ہاں جن کے دل پر یہ زخم نہیں ہے ان کو اس مرہم کی کیا قدر ہو گی۔ یہ زخم کہاں لگتا ہے؟ یہ زخم ہماری روحوں پر روزِ ازل سے لگا ہوا ہے عالم ارواح میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ[۸۴] کی چوٹ میاں نے پہلے ہی لگا دی ہے۔ ہاں یہ زخم بھر جاتا ہے ہماری غفلت سے، ذرا ان مجلسوں میں بیٹھو جہاں اس چوٹ کو یاد دلایا جاتا ہے، ان مجلسوں میں یہ زخم پھر ہرا ہو جائے گا۔ جیسے جب پُروا ہوا چلتی ہے تو پرانی چوٹ پھر ابھر آتی ہے اسی طرح ان مجلسوں میں بیٹھو جہاں اللہ کی محبت کی پروائیاں چلتی ہیں یعنی مجالسِ اہل اللہ، ان پروائیوں سے یہ چوٹ پھر ابھر آئے گی اور اللہ کی محبت کا زخم پھر ہرا ہو جائے گا اس کے بعد جب ذکر کرو گے پھر مزہ آئے گا زخم لگنے کے بعد ہی اس مرہم کی قدر ہو گی۔

مدرسہ روضۃ العلوم بعد فجر سب سے پہلی بار ایک رات کے قیام کے بعد

اللہ تعالیٰ کے ملنے کے دو ہی راستے ہیں

ارشاد فرمایا کہ اللہ صرف دو راستوں سے ملتا ہے: یا محبتِ نبی سے یا محبتِ ولی

---

[۸۴] الاعراف: ۱۷۲

سے۔ یعنی جب نبی زندہ ہو تو نبی کی محبت سے اور نبی کے بعد اس کے نائبین یعنی اولیاء اللہ کی محبت سے۔ کیوں کہ اللہ کے نبی نے فرمادیا کہ میرے بعد میرے نائبین کی محبت سے تم ولی اللہ بنو گے۔ اس کے علاوہ اللہ کے ملنے کا کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔ باقی سب راستے شیطانی ہیں۔ ہاں ولی وہی ہے جو صحیح معنوں میں نبی کا نائب ہو، جو متبع سنّت ہو اور جس پر نیابت کے آثار ظاہر ہوں، جن کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہو۔ اس سے مراد علمائے ربانیین و صوفیائے کاملین و اولیاء اللہ کی وہ جماعت ہے جس کی زمین پر قیامت تک موجود رہنے کی بشارت احادیث میں وارد ہے اور جن کے لیے فرمایا گیا ہے کہ ان کا جلیس شقی نہیں رہ سکتا اگر ازلی طور پر شقاوت اس کے مقدر میں لکھی جاچکی تو ان کی مجالست کی برکت سے اللہ اس کی تقدیر بدل دے گا۔ نائب وہی ہوتا ہے جس کو خود حاکم مقرر کرتا ہے کہ فلاں ہمارا نائب ہے، جو خود سے اپنے کو مقرر کرے اور نیابت کا دعویٰ کرے وہ نائب نہیں باغی ہے جیسے کہ صدر کی موجودگی میں کوئی وزیر کہے کہ حکومت میری ہے آپ یہاں مہمان کے طور پر ہیں تو کیا انجام ہوگا؟ گرفتار کرلیا جائے گا، گولی ماردی جائے گی، اور جو لوگ ایسے کی اتباع کرتے ہیں ان کو بھی گولی سے اڑادیا جاتا ہے کہ وہ بھی باغی ہیں۔ پس اسی طرح وہ پیر جن کی زندگی سنّت و شریعت کے خلاف ہے وہ نبی کے نائب نہیں ہیں انہوں نے خود اپنے آپ کو مقرر کرلیا ہے، یہ باغی ہیں ان کا انجام دوزخ ہے اور ان کے متبعین کا انجام بھی۔ غرض اگر اللہ کو چاہتے ہو تو بس اللہ کے ملنے کے صرف دو ہی راستے ہیں نبی کے زمانے میں نبی کی محبت اور نبی کے زمانے کے بعد ان کے نائبین یعنی نبی کے متبعین کی محبت۔ اس کے علاوہ کسی تیسرے طریقے سے اللہ نہیں مل سکتا۔

قرآنِ پاک اپنے بندوں کے نام اللہ تعالیٰ کا خط ہے

ارشاد فرمایا کہ کسی کا بچہ اگر جرمنی میں پڑھتا ہے تو اپنی پرورش میں وہ باپ کا محتاج ہے، اگر باپ اس کو منی آرڈر نہ بھیجے یا باپ کے خط میں دیر ہو جاتی ہے تو اس بچے کی آنکھیں ڈاکیا پر لگی رہتی ہیں اور جب باپ کا خط پا جاتا ہے تو کس شوق اور محبت کے ساتھ اس کو پڑھتا ہے کہ ہائے میرے باپ نے اس میں کیا کیا لکھا ہو گا۔ روپیہ بھیجنے کی

خوش خبری دی ہوگی۔ غرض سینکڑوں امیدوں اور آرزوؤں اور شوق و محبت کے ساتھ وہ اس خط کو پڑھتا ہے۔

دوستو! اسی طرح یہ قرآنِ پاک ۳۰/ پاروں کا خط ہے، مولیٰ کا پیغامِ محبت ہے اپنے بندوں کے نام اور ہم اپنی ہر سانس میں اپنے ربّا کے محتاج ہیں جس طرح وہ لڑکا اپنے ابّا کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ[۸۵] اے لوگو! تم ہمارے محتاج ہو۔ تم زمین و آسمان کے درمیان کے ہوسٹل میں رہ رہے ہو، پردیس میں ہو یہ قرآن ہم نے تمہارے پاس اپنا پیغامِ محبت بھیجا ہے تاکہ پردیس اور وطن دونوں میں تم کامیابی کے ساتھ رہ سکو۔ اگر تم مال چاہتے ہو تو اس میں اس کا بھی نسخہ موجود ہے کہ کثرت سے استغفار کرو مال کی تم پر کثرت ہو جائے گی۔ اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ[۸۶] اس آیت میں یہاں اللہ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ سے معافی مانگو بلکہ کہا کہ اپنے پرورش کرنے والے سے معافی مانگو۔ جیسے اگر اولاد نافرمانی کرتی ہے تو باپ کہتا ہے کہ نالائق! میں نے تیری پرورش کی میری ہی نافرمانی کرتا ہے۔ اے نالائق! اپنے پرورش کرنے والے باپ سے معافی مانگ جس طرح باپ اپنی ربوبیت کا حوالہ دیتا ہے اسی طرح اللہ نے اس آیت میں یہی حوالہ دیا کہ اپنے پرورش کرنے والے سے یعنی اپنے رب سے معافی مانگو۔ اسی طرح یہ قرآن دستورِ محبت بھی ہے جس میں آدابِ محبت کی تعلیم دی گئی ہے کہ بندے اللہ سے محبت کرنا سیکھ جائیں۔

نادانی کی محبت سے بجائے رحمت کے غضب نازل ہو جاتا ہے

ارشاد فرمایا کہ نادانی کی محبت نہ کریں کیوں کہ نادانی کی محبت پر بعض دفعہ بجائے کرم کے اور غضب نازل ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک آدمی اپنے سوئے ہوئے محبوب کی مکھیاں اُڑا رہا تھا کہ ایک مکھی بار بار اس محبوب کے چہرے پر آکر بیٹھتی تھی تو ان عاشق صاحب کو بہت غصہ آیا کہ یہ مکھی میرے محبوب کو بہت ستا رہی ہے لہٰذا جب

---

[۸۵] فاطر:۱۵

[۸۶] نوح:۱۰

پھر آکر بیٹھی تو زور کا چپت رسید کر دیا مکھی کا مرنا تو ظنّی تھا لیکن چپت کا چہرے پر لگنا یقینی تھا تو ایسی محبت کس کام کی۔ ایسی ہی نادانی کی محبت کفارِ مکہ نے کرنا چاہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے پیشکش کی تھی کہ ہم آپ کے اللہ پر ایمان لے آئیں گے لیکن ہماری چند شرطیں ہیں اگر آپ ہماری ان شرطوں کو پورا کرلیں تو ہمارے آپ کے درمیان کوئی اختلاف نہ رہے گا اور وہ یہ ہے کہ ایک سال ہم خوب آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے اور اس سال ہم اپنے بتوں کی عبادت نہیں کریں گے اور دوسرے سال آپ ہمارے بتوں کی عبادت کیجیے اور اپنے اللہ کی عبادت نہ کیجیے۔ ان کی یہ نادانی کی محبت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوگئی اور سورۂ قُلۡ یٰۤاَیُّھَا الۡکٰفِرُوۡنَ نازل ہوگئی کہ اے ہمارے نبی! کہہ دیجیے لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ[۸۷] میں ان بُتوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بھلا کہاں اللہ اور کہاں پتھر کے بُت جن پر کتا بھی ٹانگ اُٹھا کر پیشاب کر دیتا ہے۔

اللہ والے شیخ سے کیسی محبت ہونی چاہیے

ارشاد فرمایا کہ جو شخص ولایت کا اعلیٰ ترین مقامِ صدیقیت بلکہ اللہ کے راستے کا پورا مزہ حاصل کرنا چاہے اس کو چاہیے نمبر ایک کسی اللہ والے سے خُلّت کا تعلق قائم کر لے۔ اور خُلّت کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کے علاوہ غیر پر نظر نہ جاوے۔ اللہ و رسول کے بعد اس اللہ والے پر دل و جان سے فدا ہو اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ پر بھی نظر ہے کہ چلو ان سے بھی استفادہ لے لیں تو سمجھ لو کہ اسے خُلّت حاصل نہیں اور یہ شخص صدیق نہیں ہو سکتا۔

اس اللہ والے پر جان و مال و آبرو قربان کرنے کا جذبہ دل میں رکھے کہ اگر میرا شیخ یہ حکم دے کہ چلو جہاد پر چل رہا ہوں تو پھر بیوی اولاد ماں باپ کچھ یاد نہ آئیں۔ اس کی محبت میں اپنی آبرو کی بھی پروانہ کرے کہ اس کی خدمت کروں گا یا ہاتھ چوموں گا یا پاخانہ پیشاب صاف کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے۔ ہر طرح شیخ کے آرام کی

---

[۸۷] الکٰفرون:۱-۲

فکر کرے۔ میں اپنے شیخ کی کڑکڑاتی ہوئی سردیوں میں مالش کرتا تھا اور بدن دباتا تھا تو پسینے چھوٹ جاتے تھے حالاں کہ اس زمانے میں سرد ہوائیں چلتی تھیں بس یہ جذبہ تھا کہ کیسے اپنے شیخ کی جان پاک کو خوش کر دوں، جانے کس وقت دعا منہ سے نکل جائے۔ ایک دفعہ میرے شیخ پھولپور سے پانچ میل دور ایک مدرسہ کے جلسے میں گئے ہوئے تھے، رات بارہ بج گئے اور حضرت کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا میں نے سوچا کہ حضرت رات کو بھوکے سو جائیں گے، میں نے حضرت سے پوچھا بھی نہیں کہ حضرت آپ کا کھانا پھولپور سے لے آؤں کیوں کہ اگر پوچھتا تو حضرت منع کر دیتے کہ کوئی ضرورت نہیں اتنی تکلیف کرنے کی اس لیے میں نے پوچھا بھی نہیں اور چپکے سے سائیکل اٹھا کر پانچ میل پھولپور چل دیا راستے میں چوروں کا بھی خطرہ تھا لہٰذا لاٹھی ساتھ رکھ لی اور سوچا کہ اگر راستے میں مر بھی گیا تو کیا ہے ایک اللہ والے کی خدمت میں مارا جاؤں گا شہید ہو جاؤں گا اور حضرت میرے لیے رو کر کچھ اللہ سے کہہ دیں گے تو میرا کام بن جائے گا۔ میاں یہ محبت ایسی چیز ہے کہ جان کی بھی پروا نہیں رہتی محبت میں آدمی وہ کام کر گزرتا ہے کہ جو چار آدمی نہ کر سکیں۔ بس گُر کی بات یہی ہے کہ کسی اللہ والے سے دل لگا لو اس پر فدا ہو جاؤ تو برسوں کا راستہ منٹوں میں طے ہو جاتا ہے (معلوم ہوا کہ شیخ سے ہر خدمت کو پوچھنا بھی نہ چاہیے بلکہ سمجھ سے کام لے کر خود کر دے کہ شیخ کی جان پاک خوش ہو جائے۔ پوچھنے سے شیخ انکار کر دیتا ہے طالب کی تکلیف کے خیال سے)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا امتحانِ عاشقی اور حق تعالیٰ کی قدردانی

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحان کو بہت بڑا امتحان فرمایا۔ بیٹے کو چھری کے نیچے لٹانا کوئی معمولی کام نہیں ہے دراصل حق تعالیٰ کو اہلِ دنیا کو دکھانا تھا کہ ہمارے عاشقین ہماری محبت میں کیا کیا کرتے ہیں۔ کبھی معشوق چاہتا ہے کہ دنیا والے دیکھیں کہ ہماری محبت میں کیا کیا ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت کا سارا کھیل اسی لیے ہے کہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ اگرچہ ہمارے ان بندوں نے ہمیں دیکھا بھی نہیں لیکن بغیر دیکھے یہ ہم پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے ہیں کوئی آرے سے چیرا جا رہا ہے، کوئی سر کٹا رہا ہے کوئی آگ میں کود رہا ہے کوئی بیٹے کو چھری کے نیچے لٹا رہا ہے یہ کس کی محبت کا نشہ

ہے جو تلوار کی دھار کے نیچے بھی نہیں اترتا تا کہ دنیا والے جان لیں کہ وہ ذات پاک ہر شے سے زیادہ محبوب ہے جس کے یہ عاشق ہیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتحان عظیم امتحان تھا فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ جب ان دونوں نے (حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام) ہماری بات کو تسلیم کر لیا اور بیٹے کو کروٹ سے لٹایا تا کہ ذبح کر دیں تو اللہ نے تصدیق کر دی قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا شاباش! اے ابراہیم آپ نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اور پھر کیا اعزاز نصیب ہوا سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ[۸۸] بندے پر مالک کی طرف سے سلام بھیجا جا رہا ہے۔ غلام پر مالک کا سلام آرہا ہے۔ اللہ اکبر! کیا نصیب ہے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا۔ کہاں بندہ اور کہاں اللہ۔ نبی بھی تو منی کے قطرے ہی سے پیدا ہوتا ہے لیکن قربانی و ایثار نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا کہ اسی بندے پر اب اللہ کا سلام آرہا ہے۔ آہ! کیسی قدر دان ذات ہے وہ غلاموں کو خریدنے والی ذات ہے۔

سنّت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ کرنے کی ایک ترکیب

اب اگر کوئی مومن خواہش کرے کہ میں اس سنّت ابراہیمی کو کیسے زندہ کروں؟ تو اس کی بھی ایک ترکیب ہے۔ اپنی ہر بُری خواہش کو جو چاہے دل کو کتنی ہی محبوب ہو لیکن اللہ کی رضا کے خلاف ہو ذبح کر دو۔ کیوں کہ بعض کے لیے خواہشاتِ نفسانیہ اولاد سے زیادہ عزیز تر اور محبوب ہوتی ہیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے لوگ اپنی اولاد کو چھوڑ کر کسی عورت کے ساتھ بھاگ گئے بچوں کا کچھ خیال نہ کیا۔ تو کیا وجہ ہے؟ یہی کہ ان کی خواہش انہیں اپنی اولاد سے زیادہ عزیز تھی۔ بس جب گناہ کا تقاضا پیدا ہو اور دل تڑپ جائے کہ ہائے اس خواہش کو پورا کر لوں اور خیال آئے کہ دنیا کی کوئی شے مجھے اس خواہش سے زیادہ عزیز نہیں تو فوراً اس کو پچھاڑ دو اور اس پر اللہ کی مرضی کی تلوار چلا دو یعنی اس تقاضے پر ہرگز عمل نہ کرو۔ اس طرح گویا تم نے اپنی اولاد کو اللہ کے راستے میں ذبح کر دیا اور کیا عجب اس قربانی کی برکت سے اللہ اپنے خلیلوں میں حشر فرمادے۔ اور اس تلوار چلانے کے بعد دو نفل پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کرو کہ اے اللہ! اپنی اس خواہش پر جو مجھے اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز تھی میں نے اس پر آپ کے حکم کی تلوار چلا دی آپ

---

[۸۸] الصّٰٓفّٰت: ۱۰۹

محض اپنے فضل سے اس قربانی کو قبول فرمالیجیے۔ اے اللہ! یہ تلوار میں نے کیا چلائی آپ کی دی ہوئی توفیق سے چلی ہے اگر آپ توفیق نہ دیتے تو یہ قربانی دینا میرے بس کا کام نہ تھا۔

کوئی عاشق مزاج اپنی نظر کو جب بچاتا ہے
تو آرے دل پہ چلتے ہیں کلیجہ منہ کو آتا ہے

شکر کرو، کیوں کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے:

لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ[۸۹]

تم شکر کروگے تو ہم زیادہ نعمت دیں گے۔ اس شکر کی برکت سے گناہ کے شدید تقاضوں پر چھری چلانا آسان ہوتا رہے گا، کیوں کہ جتنا تقاضا شدید ہوگا اس تقاضے کو ذبح کرنے یعنی اس کے خلاف عمل کرنے سے نور بھی اتنا ہی قوی پیدا ہوگا۔ اس شکر کی برکت سے حق تعالیٰ یوں ترقی دیں گے کہ تقاضے شدید پیدا ہوں گے پھر حق تعالیٰ کی توفیق سے جب ان پر عمل نہ کروگے تو قرب میں دن بدن ترقی ہوتی رہے گی۔

امتحان کے پرچے

ارشاد فرمایا کہ گناہ کے تقاضوں سے گھبرانا نہ چاہیے بلکہ جب خواہشات زیادہ پیدا ہوں تو خوش ہونا چاہیے کہ امتحان ہورہا ہے۔ یہ خواہشات کیا بس امتحان کے پرچے ہیں۔ بتاؤ! بغیر پرچوں کے کہیں امتحان ہوتا ہے اور کوئی پرچہ نہ دے تو کیا پاس ہوسکتا ہے؟ پس سمجھ لو کہ یہ پرچے ہیں جن کو پاس کرکے تم اللہ کے پاس پہنچ جاؤ گے۔ ان پرچوں پر تمہاری کامیابی موقوف ہے۔ پھر گھبرانا کیا معنیٰ؟ اگر یہ پرچے نہ ہوں تو ترقی بھی ناممکن ہے۔ بتاؤ! امتحان دیے بغیر کسی کو ترقی ملتی ہے؟ ان خواہشات کے پرچوں میں کامیابی ان کے خلاف عمل کرنے سے ہوتی ہے، اگر ان خواہشات کے پرچوں کو حل کرلیا یعنی ان کے خلاف عمل کرتے رہو تو اس دنیا کی امتحان گاہ سے کامیاب جاؤگے مرنے کے بعد تو جو عیش ملے گا وہ ملے گا ہی، دنیا ہی میں روح کو ایسا عیش نصیب ہوگا جو بادشاہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا، اور دنیوی و جسمانی آرام الگ ہے۔ دنیا میں بھی

---

[۸۹] ابراھیم:۷

ایسی ایسی نعمتیں نصیب ہوں گی جو بڑے بڑوں کو نصیب نہیں ہوئیں اگرچہ روح کے عیش کے مقابلے میں ان کی کوئی نسبت نہیں اتنی بھی نسبت نہیں جتنی ذرّہ کو آفتاب سے ہے۔ بعض اولیاء اللہ کا آرام دیکھ کر بعض لوگ للچاتے ہیں کہ یہ لوگ تو بڑے مزے میں ہیں لیکن ان لوگوں کی نظر صرف جسم کے عیش پر ہے روح کے عیش کی تو ان کو خبر ہی نہیں کہ روح کو جو مزہ نصیب ہے جسمانی نعمتیں ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے کرتے کے نیچے جیبیں بنوا رکھی ہوں اور اس میں لاکھوں روپے چُھپا رکھے ہوں اور وہ لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوں۔ دس دس کے کچھ نوٹ کرتے کی اوپر کی جیبوں میں رکھ چھوڑے ہوں جو نظر بھی آ رہے ہوں تو اگر کوئی شخص کرتے کے اوپر کی جیبوں پر للچائی ہوئی نظر ڈالے گا اور کہے گا کہ یہ شخص بڑے مزے میں ہے تو وہ شخص جس کے کرتے کے نیچے لاکھوں روپے چھپے ہوئے ہیں اس شخص پر ہنسے گا کہ بے وقوف تو اوپر کی دولت کو بہت سمجھ رہا ہے تجھے اس دولت کے عیش کی خبر بھی نہیں جو میں نے اندر چھپا رکھی ہے۔ بس یہی حال اولیاء اللہ کے جسم اور روح کے عیش کا ہے۔ لوگ ان کے دنیاوی عیش کو بہت سمجھتے ہیں حالاں کہ اہل اللہ کی ارواح طیبہ کو جو عیش نصیب ہے وہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں جس کی سوائے ان کے کسی کو خبر نہیں۔

روح کی مقوی غذا

ارشاد فرمایا کہ آج کل روح کی غذا کی فکر نہیں ہے۔ جو بہت فکر کی تو بس فرض ڈیوٹی کو کافی سمجھتے ہیں، نماز روزہ کر لیا۔ حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، حدیثِ قدسی ہے:

لَا یَزَالُ عَبۡدِیۡ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ... الخ[۹۰]

کہ صرف فرض کی ادائیگی سے یعنی بغیر نوافل کے کوئی ولی نہیں ہو سکتا اس کے برعکس جسم کے معاملے میں صرف فرض کی ادائیگی پر قناعت نہیں ہوتی۔ کیوں صاحب! کوئی حلوہ اور بالائی اور بریانی کھانا تو فرض نہیں تھا چٹنی روٹی سے بھی جسم کا فرض ادا ہو سکتا

---

[۹۰] صحیحُ البخاری: ٢/ ٩٦٣، (٦٥٤١)، کتابُ الرِّقاق، باب التواضع، المکتبة المظهرية

تھا فرض تو اتنا ہی ہے کہ بس معدہ بھر جائے لیکن اس کے لیے اگر کہو بھی کہ میاں بریانی کی کیا ضرورت ہے بس چٹنی روٹی کھالو تو کہتے ہیں کہ بھائی دفتر کا کام کیسے کروں گا جسم کو کچھ مقوی غذا بھی تو پہنچنا چاہیے ورنہ میں کمزور ہو جاؤں گا۔ جسم کی صحت و قوت کے بارے میں خوب سمجھ آجاتی ہے، وہاں صرف فرض کی ادائیگی پر قناعت نہیں کچھ بالائی دودھ وغیرہ کے نوافل کو کتنا اہم سمجھا جاتا ہے لیکن افسوس یہ عقل نہیں ہے کہ محض فرض ادا کر لینا اور نوافل کا اہتمام نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے جسم کو صرف چٹنی روٹی کھلا دینا اور بریانی کباب بالائی وغیرہ سے محروم کر دینا۔ بس روح کی قوت اور صحت کے لیے کہ اس میں ولایت کی قوت پیدا ہو جائے ضروری ہے کہ اس کو ذکر و نوافل کی بالائی کھلاؤ ورنہ یہ روح بھی کمزور ہو جائے گی اور اس کا انحطاط بھی شروع ہو جائے گا۔

اسلام میں جمہوریت کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہیں ہے کہ جدھر زیادہ ووٹ ہو جائیں ادھر ہی کو ہو جاؤ بلکہ اسلام کا کمال یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے لیکن مسلمان اللہ ہی کا رہتا ہے۔ اگر ساری دنیا کفر کے حق میں ووٹ دے دے تو بھی مومن کا ووٹ اللہ ہی کے لیے وقف رہتا ہے۔ مومن جان دے دے گا لیکن اپنے اللہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر نبوت کا اعلان کیا تھا تو الیکشن اور ووٹوں کے اعتبار سے کوئی بھی نبی کے ساتھ نہ تھا، نبی کے پاس صرف ایک اپنا ووٹ تھا لیکن کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغام کے اعلان سے باز آگئے کہ جمہوریت کیوں کہ میرے خلاف ہے، اکثریت کی ووٹنگ میرے خلاف ہے اس لیے میں اعلانِ نبوت سے باز رہتا ہوں؟ صفا کی پہاڑی پر اعلان ہو رہا ہے بغیر فوج و لشکر، پھر اللہ نے اپنی فوج اور اپنا لشکر دکھایا یہاں تک کہ حق باطل کے بھیجے پر گرا اور باطل کے بھیجے کو پاش پاش کر دیا۔ اس لیے اسلام میں اکثریت و جمہوریت کے ساتھ ہونا ضروری نہیں حق کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اکثریت اگر حق کے خلاف ہے تو حق کی اقلیت اس اکثریت پر غالب ہوتی ہے۔

۲۱/ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۸/ اپریل ۱۹۷۱ء، بروز اتوار

تکلیفِ مجاہدہ کے بعد لذتِ مشاہدہ کی تمثیل

ارشاد فرمایا کہ وضع حمل میں عورت کو کتنی شدید تکلیف ہوتی ہے کہ جان ہونٹوں پر آجاتی ہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس حالت میں مر جائے تو شہید ہے۔ لیکن جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو ماں کے سامنے لایا جاتا ہے اور جس وقت وہ اس کو سینے سے لگاتی ہے تو پوچھو کہ اس وقت کیا اس کو کوئی تکلیف یاد رہتی ہے؟ اسی طرح آج جو بندہ اللہ کے لیے مجاہدات وریاضات کی تکالیف جھیل رہا ہے اور گناہوں کے تقاضوں یا مصیبتوں پر صبر کر رہا ہے یا کسی ظالم کے ظلم پر صبر کر رہا ہے اگرچہ ان تکالیف پر کلیجہ منہ کو آجاتا ہے لیکن ان مجاہدات کی مشقتوں کے بعد جس دن تمہیں اللہ ملے گا بلکہ جس دن اس کے ذرۂ جمال کا مشاہدہ ہو جائے گا اس دن تم مجاہدات کی ساری تکالیف کو بھول جاؤ گے اور بزبان حال کہو گے کہ ہائے یہ تکالیف کیا اگر میری ایک جان نہیں ایک لاکھ جانیں قربان ہو جاتیں پھر اللہ ملتا تو یہ سودا سستا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاکِ رسالت کو کیا مزہ ملا تھا جو آپ یہ فرما رہے ہیں :

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ[۹۱]

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ ایک دفعہ قتل ہونے کا مزہ تو ایک دفعہ کے بعد ختم ہو جائے گا، اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمنا فرما رہے ہیں کہ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ کوئی بے مثل مزہ ہی تو ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ تمنا فرما رہے ہیں۔

---

[۹۱] صحیحُ البخاری: ۱/۳۹۲ (۲۸۱۲)، باب تمنی الشهادة، المكتبة المظهرية

۲؍ ربیع الاوّل ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۲۸؍ اپریل ۱۹۷۱؁ء، بروز بدھ

ایک شعر کی مختصر دردانگیز تشریح

آج حضرتِ والا دامت برکاتہم نے ازراہِ کرم احقر کے لیے یہ شعر فرمایا؎

ہے کس کی جستجو میں ترے درد کا یہ حال
عشرت ہے اپنا چاک گریباں کیے ہوئے

پھر فرمایا کہ اس شعر کے ایک معنیٰ یہ بھی ہیں کہ اللہ کی جستجو میں عشرتیں یعنی راحتیں الم سے تبدیل ہوگئی ہیں اور وہ الم عشرتوں سے زیادہ لذیذ ہے۔

احقر کے بارے میں حضرتِ والا کے دو شعر

تقریباً ۴۳؍ سال پہلے جب احقر حضرتِ والا دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوا اس زمانے میں بے اختیار وقفہ وقفہ سے احقر کے منہ سے سرد آہ نکل جاتی تھی۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرتِ والا دامت برکاتہم نے فی البدیہہ یہ دو شعر فرمائے؎

مجبور ہو کے آہ کرے ہے جو بار بار
شاید ہے کوئی چوٹ اٹھائے ہوئے جگر
سب خوشی قربان ہے برآہِ سردِ عاشقاں
لالہ و گل ہیں فدا برروئے زردِ عاشقاں

علمِ دین حاصل کرنے میں نیت کی درستگی

ارشاد فرمایا کہ علمِ دین حاصل کرنے میں نیت صرف یہ ہو کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے علم سیکھ رہا ہوں یعنی میرا اللہ مجھ سے راضی ہوجائے۔ یہ نیت کرنا کہ اُمّت کو دین سکھاؤں گا، واعظ بنوں گا یا مدرّس بنوں گا، وعظ و نصیحت کروں گا، بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ نیت کرنا درست نہیں۔ اس میں بھی نفس شامل ہوتا ہے۔ دراصل اس میں اُمّت میں بڑا بننے کی نیت چھپی ہوئی ہے۔

جب امام غزالی طالبِ علم تھے بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ علم کیوں حاصل کر

رہے ہو؟ تو فرمایا کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے۔ بادشاہ نے صرف امام صاحب کی وجہ سے مدرسہ بند نہیں کیا ورنہ اس کا ارادہ تھا کہ مدرسے میں تالا ڈال دے کیوں کہ مدرسہ کے تمام طلبہ سے بادشاہ نے یہ سوال کیا تو کسی نے کہا کہ میں واعظ بنوں گا کسی نے کہا کہ میں مدرّس بن کر اُمّت میں دین کی اشاعت کروں گا کسی نے کہا کہ میں امام بنوں گا۔ غرض سوائے امام صاحب کے کسی نے یہ نہیں کہا کہ علم اس لیے سیکھ رہا ہوں کہ اللہ کو راضی کروں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر یہ لڑکا آج مدرسے میں نہ ہوتا تو میں مدرسہ کو تالا لگا دیتا کیوں کہ سارے طالب علم دنیا کے طالب تھے، صرف یہ لڑکا اللہ کا طالب ہے۔ پس علم کے حصول میں نیت کی درستگی کی بہت ضرورت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُمّت کو دین سکھانے کی یا وعظ کہنے کی نیت کرنا یا درس و تدریس کی نیت کرنا بھی تو دین معلوم ہوتا ہے، پھر اس کی نیت کرنے میں کیا نقصان ہے؟ تو اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کرو کہ لیلیٰ اپنی رضا اور ناراضگی کا ایک قانون شایع کردے کہ میں فلاں بات سے اور عمل سے راضی ہوتی ہوں اور فلاں فلاں باتوں سے ناراض ہوتی ہوں اور اس قانون کو پڑھانے کے لیے وہ مدرسے بھی قائم کردے۔ اب جو لوگ لیلیٰ کے قانون کو حاصل کر رہے ہوں ان میں کسی کی نیت یہ ہو کہ میں لیلیٰ کے مدارس کا مدرّس بنوں گا یا کسی کی نیت یہ ہو کہ میں لیلیٰ کے محل کی مسجد کا امام بنوں گا، کسی کی نیت یہ ہو کہ لیلیٰ کا قانون سیکھ کر میں اس کے کسی ضلع میں کمشنر بن جاؤں گا اور کسی کی نیت یہ ہو کہ میں لیلیٰ کا قانون اس لیے سیکھ رہا ہوں کہ اس کے ذریعے یہ معلوم کروں گا کہ لیلیٰ کس بات سے ناراض ہوتی ہے تاکہ اس سے بچوں اور وہ کس بات سے خوش ہوتی ہے تاکہ اس کا اہتمام کروں۔ خود سوچ لو کہ اگر لیلیٰ کو سب طلبہ کی نیت معلوم ہوجائے تو وہ کس سے زیادہ خوش ہوگی؟ وہ اس شخص سے خوش ہوگی جو اس کا قانون اس کی ناراضگی سے بچنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے سیکھ رہا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی اس طالب علم سے خوش ہوتے ہیں جس کی نیت ان کے قانون کے سیکھنے سے محض ان کی رضا ہو۔ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص عہدہ کا اور جاہ کا طالب نہیں ہے، یہ ہمارا طالب ہے۔ یہی ہے یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ[۹۲] وَجۡهٌ کے معنیٰ چہرہ کے ہیں۔ اس سے حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت

---

[۹۲] الانعام:۵۲

ظاہر ہوتی ہے کہ یہ لوگ ہماری رضا کے طالب ہیں۔ یہ ہمیں اس لیے یاد نہیں کرتے کہ یہ لوگوں میں اولیاء اللہ مشہور ہو جائیں یا مفسر اور محدث مشہور ہو جائیں بلکہ یہ ہمارا ارادہ کرتے ہیں، یہ ہماری ذات کے عاشق ہیں۔ ان کی یاد سے ان کی غرض صرف یہ ہے کہ ہم ان کو مل جائیں۔ ہماری محبت میں انہوں نے ہر دو عالم سے صَرفِ نظر کر لیا ہے، سلطنتوں سے بے نیاز ہیں، جان سے بے نیاز ہیں، یہ صرف ہمیں چاہتے ہیں۔

۳؍ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۹؍ اپریل ۱۹۷۱ء، بروز جمعرات

سب سے بڑی دولت سرمایۂ ایمان ہے

ارشاد فرمایا کہ ایمان کی دولت سب سے قیمتی دولت ہے۔ دنیا کی کوئی دولت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

یاد او سرمایۂ ایماں بود

جو شخص دولت مند ہونا چاہے تو اصل دولت مند وہی ہے جس کے پاس یہ دولتِ ایمان ہو۔ اس دولت کی قیمت کا اندازہ لگالو کہ زمین و آسمان صرف اسی کی وجہ سے قائم ہیں۔ جس دن کوئی ایمان والا نہ رہے گا اس دن آسمان گر پڑے گا۔ سورج، چاند، ستارے سب گر پڑیں گے۔ ایمان کی طاقت وہ طاقت ہے جو زمین و آسمان کو روکے ہوئے ہے، یہ نہیں تو یہ کائنات بھی نہیں رہے گی۔ کائنات کی جان ہے ایمان۔ لیکن یہ ہے کس کے پاس؟ یہ ان کے پاس نہیں ہے جن کے جسم پر ریشم کا لباس ہے لیکن اللہ سے باغی ہیں، اور اگر کسی کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں، خستہ حال ہے لیکن دل میں ایمان کی دولت پوشیدہ ہے وہ اصل دولت مند ہے، کیوں کہ موتی تو اندر چُھپا کر ہی رکھا جاتا ہے۔ اس بادام کی کیا قیمت ہے جس کا چھلکا تو خوب چکنا رنگ و روغن والا ہو لیکن جب اس کو پھوڑا جائے تو اندر سے خالی ہو، گری یعنی مغز نہ ہو۔ بادام کی قیمت تو گری ہی سے ہوتی ہے۔ جسم بھی ایک چھلکا ہے اور ایمان گری ہے جس چھلکے میں یہ گری ہے وہی قیمتی ہے چاہے اوپر سے جسم کا چھلکا خستہ و خراب ہو۔ پس قیامت کے دن جب کافروں کے خوبصورت جسموں کو توڑا جائے گا اور ایمان کی گری ان میں سے نہ نکلے گی اس دن معلوم ہو گا کہ یہ جسم کتنے بے قیمت و خراب ہیں۔ اگرچہ دنیا میں یہ بڑے چمک دمک والے معلوم ہوتے تھے لیکن

بات یہ تھی کہ اصل چیز سے تو یہ محروم تھے۔ تو اصل سرمایہ ایمان ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ مان لیا کہ زمین و آسمان بھی ایمان سے قائم ہیں لیکن اللہ کی یاد سے مجھے کیا ملے گا؟ میں تو غریب ہی رہوں گا۔ تو اس کا مولانا جواب دیتے ہیں کہ ؎

ہر گدا از یادِ او سلطاں بود

ہر فقیر اللہ کی یاد سے بادشاہ ہو جاتا ہے۔ تو اس کے کیا یہ معنیٰ ہیں کہ ذکر کرنے کے بعد یہ تار آجائے گا کہ اے بندے تجھے فلاں ملک کا بادشاہ بنا دیا گیا کیوں کہ تو نے ذکر کیا تھا۔ اس سے مراد روح کی سلطانیت اور بادشاہت ہے، روح کا چین ہے، سکون ہے، اطمینان ہے۔ بادشاہوں کو بادشاہت کی بھیک دینے والا جس جان میں آجائے تو بتاؤ کہ اس جان کی بادشاہت کا کیا عالم ہو گا؟ ایسا شخص ساری دنیا کے بادشاہوں کو نگاہ میں نہیں لائے گا۔ ہاں کسی کو حقیر بھی نہیں جانے گا بلکہ ڈرتا رہے گا کہ کہیں کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں کہ جا نالائق! تیرا دل اس قابل نہیں کہ ہم اس میں رہیں۔ وہ ایسا مکین ہے جس پر کسی کا اختیار نہیں۔ اس لیے جس دل میں وہ احکم الحاکمین ہوتا ہے وہ دل تو ڈرتا ہی رہتا ہے اور یوں درخواست کرتا ہے ؎

ہیں مراں از روئے خود او را بعید
آنکہ او یک بار روئے تو بدید

اے اللہ! آپ اپنے چہرے سے اس کو دور نہ کیجیے جس نے ایک بار آپ کا چہرہ دیکھ لیا۔ رو یعنی چہرے سے کیا مراد ہے؟ جو آپ کی یاد میں رو رہا ہے، گناہوں سے بچنے کی تکلیفیں جھیل رہا ہے، طاعتوں کا اہتمام کر رہا ہے، اس نے گویا آپ کا چہرہ دیکھ لیا، آپ کا قربِ خاص حاصل کر لیا اور اس کو یہ اکرام و اعزاز نصیب ہو گیا۔ تو اے اللہ! جو صرف ایک دفعہ بھی آپ کی یاد میں رو لیا ہو آپ اس کو اپنے دیدار سے محروم نہ کیجیے، اپنے سے دور نہ کیجیے یعنی گناہوں کے ابتلا سے محفوظ فرمائیے۔ آپ کے قرب کے بعد آپ سے دوری سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی ذلّت نہیں۔

پس یہ سرمایۂ ایمان حق تعالیٰ کی یاد ہی سے نصیب ہوتا ہے۔ اب اس کی کوئی

حد نہیں ہے جو جتنا چاہے کما لے۔ دنیا کی کمائی کے لیے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے، خون اور پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے تب جا کر دنیا ملتی ہے لیکن اللہ کی یاد سے جو بادشاہت ملتی ہے اس بادشاہت کے لیے نہ فوج و لشکر کی ضرورت ہے نہ تخت و تاج کی۔ یہ سلطنت فرشِ خاک پر نصیب ہو جاتی ہے۔ کپڑے پر پیوند لگے ہوئے ہیں، خاک پر ایک اللہ والا بیٹھا ہوا ہے لیکن روح عرش پر اللہ کے قرب خاص سے مشرف ہے، بغیر تخت و تاج و بغیر لشکر و سپاہ کے اس کو کیسی سلطنت حاصل ہے، اس کیفیت کو کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس کے جس کو یہ نصیب ہو جائے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ سب سے بڑی دولت کا حاصل کرنا اللہ نے سب سے زیادہ آسان کر دیا، اپنی غلامی پر ان کی ولایت کا تاج رکھ لو تم شاہوں کے شاہ ہو جاؤ گے اور یہ نصیب ہو گی ان کی یاد سے۔ یاد کی کوئی حد نہیں جو جتنا اللہ کو یاد کرے گا یہ سرمایۂ ایمان اس کو اتنا ہی زیادہ نصیب ہو گا۔ اب اپنا اپنا ظرف ہے جو جتنا چاہے لے لے۔ لیکن از خود ذکر شروع نہ کرے، شیخ سے مشورہ کرے، وہ بتائے گا کہ کتنا ذکر کرو۔ ورنہ زیادہ ذکر کر کے پاگل ہو جاؤ گے۔ جس طرح ڈاکٹر سے مشورہ کر کے دوا کھاتے ہو، اپنی رائے سے نہیں کھاتے۔ بس جتنا شیخ ذکر بتائے اتنا کرو۔ اس طرح جب ذکر کی عادت پڑ جائے گی تو بغیر ذکر کے چین نہ آئے گا۔ جس شخص کی آمدنی ۱۰۰؍روپیہ روزانہ ہو اس کو اگر کسی دن سو روپیہ نہ ملے تو دل کو کیسی بے چینی ہوتی ہے کہ ہائے آج سو روپیہ نہیں ملا۔ اسی طرح ذکر کے ناغہ سے دل کو بے چین ہو جانا چاہیے کہ دونوں جہاں سے زیادہ قیمتی چیز آج ضایع ہو گئی۔ جب تک ذکر نہ کر لو دل کو چین نہ آئے۔

۵؍ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق یکم مئی ۱۹۷۱ء

آیتِ شریفہ میں ظَلُوْمًا جَھُوْلًا فرمانا دُشنامِ محبت ہے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا[۹۳]

---

[۹۳] الاحزاب:۷۲

ہم نے اپنی محبت کی امانت پیش کی آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر تو انہوں نے مارے ڈر کے انکار کر دیا اور انسان نے اس بارِ امانت کو اٹھالیا۔

بارِ امانت یعنی احکامِ شریعت کو اٹھانے سے زمین و آسمان نے اپنے ضعف کی وجہ سے انکار کر دیا لیکن انسان نے اٹھالیا اس وجہ سے کہ اس کے اندر عشق کا مادّہ تھا، محبت میں آدمی اپنی طاقت سے زیادہ کام کر جاتا ہے حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ انسان نے اس بارِ امانت کو اٹھالیا کہ میاں آپ حکم کریں اور میں نہ اٹھاؤں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

ترے جلوؤں کے آگے جان کو ہم کیا سمجھتے ہیں

میاں نے جو آگے فرمایا کہ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا یہ دشنامِ محبت ہے۔ جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کوئی بوجھ اٹھانے کو کہے جو اس بچے کی طاقت سے زیادہ ہو اور وہ بچہ اٹھالے تو باپ محبت سے کیا کہتا ہے ارے بدھو! یہ تو نے کیا اٹھالیا یہ محبت میں کہتا ہے۔ یہاں جو میاں نے ظالم کہا تو یہ بوجہ محبت ہے۔ یہاں میاں نے اپنے بندوں کی دلجوئی کے لیے اپنا پیمانۂ محبت چھلکا دیا کیوں کہ وہ ہمارے مزاج سے واقف ہیں کہ یہ ظالم کہنا محبت کی بات ہے ہمارے بندے ہماری اس بات کو سمجھ لیں گے کہ ہم جو یہ ظالم کہہ رہے ہیں تو یہاں یہ معنٰی نہیں کہ تم سچ مچ ظالم ہو بلکہ اس وقت ہم مارے محبت کے یہ کہہ رہے ہیں جیسے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

مستی سے ترا ساقی کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے وہ مے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

یہاں شیخ کو مرید ظالم کہہ رہا ہے۔ ایک خاص مقامِ محبت پر یہ کہہ رہا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ علمائے عاشقین نے ہی سمجھا ہے۔ خشک مولوی اس کا ترجمہ سمجھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی انسان کا نام قرآن میں جگہ جگہ کس عزت و اکرام سے لیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا [۹۴]

اور:

---

[۹۴] النسآء:۱۲۵

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ[۹۵]

اور اگر بندے کو خلیل فرمانا، اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ فرمانا وغیر ذالک محبت ہے تو یہاں ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا فرمانا یہ جانِ محبت ہے۔ اس ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا کا لطف ان جانوں سے پوچھو جو اللہ کی عاشق ہیں۔ اس دشنام میں آج بھی ان کو کیا لذت مل رہی ہے ؎

جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

۶؍ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۲؍ مئی ۱۹۷۱ء

جنّتی ہونے کی علامت

ارشاد فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں یعنی جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دے دی تھی کہ یہ جنّتی ہیں پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پر جب کبھی غلبۂ خوف ہوتا تھا تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ جو صاحبُ السِّر تھے ان سے پوچھا کرتے تھے کہ ابو حذیفہ سچ بتلانا کہیں حضور صلی اللہ علیہ سلم نے مجھے منافق تو نہیں بتایا تھا۔ اب یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر یقین نہیں تھا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنّتی ہونے کی خبر دے دی تو کیا وجہ ہے کہ نبی کی اس بشارت کے باوجود وہ خود کو منافق سمجھ رہے ہیں؟ کیا بشارتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو یقین نہیں تھا؟ تو اس کا جواب میرے شیخ نے دیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی اپنے نفس پر اس حد تک بدگمانی کہ اپنے ایمان تک پر شبہ کرنا یہ اس بشارت کا جز اور علامت ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ دیکھو یہ ہیں جنّتی بندے جو اپنے نفس سے کس قدر بدگمان رہتے ہیں۔ یہی علامت ان کے جنّتی ہونے کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی اپنے نفس سے اس بدگمانی سے ان کا بشارت کا مصداق ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگیا تاکہ اہلِ دنیا سمجھ جائیں کہ وہ لوگ جو جنّتی ہیں وہ اپنے نفس پر کس قدر بدگمانی رکھتے ہیں اور

---

[۹۵] هود:۷۵

اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں انہیں اپنے ایمان پر بھی بھروسہ نہیں ہوتا کہ نہ معلوم دل کے اندر کیا ہے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس کے برعکس کافر کے دل میں کبھی کوئی کھٹکا نہیں ہوتا اس کو اپنے نفس سے بدگمانی نہیں ہوتی وہ سمجھتا ہے کہ میں مقبول ہوں بخشا بخشایا ہوں یہ علامت ہے اس کے دوزخی ہونے کی۔

دین پر ثابت قدمی کا نسخہ

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا لَقِیۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡکُرُوا اللہَ کَثِیۡرًا الخ[۹۶]

اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ جماعتِ کفار سے ہوگا اس وقت شیطان تمہارے پاس آئے گا اور کہے گا کہ تلوار سے لڑنے میں تمہیں بڑی تکلیف ہوگی، بیوی بچے چھوٹ جائیں گے، مال و دولت چھوٹ جائے گا، عیش و آرام ختم ہو جائے گا، کہاں جاتے ہو چلو گھر بیٹھو اے میرے بندو! جب شیطان تمہارے دل میں ایسی کمزوری ڈالے تو تم ثابت قدم رہو اور ہرگز اس کے کہنے پر عمل نہ کرنا۔ لیکن یہ ثابت قدمی جو تمہیں صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکے کیسے حاصل ہوگی وَاذۡکُرُوا اللہَ کَثِیۡرًا کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ اس کثرتِ ذکر کی برکت سے تم میں ایسی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ کافر کی گردن کاٹنا کیا اپنی گردن کٹانا آسان ہو جائے گا۔ تمہیں اپنی جان دینا آسان ہو جائے گا کیوں کہ جان کی جان تو ہم ہیں، اس ذکر کی برکت سے جب ہم تمہاری جان میں آجائیں گے پھر تم اپنی جان کو ہمارے لیے سستا کر دو گے۔ پھر تمہیں اپنی جان حقیر و بے قیمت نظر آئے گی۔ بس کافروں کے مقابلے کے لیے ثابت قدمی کا نسخہ صرف ہمارا ذکر ہے، اگر ہمارا ذکر چھوڑ دو گے تو پھر تمہاری ہمتیں پست ہو جائیں گی اور کافر تم پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ اس دور میں کافروں سے جہاد کا تو ابھی وقت نہیں آیا اگرچہ جہاد اپنے وقت پر قیامت تک جاری رہے گا لیکن ایک دوسرا جہاد ہے۔ جو اب بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا وہ نفس کے ساتھ جہاد ہے نفس میں خواہشات کے لاکھوں کافر پوشیدہ ہیں جو نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ جملہ

---

[۹۶] الانفال: ۴۵

طاعات میں مانع ہیں اور گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں پر ہر وقت آمادہ ہیں۔ کفر و اسلام کی جنگ قلب میں ہر وقت جاری ہے۔ کافروں سے جنگ کرنا نفس کے ساتھ جنگ کرنے سے آسان ہے یعنی خواہشات کے کافروں سے جنگ مشکل ہے کیوں کہ یہ دشمن ایسے ہیں جو پہلو میں چھپے ہوئے ہیں اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ فِیْ جَنْبَیْكَ[۹۷] آستین کا سانپ جو ہوتا ہے وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے گھر کے اندر جو دشمن ہوتا ہے وہ زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے اس لیے ان بڑے دشمنوں سے یعنی خواہشات سے مقابلے میں ثابت قدمی کیسے نصیب ہوگی وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اسی ذکر کی برکت سے۔ ذکر کی کثرت سے اپنی ہر اس خواہش پر جو اللہ کے مقابلے پر آئے گی تمہیں اس خواہش پر تلوار مارنے کی ہمت پیدا ہوجائے گی۔ نماز کے وقت خواہش کہے گی کہ نیند اچھی آرہی ہے سوتا رہے، کہاں جاتا ہے تم اس ذکر کی برکت سے اس خواہش کو قتل کردوگے، اسی طرح نفس کہے گا کہ فلاں عورت خوبصورت ہے ذرا دیکھ لے اس ذکر اللہ کی برکت سے تمہاری تلوار خواہشات کے تمام کافروں کو قتل کردے گی یعنی ایسی ہمت پیدا ہوگی کہ خواہشات کے مقتضیٰ پر عمل نہ کروگے، اور خواہش کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرنا ہی اس کو قتل کرنا ہے۔ دین پر ثابت قدمی کے لیے ذکر اللہ کا نسخہ اکسیر ہے اگر اس کو چھوڑ دوگے تو پھر خواہشات کے مقابلہ کی ہمت بھی پست ہوجائے گی اور یہ کافر تم پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔ تمہارا دارالخلافۂ قلب جس پر اللہ کی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا تھا اب اس پر خواہشات و نفس و شیطان کی حکومت ہوجائے گی۔ نفس کے ساتھ یہ جنگ صرف ذکر کے دوام سے جیتی جاسکتی ہے ورنہ خواہشات کا مقابلہ مشکل ہے۔ غرض یہ آیتِ شریفہ دونوں قسم کے جہاد یعنی کفار کے ساتھ جہاد اور خواہشاتِ نفس کے ساتھ جہاد دونوں پر حاوی ہے۔ کسی کا دل اللہ کی یاد میں نہ لگتا، ہو دنیا کے پردیس میں دل بالکل لگ چکا ہو، طاعتوں سے بے رغبتی ہوگئی ہو، گناہوں کو چھوڑنے کی بالکل ہمت نہ رہی ہو۔ غرض خواہشات کے کافروں کا کیسا ہی غلبہ ہوچکا ہو کسی اللہ والے کے مشورے سے ذکر شروع کردو، ذکر سے رفتہ رفتہ سب آسان ہوجائے گا۔ ذکر سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جب اللہ کی محبت پیدا ہوجائے گی تو نماز

---

[۹۷] مرقاۃ المفاتیح: ۳/۳۷۲، باب التطوع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

روزہ اور گناہوں سے بچنا کیا اللہ کو بغیر دیکھے ان پر جان دینا آسان ہو جائے گا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بساں کیں دولت از گفتار خیزد

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ[۹۸] اس قضیہ کا عکس کرلو مَنْ اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ اَحَبَّ شَیْئًا جس چیز کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے اس کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی نے مٹھائی نہ کھائی ہو کوئی اس کے سامنے بار بار مٹھائی کا ذکر کرے گا تو ایک دن اس کے دل میں مٹھائی کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

برائی کا بدلہ نیکی سے دینے کی تلقین

ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے تم کو تکلیف پہنچے اس سے تم مہربانی کرو۔ اللہ کے خاص مقرب اور ولی ہونا چاہتے ہو تو دل وگردہ کو مضبوط کرلو۔ مہربانی کے بدلے مہربانی کرنا کیا کمال ہے۔ کافر بھی مہربانی کے بدلے مہربانی کرلیتا ہے۔ پرتاب گڑھ میں ایک شدید ضرورت میں میں نے ایک بنیے سے قرض مانگا، کہا کہ میاں جتنا جی چاہے لے لیجیے آپ کے باپ دادا کے مجھ پر بہت احسانات ہیں، یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب ان ہی کی بدولت ہے۔ ظلم کے بدلے مہربانی کرنا دل گردہ والوں کا کام ہے۔

جفا بینند و مہربانی کنند

مخلوق سے ظلم دیکھو اور اس کے ساتھ مہربانی کرو۔ پتھر کا کلیجہ چاہیے اس کے لیے، ظلم دیکھ رہے ہیں اور مہربانی کر رہے ہیں کیوں کہ ہمارا اللہ ہم سے راضی ہو جائے۔ نظر میاں پر لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو! کوئی تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تم اس کے ساتھ اچھائی کرو۔ جنگِ احد میں کافروں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے کان، ناک اور کلیجہ کاٹ کر چبا لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لاش مبارک دیکھی تو قسم کھالی کہ جب تک ستر کافروں کے اسی طرح

---

[۹۸] شعب الایمان للبیہقی: ۳۸۸/۱ (۵۰۱)، فصل فی معانی المحبۃ، مکتبۃ دار الکتب العلمیۃ

سے ناک اور کان نہ کاٹ لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ آیات نازل ہو گئیں:

وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ [۹۹]

اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو لے سکتے ہو جائز تو ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کے بدلے میں ستّر کو مار دو۔ ایک کے بدلے ایک کو مار سکتے ہو لیکن اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ صبر کرو اور لوگوں کو معاف کر دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلا کر اعلان فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صبر اختیار کرتا ہے مجھے بھی وہی بات پسند ہے جو میرے اللہ کو پسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم توڑ دی اور کفارہ ادا فرمایا۔ لیکن کسی سے تکلیف پہنچے اور پھر اس کے ساتھ مہربانی کرے یہ ہر ایک کے بس کا کام نہیں، یہ وہی کر سکتے ہیں جن کو ایمان و یقین کا خاص درجہ حاصل ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مقامِ قرب پر فائز فرمایا ہے۔ ہر ایک کو یہ نعمت نہیں ملتی۔

نہ ہر سینہ را راز دانی دہند
نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند

ہر سینے کو اپنا رازداں نہیں بناتے اور ہر ایک کو ایسی نظرِ عنایت عطا نہیں فرماتے جو دوسروں کو صاحبِ نظر بنا دے۔ اگر یہ نعمت ایسی عام ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتے:

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِيۡمٍ [۱۰۰]

ترجمہ: نہیں دی جاتی یہ نعمت مگر ان لوگوں کو جو بڑے صبر کرنے والے ہیں اور نہیں دی جاتی یہ نعمت مگر بڑے نصیب والوں کو۔

مراد اس سے اولیاء اللہ ہیں مخلوق کے ظلم کو دیکھ رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ یہ کون کرے گا جس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہو گا جو ان کی رضا کو ڈھونڈتا رہتا ہے جو ہر وقت تلاش میں رہتا ہے کہ کون سی ایسی بات کر لوں کہ میاں راضی ہو جائیں:

---

[۹۹] النحل:۱۲۶

[۱۰۰] حٰمٓ السجدۃ:۳۵

يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا[۱۰۱]

وہ یوں سوچتا ہے کہ حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہوں اگرچہ میرے نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن میرا اللہ اس سے خوش ہوگا اگر میں اسے معاف کردوں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک صحابی کا وظیفہ بند کردیا تھا کیوں کہ نادانی کی وجہ سے ان کی بیٹی کو تہمت لگانے والوں میں شریک ہوگئے تھے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا آیاتِ معافی نازل ہوئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا صدیق کو یہ پسند نہیں کہ وہ ہمارے ایک بندے کی خطا معاف کردیں تاکہ اللہ ان کی خطائیں معاف کردے۔ صدیق کو یہ زیبا نہیں کہ وہ بُرائی کرنے والوں کے ساتھ بُرائی سے پیش آئے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان صحابی کو معاف فرمادیا اور پہلے سے زیادہ احسان فرمانے لگے۔

ایک بزرگ کشتی پر جارہے تھے اس پر کچھ بھانڈ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ان بزرگ کا مذاق اڑانا شروع کردیا۔ بہت سے لوگ اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی ملے جس کا مذاق اڑایا جائے، یہ نہیں دیکھتے کہ کس کے ساتھ مذاق کیا جائے اور کس سے نہیں۔ ان بزرگ نے دعا کی کہ اے اللہ! ان لوگوں کو نظر عطا فرمادیجیے یہ مجھے پہچانتے نہیں میرے دل کو جو تعلق آپ کے ساتھ ہے یہ اسے جانتے نہیں۔ جب کسی نبی نے یا ولی نے مظلوم ہوکر ظالم کے لیے دعا کی ہے وہ تیر کی طرح پہنچی ہے۔ جس سے تکلیف پہنچے اس کے لیے دعا کیا کرو بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ ان اللہ والے بزرگ کی دعا قبول ہوگئی اور جب ان بزرگ کا مقام منکشف ہوا تو قدموں میں آگئے اور معافی چاہی اور وہ لوگ اسی وقت صاحبِ نسبت ہوگئے۔ میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک برا بھلا کہنے والے کو اس سستی کے زمانے میں پانچ روپیہ کی امرتی بھیجی تھی اور فرمایا تھا کیوں کہ آپ میرے محسن ہیں آپ نے میرے گناہ دھودیے اس لیے یہ نذرانہ پیش کرتا ہو۔ (ایک صاحب نے کہا کہ میں نے یہ ملفوظ پڑھا ہے۔) ارشاد فرمایا کہ میں نے پڑھا پڑھایا نہیں میں نے تو اپنے شیخ سے سنا ہے۔ شیخ سے سنی ہوئی بات کچھ اور اثر کرتی ہے۔ پڑھنے میں وہ بات کہاں ملتی ہے۔

---

[۱۰۱] الفتح:۲۹

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خود کتنے بڑے عالم تھے اپنے وقت کے امام غزالی اور امام رازی تھے اور دین کا کتنا عظیم الشان کام اللہ نے ان سے لیا، لیکن فرماتے تھے کہ سب حاجی صاحب کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ شیخ کا فیض نہ ہو تو علم سے بھی نفع نہیں ہوتا۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ مولانا تھانوی ایک جگہ وعظ فرما رہے تھے کہ میں نے خود وہ منظر دیکھا ہے کہ لوگ تڑپ رہے تھے، چیخ رہے تھے۔ کسی پر گریہ طاری تھا، کوئی آہیں بھر رہا تھا۔ حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اچانک ایک نعرہ لگایا ”ہائے امداد اللہ“ اور منبر پر بیٹھ گئے۔ بعد میں کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہوا۔ تو فرمایا کہ حاجی صاحب کی برکت سے اتنے مضامین قلب میں آرہے تھے کہ مجھے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ کون سا مضمون پہلے بیان کروں اس لیے تشکر میں میرے منہ سے بے اختیار یہ نعرہ نکل گیا۔

۸؍ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ مطابق ۴؍ مئی ۱۹۷۱ء

آج حضرتِ والا دامت برکاتہم نے ازراہِ لطف و کرم کمالِ شفقت سے اس ناکارہ ارذل الخلائق کے لیے یہ شعر فرمایا۔

مرے پاس عشرت کے آنے سے اے دل
ترے عیش و عشرت کے دن آگئے ہیں

سائنس اور اہلِ سائنس کا بطلان

ارشاد فرمایا کہ اے سائنس دان مخلوق بن کر تو انکار کی جرأت کیسے کرتا ہے۔ یا تو خالق بن کر دکھا کہ مکھی کا ایک پر ہی پیدا کر دے تو ہم تیری بات مان لیں گے کہ کیوں کہ اس نے مکھی کا پر پیدا کر دیا ہے اس لیے اس کا یہ کہنا کہ آسمان مخلوق نہیں ہے یعنی موجود نہیں ہے صحیح ہے۔ جب تو مکھی جیسی ادنیٰ مخلوق کا پر پیدا نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا کہ تو خالق نہیں ہے بلکہ ٹخنے موتنے والا ایک انسان ہے۔ جب تو خالق نہیں ہے تو تیرا یہ دعویٰ بھی باطل ہے کہ آسمان موجود نہیں ہے، کیوں کہ خالقِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا

ہے کہ ہم نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ اور تیرا یہ کہنا کہ یہ جو آسمان نظر آتا ہے یہ آسمان نہیں ہے بلکہ ہماری حدِ نظر ہے یہ دعویٰ بھی باطل ہے کیوں کہ جناب کی حدِ نظر کی حقیقت تو یہ ہے کہ تین میل کے فاصلے پر آسمان و زمین ملتے ہوئی نظر آرہے ہیں، حالاں کہ زمین و آسمان ملے ہوئے نہیں ہیں، جناب کی ایسی ضعیف نظر بھروسے کے قابل نہیں ہے۔ آپ کی حدِ نظر کا حال تو یہ ہے کہ تیری آنکھوں کی پتلی سے مل کر ہوا کا عبور اور مرور ہو رہا ہے، ہوا میں اور تیری آنکھوں کی پتلی میں ایک اعشاریہ کا بھی فصل نہیں ہے لیکن جناب کی حدِ نظر کا یہ حال ہے کہ ہوا کو دیکھ نہیں رہی۔ ایسی ضعیف حدِ نظر آسمانوں کو کیا دیکھے گی۔ اسی طرح اگر کوئی گلاب جامن کے اندر اگر انجکشن سے جمال گوٹے کے دو تین قطرے ملا دے اور تیرے سامنے پیش کرے آپ بڑے مزے لے کر کھا جائیں گے کیوں کہ آپ کی حدِ نظر تو صرف گلاب جامن کے گُلّے تک ہے اس کے اندر کے دو تین قطروں تک بھی نہ دیکھ سکی۔ جب آنجناب کی نظریں اتنی دروغ بیں ثابت ہو چکی ہیں کہ آپ کی نظر کتنا غلط دیکھتی ہے تو وہی دروغ بیں نظریہ دروغ گوئی کر رہی ہے کہ آسمان نہیں ہے صرف خلا ہے۔ ہم اس کو جو خالقِ اکبر ہے جو اعلان کر رہا ہے کہ ہم نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے ہم اس کو چھوڑ کر تجھ جیسے جھوٹے کی بات کیسے مان لیں۔ کیوں کہ پہلے آنکھ دروغ بینی کرتی ہے کیوں کہ نظر غلطی کرتی ہے پھر اس غلط بینی کو جب یہ سائنس داں اور ان کے متبعین زبان پر لے آتے ہیں تو دروغ گوئی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اس لیے مذکورہ بالا دو جرموں کے مرتکب ہیں ایک دروغ بینی دوسری دروغ گوئی۔

قلب پر رحمانی حکومت اور شیطانی حکومت کی پہچان

ارشاد فرمایا کہ آسمان پر جھولو لیکن خدا کو نہ بھولو۔ اگر خدا کو بھول گئے تو تحت الثریٰ میں گر جاؤ گے۔ جو خدا کو بھول گئے موت کے وقت جب ان کے جسم کا لباس اُترتا ہے تو اس وقت انہیں اپنی مفلسی اور بے چینی کا احساس ہوتا ہے۔ مومن ہو یا کافر جسم کا لباس بھی اُتر جاتا ہے لیکن اللہ والوں کی روح کو جو چین و سکون اور سلطانیت نصیب ہوتی ہے اسے موت بھی نہیں چھین سکتی۔ اس لیے قلب کے دار الخلافہ پر اللہ

کی حکومت کا جھنڈا لہرا دو۔ کافر کا دل بھی ایک مملکت ہے اور مومن کا دل بھی ایک مملکت ہے لیکن ایک شیطانی مملکت ہے، ایک رحمانی مملکت ہے۔ پتا کیسے چلے گا؟ جھنڈے سے۔ جس مملکت پر جو جھنڈا ہے وہ مملکت اسی کی ہے۔ اگر دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور احکامِ شریعت کی حکومت ہے تو دل کے دارالخلافہ پر اللہ کی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اس کے برعکس اگر دل پر کفر و طغیان اور نافرمانی کی حکومت ہے تو سمجھ لو کہ دل پر شیطانی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا ہے جس کا انجام دوزخ ہے۔

دین محبت ہی محبت ہے

ارشاد فرمایا کہ نفس تو تجارت کرتا ہے کہ ڈھائی سو روپیہ زکوٰۃ دینے میں تو بڑا نقصان ہے۔ نفس کی اس پُر فریب تجارت سے بچنے کے لیے کسی اہلِ محبت کی صحبت کی ضرورت ہے۔ اس کی صحبت جانِ تاجر کو جانِ عاشق بنائے گی۔ وہ اس سے کہے گا کہ نالائق محبت میں کہیں حساب لگایا جاتا ہے۔ محبت میں تو آدمی محبوب پر آنکھیں بند کر کے خرچ کرتا ہے۔ تو کیا حساب لگاتا ہے۔ دین پورا عشق ہے۔ کبھی عاشق چاہتا ہے کہ محبوب پر مال خرچ کرے۔ ہم پر خرچ کرو زکوٰۃ دو، صدقات دو۔ کبھی عاشق چاہتا ہے کہ محبوب سے باتیں کرے۔ نماز میں بندہ اللہ سے باتیں کرتا ہے اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ[١٠٢] اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ کبھی عاشق چاہتا ہے کہ محبوب کے گھر کے چکر لگائے۔ تمہاری فطرت میں ہم نے عشق رکھ دیا آؤ ہمارے گھر کا طواف کرو۔ کسی کی جب اپنے محبوب دوست سے ملاقات ہوتی ہے تو عاشق کہتا ہے کہ آپ کو دیکھ کے میں کھانا پینا بھی بھول گیا۔ اللہ نے روزے کا حکم دے دیا کہ ہماری یاد میں کھانا پینا بھی بھول جاؤ۔

ظرف کی قیمت مظروف سے ہوتی ہے

ارشاد فرمایا کہ ظرف کی قیمت مظروف سے ہوتی ہے۔ شیشی کی کیا قیمت ہے؟ بے قیمت ہے۔ ایسی شیشی میں ایک لاکھ کا عطر رکھ دیجیے وہی شیشی اب ایک لاکھ

---

[١٠٢] الفاتحۃ:۴

میں بک جائے گی۔ اس لیے نبی کا جسم قیمتی ہوتا ہے تعلق مع اللہ سے، کیوں کہ اس کے قلب میں اللہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر مدفون ہے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ حصہ کعبہ سے بھی افضل ہے، عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم قیمتی ہے تعلق مع اللہ سے اور زمین کا وہ ٹکڑا قیمتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے۔

سچا مسلمان بننے کی چار تدابیر

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی نے خواجہ صاحب سے فرمایا تھا کہ جس میں یہ چار باتیں نہ ہوں گی وہ گھٹیا قسم کا آدمی ہوگا یعنی بغیر ان چار باتوں کی پابندی کے کوئی اللہ کا مقرب اور ولی نہیں ہوسکتا:

ذکر اللہ کا اہتمام

ان میں سب سے پہلے تو ہے ذکر۔ ذکر پابندی کے ساتھ کرتے رہو، ناغہ نہ کرو۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ اگر اتفاق سے کسی دن کوئی خاص مشغولی ہوجائے تو بھی ناغہ نہ کرنا چاہیے۔ تعداد چاہے ۴/۱ کردو یا ۱۰/۱ کردو لیکن کرو ضرور۔ ناغہ کرنے سے بے برکتی ہوجاتی ہے۔ میرے شیخِ اوّل حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دفعہ پھوڑا نکلا تھا، چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوگئے تھے لیکن لیٹ کر سارے معمولات پورے کرلیتے تھے۔ ذکر ایسی چیز ہے کہ جب مومن ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتا ہے تو ساتوں زمین اور ساتوں آسمان پر اس کی بادشاہت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے مقابلے میں ہلکے ہیں۔ اگر کوئی کہے نماز فرض ہے فرض ادا کرتے رہتے ہیں پھر ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ ذکر کوئی فرض تھوڑی ہے۔ فرض نہیں ہے لیکن فرض ڈیوٹی سے کوئی غلام آقا کا پیارا ہوا ہے؟ ایک نوکر ہے اس کی اصل ڈیوٹی تو صرف کھانا پکانا ہے لیکن وہ آقا کو کھانا کھلاتا ہے، پنکھا بھی جھلتا ہے، ہاتھ پیر بھی دباتا ہے پھر جاتا ہے۔ یہ نوکر آقا کا پیارا ہوگا یا وہ جو صرف فرض ڈیوٹی کرکے رخصت ہوجاتا ہے۔ یہ بیمار ہوگا تو آقا اس کو دیکھنے بھی آئے

گا دوسرا بیمار ہوگا تو اور لات مار دے گا کہ بھاگ تجھ جیسے نوکر ہزاروں ہیں۔ اللہ کا پیارا ہونا چاہتے ہو تو نفل ڈیوٹی بھی کرو۔ نفل نماز اور ذکر وغیرہ کا اہتمام کرو۔ لیکن آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنا وقت کہاں ہے، فرض ہی ادا ہو جائے تو بہت ہے، امتحان دینا ہے۔ لیکن یہ سب ایمان کی کمزوری اور اللہ پر بھروسہ نہ ہونے کی باتیں ہیں۔ دنیا کی زندگی پر تو عاشق ہو، امتحان دینا ہے تو رات رات بھر جاگو گے کہ کسی طرح رزلٹ میں فرسٹ ڈویژن آجائے۔ اور فرض کرلو کہ اتنی جاں فشانی کے بعد جان ومال کو کھپانے کے بعد فرسٹ ڈویژن آگئی، ادھر ڈاکیا تمہاری ڈگری لا رہا ہے، ادھر وقت آگیا کہ چلو! معلوم ہوا کہ وہ تو مر بھی گئے۔ اب ڈگری کو قبر پر رکھ دو، کیا کرو گے؟ کچھ کام آئے گی وہ ڈگری جس کے لیے اتنی محنت کی تھی کہ اللہ کی دوستی کو ٹھکرا دیا تھا؟ اس ڈگری کی قیمت دیکھ لو کہ آج کیا ہے، کیا اللہ کے نزدیک تمہاری اس ڈگری کی کوئی وقعت ہوگی؟ وہ ڈگری تمہاری مغفرت کرا دے گی؟ آدھ گھنٹہ اللہ کا نام لینے کا تو وقت نہیں اور کھانے پینے کا ہنسنے بولنے کا وقت ہے۔ کیا اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کام ہوا ہے۔ اگر کچھ دیر تم اللہ کو یاد کرلیتے تو کیا اللہ تمہارا کام نہ کرتا؟ تمہیں فیل کردیتا؟ جبکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو بندہ ہمارے کام میں لگ جاتا ہے ہم اس کے کام میں لگ جاتے ہیں۔ دنیا کی زندگی کی کامیابی اور اس زندگی کا سکون بھی اللہ کی یاد پر موقوف ہے۔

دین صرف آخرت کا نہیں دنیا کی راحت کا بھی ضامن ہے

مسلمانوں میں کچھ بے وقوف قسم کے لوگوں نے دین کو ادھار سمجھ رکھا ہے کہ جو کچھ ملے گا آخرت میں ملے گا۔ سب سے بڑا ظلم ہم نے اپنے اوپر اسی عقیدے کی وجہ سے کیا ہے۔ اس لیے ہم دین کے کاموں میں اور سست ہوگئے کہ دین میں لگنے سے دنیا میں تو کچھ ملے گا نہیں آخرت میں ملے گا حالاں کہ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے، کچھ ادھار نہیں ہے، سب نقد ہے۔ یہ عقیدہ اتنا غلط ہے کہ اس نے بندہ اور اللہ کی محبت کے راستے میں گھن لگا دیا حالاں کہ یہ عقیدہ نصوص کے خلاف ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً [۱۰۳]

کیوں صاحب کہاں ادھار ہے؟ نقد دے رہے ہیں۔ دنیا ہی میں بدلا دے رہے ہیں کہ دنیا میں ہم انہیں حیاتِ طیبہ عطا فرمائیں گے۔ پھر فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ [۱۰۴]

خوب سمجھ لو کہ دلوں کا سکون ہماری یاد ہی میں ہے۔ اے ایمان والو! ہمیں چھوڑ کر کہاں سکون تلاش کرتے پھرتے ہو؟ ہرگز سکون نہ پاؤ گے۔ اس آیت میں بھی نقد نفع کا وعدہ فرمایا ہے کہ جو ہماری اطاعت کرے گا ہم اس کے دل کو سکون عطا فرمادیں گے۔ اور فرماتے ہیں:

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا [۱۰۵]

ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں بھی تم ہمارے ہو کر تو دیکھو پھر دیکھنا ہم تمہاری کیسی مدد کرتے ہیں۔ جب تمہارا کوئی گاڑھا وقت آئے گا ہم اس وقت اپنی دوستی کا حق ادا کریں گے۔ ہم ہر موڑ پر تمہارے کام آئیں گے۔ تم ہمیں چھوڑ کر کہاں جارہے ہو؟ ہمیں چھوڑ کر تم دنیا کی زندگی میں بھی سکون نہ پاسکو گے۔ اللہ کا راستہ ایسا ہے کہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی دنیا اور آخرت دونوں جگہ کا نفع اس میں ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک راستہ ہو جو باغ کی طرف جارہا ہو، جہاں رنگ برنگے پھول کھلے ہوں، دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں تو اب جو اس راستے کی طرف قدم رکھے گا اگرچہ ابھی باغ سے پانچ میل دور ہے لیکن کیوں کہ یہ باغ کی سمت میں جارہا ہے، اس لیے ادھر سے جو ہوا آئے گی خوشبو اپنے ساتھ لائے گی۔ اس راستے میں قدم رکھتے ہی سکون محسوس ہوگا۔ پھر جوں جوں آگے بڑھتا رہے گا، سکون میں بھی ترقی ہوتی رہے گی، ہوائیں خوشبوئے قربِ یار لائیں گی۔ دنیا ہی میں جنّت کا مزہ آجائے گا

---

[۱۰۳] النحل:۹۷

[۱۰۴] الرعد:۲۸

[۱۰۵] حٰمٓ السجدۃ:۳۱

اور اللہ کی نافرمانیوں کا راستہ ایسا ہے جیسے ہزاروں مربع میل میں آگ لگی ہوئی ہو۔ اب جو اس راستے کی طرف قدم اٹھائے گا ادھر کی مسموم ہوا ناک میں گھسے گی اور دل میں اس کا اثر محسوس ہوگا۔ اگرچہ یہ ابھی آگ سے پانچ میل دور ہے لیکن ہر قدم پر دُھویں اور آگ سے بھری ہوئی گرم ہوائیں دل کو مکدر کر دیں گی، ہر قدم پر سکون کم ہوتا جائے گا۔ جیسے جیسے یہ آگے بڑھتا رہے گا بے چینی بڑھتی جائے گی۔ اسی وجہ سے دنیا داروں کے دل بے چین ہیں۔ کبھی کسی اللہ والے کو بھی دنیا کا رونا روتے ہوئے دیکھا ہے کہ آج ٹیکس دینا ہے، آج بجلی کا کرایہ دینا ہے کہاں سے آئے گا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ والوں کے دل فارغ ہیں۔ دنیا داروں کے دل دنیا میں مشغول ہیں حالاں کہ دل اللہ نے خالص اپنے لیے بنایا تھا۔ دل کی غذا صرف اللہ کی یاد ہے۔ اس لیے جب دل کو یہ غذا نہ ملے گی اور اس کے سوا کوئی اور چیز دل میں آئے گی یہ بے چین ہو جائے گا۔ اللہ والے بھی دنیا کے کام ہاتھ پیروں سے کرتے ہیں، دنیا کو ہاتھ پیر دیتے ہیں اور دل کو اللہ کے لیے فارغ رکھتے ہیں۔ اللہ والا اگر دفتر میں بھی بیٹھا ہوا ہے تو بھی دل سے اللہ کے ساتھ ہے۔ اگرچہ ہاتھ پاؤں سے وہ تم سے زیادہ محنت کرتا ہے اپنی روزی حلال کرنے کے لیے لیکن دل کو اللہ کی یاد کے لیے خالی رکھتا ہے۔ دنیا دار ہاتھ پاؤں سے اتنی محنت نہیں کرتے۔ وہ دنیا کے کاموں کو دل سے کرتے ہیں۔ اگر گھر میں اکیلے خاموش بھی بیٹھے ہوئے ہیں تو بھی دنیا دل میں گھسی ہوئی ہے۔ اپنے منصوبوں کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں کہ اب پلاٹ خریدوں گا۔ اب مکان بنواؤں گا۔ اب بچوں کی شادی کرنی ہے۔ ہر وقت دنیا کی فکر ہے۔ دل اللہ سے غافل ہے۔ اس لیے اگرچہ کوئی گناہ کا کام بظاہر نہیں کر رہے لیکن غفلت خود ایک معصیت ہے۔ اللہ والا اگر دفتر میں کام میں مشغول ہے لیکن جب دفتر سے اٹھتا ہے تو دفتر کو دل سے وہیں جھاڑ آتا ہے اور پھر اپنے اللہ کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ والے کا روزی کمانا بھی دین ہے، دنیا نہیں۔ وہ بھی اس کے لیے عبادت ہے۔ دنیا نام ہے اس چیز کا جو اللہ سے دور کر دے۔ اس لیے اگر کوئی امیر ہے لیکن خوب اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، زکوٰۃ وصدقہ دیتا ہے، یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کرتا ہے، مدرسوں کو اور علماء کو ہدیہ کرتا

ہے کہ دین کی نصرت ہو۔ اس کی یہ امیری دنیا کب ہے یہ تو دین ہے۔ کیوں کہ اس کی دولت نے اس کو اللہ سے دور نہیں کیا بلکہ قرب اور بڑھ رہا ہے۔ یہ ہر روز اور مقرب ہوتا جارہا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی تنگدستی اس کو اللہ سے دور کردے تو یہ تنگدستی ہی دنیا ہے۔ اگر کوئی تنگدستی میں بھی اپنے اللہ کو یاد کرتا ہے اور راضی برضا رہتا ہے تو یہ عین دین ہے۔ بلکہ ایسے غریب امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔ ولایت کے لیے غریب ہونا ضروری نہیں۔ اس زمانے میں بھی کتنے لوگ ڈپٹی کلکٹروں کی حالت میں اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ جیسے خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ ڈپٹی کلکٹری کی حالت میں حضرت تھانوی سے بیعت ہوکر ولی اللہ ہوئے۔ لیکن اللہ والے دنیا میں چاہے کتنے ہی تنگدست ہوں اور بظاہر کتنے ہی پریشان نظر آتے ہوں لیکن ان کے دل سے کوئی پوچھے کہ کیا مزہ مل رہا ہے، کیسا سکون حاصل ہے۔ واللہ! اگر سوکھا ٹکڑا بھی کھارہا ہوگا تو عیش سے ہوگا اور دنیادار اگر بریانی اور گلاب جامن بھی کھارہا ہوگا تو دل بے چین ہوگا۔ اللہ والے کے جسم کو تکلیف بھی ہوتی ہے مگر روح کو سکون ہوتا ہے۔ اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خاص قرب محسوس ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بدلے میں اگر سلطنتِ ہفت اقلیم بھی دی جائے تو اللہ والا ٹھکرا دے گا۔ حضرت بڑے پیر صاحب کو بادشاہِ سنجر نے اپنا ملک نیمروز دینا چاہا تھا انہوں نے ایک شعر لکھ کر بادشاہ کو بھیج دیا ؎

زاں گہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب
من ملکِ نیمروز بہ یک جو نمی خرم

جب سے مجھے اس ملکِ نیم شب کی خبر ملی ہے میں تیرے ملکِ نیمروز کو ایک جَو کے بدلے میں بھی نہ خریدوں گا۔ اللہ کا قرب اور ہی چیز ہے۔ زمین و آسمان کی بادشاہت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اب خود سوچ لو کہ وہ کیسا سکون ہے جو اللہ دنیا ہی کی زندگی میں اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں، نقد دیتے ہیں۔ کون کہتا ہے کہ اللہ کا سودا ادھار ہے۔ اور نافرمانوں کی دنیا کی زندگی بھی تلخ کردیتے ہیں، فرماتے ہیں:

وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا

اے لوگو! اگر تم نے مجھ سے منہ پھیرا تو تمہاری زندگی تلخ کر دی جائے گی۔ یعنی آفات وبلائیں تمہیں گھیر لیں گی، گردے میں پتھری ہو جائے گی، پیشاب بند ہو جائے گا، بیماری آ جائے گی، اولاد سے محرومی ہو جائے گی، دنیا ہی میں دوزخ کی تکلیف محسوس ہونے لگے گی:

ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَلَا یَحۡیٰی[۱۰۶]

دوزخی نہ مرے گا نہ جیے گا دوزخ میں تو یہ حشر ہو گا ہی، دنیا ہی میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ نہ مرو گے، نہ جیو گے، زندگی تلخ ہو جائے گی۔ کوئی ایسا مائی کا لال ہے کہ جس کی زندگی وہ تلخ کریں یہ تلخ نہ ہو۔ آج فرماں برداری میں نقصان نظر آتا ہے کہ اگر اللہ کو یاد کریں گے تو کیسے پڑھیں گے؟ روزی کیسے کمائیں گے؟ تو اب خود فیصلہ کر لو کہ جس پانی کو وہ میٹھا بنانا چاہیں کوئی ہے جو اس کو تلخ کر دے اور جس پانی کو وہ تلخ کریں کوئی ہے جو اس کو میٹھا کر دے؟ ان کے فیصلے کو کون بدل سکتا ہے۔ اطاعت کرنے والوں کے لیے راحت و سکون اور نافرمانوں کے لیے عذاب کا وہ فیصلہ فرما چکے ہیں۔ ایک شخص گھوڑا خریدنے جا رہا تھا۔ کسی اللہ والے نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ کہا کہ گھوڑا خریدوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ان شاء اللہ تو کہہ لیا ہوتا۔ کہنے لگا کہ یہ مولویوں کی باتیں ہیں، ان شاء اللہ کہنے سے کیا ہوتا ہے، روپیہ میری جیب میں ہے، میں ارادہ کر چکا ہوں کہ گھوڑا خریدوں گا اب کون مجھے روک سکتا ہے، کیا ان شاء اللہ کہنے سے روپیہ میں خریدنے کی طاقت آئے گی؟ خیر چل دیے گھوڑے کی قیمت طے ہو گئی، اب جو جیب میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوا کہ راستے میں کسی نے جیب کاٹ لی۔ سخت ندامت ہوئی۔ بیچنے والے کی گالیاں اور بُرا بھلا سنا اور منہ لٹکائے واپس ہو رہے تھے کہ وہ بزرگ پھر مل گئے۔ پوچھا کہ بھائی خرید لیا گھوڑا۔ کہنے لگے کہ بھائی ان شاء اللہ میں جا رہا تھا، ان شاء اللہ گھوڑے کی قیمت بھی طے ہو گئی تھی، ان شاء اللہ خرید بھی لیتا لیکن ان شاء اللہ جیب کٹ گئی۔ اتنے ڈر گئے کہ اب بے موقع ان شاء اللہ استعمال

---

[۱۰۶] الاعلیٰ: ۱۳

کرنے لگے۔ پٹائی کے بعد اگر ہوش آیا تو کیا آیا۔ نافرمانیاں کروگے تو دنیا میں بھی پٹائی لگے گی اور پھر آخرت میں بھی۔ دوزخ میں زنگ کو صاف کیا جائے گا تب جنّت میں داخل کریں گے۔ جس سونے پر زنگ لگ جاتا ہے اس کو بھٹی میں تپایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہیں خود کو پاک کرلو۔ اس کی نوبت خدانخواستہ کیوں آئے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہیں آزماتے ہیں۔ ہر دوست اپنے دوست کو آزماتا ہے۔ صحابہ نے اللہ تعالیٰ کی قدر پہچانی تھی۔ گرمی سخت تھی حکم آگیا جہاد کا۔ جن کے دلوں میں بیماریاں تھیں انہوں نے کہا لَا تَنۡفِرُوۡا فِی الۡحَرِّ آج بھی جب کوئی اللہ کے راستے میں نکلتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ کہاں جارہے ہو؟ کیا ملّا بن رہے ہو؟ صحابہ کو بھی بہکایا گیا لیکن ان کا ایمان ایسا نہیں تھا جو خریدا جاسکتا۔ وہ صرف گوشت کھا کر مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے تو خون پسینے سے اپنے ایمان کو سینچا تھا، تلواریں چلائی تھیں، چوٹیں کھائی تھیں، خون بہایا تھا، طعن سنے تھے۔ وہ اپنے ایمان کو نہیں بیچ سکتے تھے۔ جب منافقوں نے یہ کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے مطلع کردیا گیا:

قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا[۱۰۷]

کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔ نماز پڑھنے کو جی نہ چاہے، ذکر کو نہ چاہے، جماعت کی پابندی سے گریز کرے، گناہ کا تقاضا پیدا ہوجائے تو اس آیت کا خیال کرلو۔ یہ سوچ لو کہ ابھی یہ آواز وہاں سے آرہی ہے کہ جہنم کی آگ سخت گرم ہے۔

تو سوچ لو کہ جب آگ میں تپایا جائے گا اس وقت اگر ہوش آیا تو کیا آیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے دوست بن کے آؤ، مجرم بن کے نہ آؤ۔ گناہ کرتے ہو؟ کب تک گناہ کروگے؟ یا تو صحت خراب ہو جائے گی یا کوئی اور مصیبت آجائے گی پھر بھی تو چھوڑوگے۔ اور فرض کرلو کہ زندگی میں گناہ نہ بھی چھوڑے تو مرتے وقت چھوڑوگے۔ موت ساری لذتوں کو توڑ دیتی ہے۔ اس وقت اگر کوئی معشوق گلے میں باہیں بھی ڈال دے تو کیا اس وقت کوئی رغبت ہوگی؟ اس وقت سے پہلے ہی

---

[۱۰۷] التوبة:۸۱

گناہوں کو چھوڑ دو۔ شیطان دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی تو گناہ کیے جاؤ پھر توبہ کرلینا۔ لیکن یاد رکھو کہ توبہ کے بھروسے پر کوئی گناہ نہ کرنا۔ کیوں کہ توبہ اپنے اختیار میں نہیں۔ ناظم آباد کا ہی قصہ ہے کہ ایک شخص تھا، زانی تھا کوئی گناہ نہ چھوڑا تھا۔ مرنے لگا تو باتیں کررہا تھا کہ مجھے فلاں ڈاکٹر کو دکھادو، فلاں کھانا کھلادو۔ زبان سب باتوں کے لیے کھلی ہوئی تھی۔ اس سے کہا گیا کہ اب توبہ کرلے تونے بہت گناہ کیے ہیں کہنے لگا کہ بس یہی لفظ منہ سے نہیں نکلتا۔ کیوں صاحب یہ ت، و، ب، ہ پر کس نے پہرہ ڈال دیا؟ تمام الفاظ کے لیے زبان کھلی ہوئی ہے اور ان چار لفظوں کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔

اسلام کی حقانیت اور سائنس کا بوداپن

سائنس جواب دے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہاں ساری سائنس سائیں سائیں کرنے لگتی ہے۔ سائنس کیا ہے؟ بے چاری مخلوق ہے۔ اگر خالق ہے تو ایک بھُنگا ہی بناکر دکھادے۔ سارے سائنس دان لگ جائیں قیامت تک ایک بھُنگا نہ بنا سکیں گے۔ آج کل ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقے نے سائنس کو معبود بنالیا ہے۔ جو بات سائنس کی حدود میں نہیں آتی اس کا انکار کردیتے ہیں حالاں کہ انہیں سوچنا چاہیے کہ سائنس تو خود ایک فن ہے، عقل کی پیداوار ہے، مخلوق ہے۔ کیا سائنس نے زمین وآسمان پیدا کیے ہیں؟ اللہ کی پیدا کی ہوئی اشیاء میں کچھ تصرف کرکے ان سے کام لے لیتی ہے۔ ہاں اگر زمین، آسمان یا کوئی جاندار پیدا کردیتی تو اس کا کمال تھا۔ لیکن ہم نے اس کو قرآن و حدیث سے بھی زیادہ سمجھ لیا ہے۔ جنھوں نے زمین و آسمان پیدا کیے، چاند سورج پیدا کیے ان کے علم سے بھی زیادہ سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے جو بات سائنس کی سمجھ میں نہیں آئی وہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ یہ بات اَن سائنٹفک (Unscientific) ہے۔ حالاں کہ چاہیے تھا کہ سائنس کو دین کے مطابق کرتے نہ کہ دین کو سائنس کے مطابق۔ کیوں کہ دین کے احکام میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ہوگی، اور سائنس کے نظریات روزانہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے نیوٹن کے صدیوں پرانے نظریے کو اس دور کے ایک سائنس دان آئن اسٹائن نے غلط ثابت کردیا۔ اگر سائنس کے زور پر چاند پر پہنچ گئے تو چاند کا پیدا کرنا مشکل ہے یا چاند پر

پہنچ جانا مشکل ہے؟ اس لیے اگر کہیں سائنس کا اور دین کا ٹکراؤ ہوتا معلوم ہو تو سائنس کو چھوڑ دو اور دین کو تھامے رہو کہ وہ اللہ کا علم ہے حالاں کہ اگر عقلِ سلیم ہو تو سائنس کی ایجادات سے اسلام کی حقانیت اور ظاہر ہوتی چلی جاتی ہے۔ آدمی اپنی عقل سے تو ایسے کرشمے کر سکتا ہے کہ چاند پر پہنچ جائے اور نبی کو اللہ یہ معجزہ نہیں دے سکتا کہ وہ چاند کے ٹکڑے کر دے؟ اب نبی کے معجزوں کا انکار کرنے والے آئیں اور جواب دیں کہ تمہیں تو اتنی قدرت ہو سکتی ہے، کیا اللہ کو اتنی قدرت بھی نہیں کہ رسول کے ہاتھ پر معجزے دکھلا دے؟ بس جہاں سائنس فیل ہوتی ہے وہاں قرآن و وحی فیل نہیں ہوتے۔ ہم وہی دیکھیں جو وحی دیکھتی ہے۔ سائنس چاہے خاموش ہو یا انکار کرے تب تو ایمان ہے ورنہ ایمان سے ہاتھ دھولو۔ جب آدمی کسی چیز سے حد سے زیادہ مرعوب ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ علماء کو چاہیے کہ سائنس کے مطابق دین کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حالاں کہ دین اگر ایسا سستا ہوتا تو اب تک پرخچے اڑ چکے ہوتے۔ جیسے سائنس دانوں نے اندازہ لگایا تھا کہ ڈھاکہ میں اکثر ۲۰۰؍ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آتا ہے۔ لہٰذا اگر ۳۰۰؍ میل فی گھنٹہ کی رفتار کو سہہ جانے والا بند باندھ دیا جائے تو نہ ٹوٹے گا۔ اگلے سال ۴۰۰؍ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آیا اور سارے بندوں کے پرخچے اڑا دیے۔ ہے کوئی سائنس والا جو ہواؤں کی رفتار پر پابندی لگا دے؟ شرقی ہوا کو غربی کر دے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ [۱۰۸]

عقل مندوں کے لیے ہواؤں کی رفتار میں نشانیاں ہیں کہ ابھی شرقی ہوا چل رہی ہے، ایک منٹ نہیں لگا کہ غربی ہو گئی۔ پورے کرۂ ہوا کو ایک منٹ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ پورے کرۂ ہوا کو ایک لمحے میں کس نے تبدیل کر دیا؟ ہے کوئی سائنس داں جو ہواؤں میں تصرف کر سکے؟ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں سائنس پڑھنے کو حرام بتلا رہا ہوں۔ سائنس پڑھنا حرام نہیں ہے۔ ذہن کو کافر بنا لینا حرام ہے۔ انگریزی پڑھنا حرام نہیں ہے، انگریز بننا حرام ہے۔ ہم انگریزی پڑھنے کو منع نہیں کرتے انگریز بننے کو

---

[۱۰۸] الجاثیۃ:۵

منع کرتے ہیں۔ انگریزی خوب پڑھو لیکن اپنے کلچر کو فنا مت کرو۔ گاندھی کو دیکھ لو کہ لندن کی سڑکوں پر لنگوٹی باندھ کر چلتا تھا۔ کہتا تھا کہ اگر میں انگریزوں کا کلچر اپناؤں گا تو میرا کلچر فنا ہو جائے گا۔ افسوس! ایک کافر کو اتنی عقل آگئی۔ ایک باطل مذہب کے پیرو کو ایسی سمجھ آجائے اور ہمیں اپنے سچے مذہب پر ایمان نہ آئے۔ گاندھی تو جہنم میں جلے گا۔ ہم اگر مذہب پر چلیں گے تو جنّت ملے گی لیکن اس کے باوجود ہم انگریزوں کے کلچر میں فنا ہو رہے ہیں۔ ہمیں تو اپنی اسلامی تہذیب کو اپنانا چاہیے تھا لیکن ہم نے انگریزوں کی تہذیب کو اپنی تہذیب پر فوقیت دے دی۔ ہم بس اسی ذہنیت کو حرام بتاتے ہیں ورنہ اگر صرف انگریزی پڑھتے تو کیا بات تھی۔

انگریزی دور کے گورنر اور علی گڑھ یونیورسٹی کے سابق چانسلر نواب چھتاری کا پوتا تھا۔ اللہ نے جب توفیق دی تو داڑھی بھی رکھ لی، لباس بھی بالکل شرعی، کوئی دیکھ کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ انگریزی پڑھا ہوا ہے۔ ایک بار میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علی گڑھ سے سفر کر رہا تھا ڈی لکس ٹرین میں۔ دوسرے ڈبوں میں جا کر حضرت کے ملفوظات کا انگریزی میں ترجمہ کرکے لوگوں کو سنایا۔ پھر آکر حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے ملفوظات کو میں نے لوگوں کو انگریزی میں سنایا۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ انگریزی پڑھ رہے ہو تو بجائے اس نیت کے کہ انگریز بنوں گا نیت بدل لو کہ انگریزوں کو اسلام پیش کروں گا۔ اس نیت کے ساتھ انگریزی پڑھنا عبادت ہے۔ انگریزی پڑھنا ثواب لکھا جا رہا ہے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب ڈپٹی کلکٹری میں حضرت تھانوی سے بیعت ہو کر ولی اللہ ہوئے۔ حالاں کہ ڈپٹی کلکٹر تھے لیکن وضع قطع اسلامی تھی۔ خوبصورت بھی بہت تھے۔ غوری خاندان کے تھے۔ گورے چٹے، گول ٹوپی، شیروانی اور پائجامہ پہنتے تھے۔ ایک بار سب افسران کو کمشنر نے بلایا تھا۔ انگریز تھا اور سب کوٹ پتلون میں تھے۔ خواجہ صاحب پہنچتے ہیں تو کمشنر کھڑا ہوتا ہے، ہاتھ ملاتا ہے، ان کے لیے کرسی منگواتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کا لباس تو شاہانہ لباس ہے، عالم گیر اور شاہ جہاں کا لباس ہے۔ دوسروں کے متعلق کہا کہ یہ سب تو میرے نقال ہیں۔ جو قوم اپنی تہذیب اور کلچر کو فنا کرتی ہے وہ دوسری قوموں کی

نظر میں ذلیل ہو جاتی ہے کہ اس نے اپنی تہذیب کو حقیر سمجھا۔ جب اس نے اپنی تہذیب کو حقیر سمجھا دوسری قوم اس کو حقیر سمجھنے لگتی ہے۔ اور جو قوم اپنی تہذیب کو برقرار رکھتی ہے دوسری قوم کی نظر میں اس کی عزت ہوتی ہے۔ اپنے کلچر کو فنا کرنا کوئی معمولی گناہ نہیں ہے۔ مدینہ میں ایک عالم نے یوں کہہ دیا کہ انگریزوں کے یہاں یہ بات اچھی ہے کہ صحبت کرنے میں غسلِ جنابت نہیں کرنا پڑتا۔ بس اللہ کو یہ بات ناپسند آئی کہ کافروں کے طریقے کو ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے پر ترجیح دے رہا ہے۔ جب اس شخص کا انتقال ہوا تو مدینہ میں اس کو دفن کر دیا گیا مگر مدینہ سے لاش اسپین منتقل ہو گئی اور اسپین میں ایک لڑکی مسلمان ہو گئی تھی اور وہیں دفن ہوئی تھی اس کی لاش مدینہ میں اس عالم کی قبر میں پہنچ گئی:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[۱۰۹]

جو شخص جس کو پسند کرے گا اسی کے ساتھ ہو گا۔ آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے اس شخص کی جس کے دل میں اللہ و رسول کی عظمت نہیں ہوتی، اور فرماں برداروں کو دنیا میں بھی نقد نفع دیتے ہیں اور سکون اور اطمینان کی زندگی کا ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے۔ اسلام دنیا کی ترقی سے منع نہیں کرتا۔ خوب کماؤ لیکن اللہ کو نہ بھولو۔ نوکری کرو البتہ تجارت کو افضل سمجھو۔ صحابہ نے تجارت کی تھی۔ ایک شخص نے شیخ الہند سے سر سید کی تعریف کی کہ مسلمانوں کو ان کی وجہ سے بڑی بڑی ملازمتیں ملیں۔ فرمایا کہ ہاں لعنت کی کرسیوں پر بٹھا دیا ورنہ قوم تاجر ہوتی۔ بڑے بڑے ڈپٹی کلکٹروں کی جائیدادیں رہن میں ہوتیں۔ حکومت کو بھی تاجروں سے دبنا پڑتا ہے۔ حکومت ان سے قرضہ لیتی ہے۔ ملازمت سے غلامانہ ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارا تجارت کا مزاج ہمارے غلط قسم کے لیڈروں نے فنا کیا ہے۔ بہر حال ملازمت جائز ہے ناجائز نہیں۔ افضل اور غیر افضل کی بات کر رہا ہوں۔ ملازمت کرو یا تجارت ہاتھ پیروں سے کرو۔ دل اللہ کے ساتھ رہے پھر یہ ملازمت اور تجارت بھی عبادت ہے۔

آج اگر دین پر عمل کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی رفتہ رفتہ شروع کرو۔ یہ

---

[۱۰۹] صحیح البخاری: ۲/۹۱۱ (۶۱۹۸)، باب علامۃ الحب فی اللہ، المکتبۃ المظہریۃ

مطلب نہیں کہ آج ہی انگریزی لباس چھوڑ دو، آج ہی داڑھی رکھ لو۔ لیکن ان باتوں کو دل سے بُرا جانو اور رفتہ رفتہ چھوڑنے کی کوشش کرو کسی اللہ والے سے تعلق کرلو پھر جس طرح وہ کہے اس پر عمل کرتے رہو، ان شاء اللہ ایک دن ہمت پیدا ہو جائے گی۔

مخلوقاتِ الٰہیہ میں تفکر، انعاماتِ الٰہیہ کا مراقبہ

دوسری بات ہے فکر یعنی اللہ کی نعمتوں کو، موت کے وقت کو اور مرنے کے بعد حشر و نشر کے حالات کو سوچا کرو۔ یہ بذاتِ خود اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ لیکن جو ذکر نہیں کرتا اسے فکر بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ذکر کی پابندی کے بعد فکر کی توفیق ہوتی ہے۔ پہلے ذکر کی عادت ڈالو پھر فکر بھی کرنے لگوگے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ذکر کو مقدم کیا، فرماتے ہیں:

یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا[۱۱۰]

وہ یاد کرتے ہیں اللہ کو۔ کیسے؟ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فکر کرتے رہتے ہیں زمین و آسمان کی خلق کے بارے میں۔ فکر کا طریقہ کیا ہے؟ وضو کرکے تنہائی میں قبلہ رو بیٹھو پھر اپنے اللہ کو یاد کیا کرو کہ زمین و آسمان کے خالق ہیں اور ہمارے بھی خالق ہیں اور اپنے اللہ سے باتیں کیا کرو کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں وجود بخشا، ازل میں ہم نے اپنے آپ کو آپ سے مانگا نہیں تھا، بغیر سوال کے آپ نے ہمیں انسان بنادیا، تمام مخلوقات سے افضل کردیا۔ کتا اور سور کے قالب میں نہیں ڈالا۔ اگر آپ چاہتے تو کتا اور سور بناسکتے تھے۔ پھر لولا لنگڑا اور اپاہج نہیں بنایا، صحت و تندرستی عطا فرمائی۔ بغیر سوال کیے ہوئے یہ نعمتیں عطا فرمادیں۔ ایک آنکھ اگر ضایع ہو جائے تو پانچ لاکھ روپیہ دینے پر بھی نہیں مل سکتی۔ آنکھ، کان، ناک غرض تمام اعضا میں ایسی قوتیں دے دیں جن کو کسی قیمت پر خریدا نہیں جاسکتا۔ ہر مشین کا ڈھانچہ اور اس میں ایک قوت دے دی۔ بغیر مانگے ہوئے اللہ نے ہم کو مسلمان کے گھر پیدا کردیا۔ یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ ساتوں زمین

---

[۱۱۰] اٰل عمرٰن:۱۹۱

اور ساتوں آسمان کے خزانے ایک طرف اور ہمارا ایمان ایک طرف۔ کوئی اگر دنیا بھر کا صدر ہے، اس کے نام کا سکہ چل رہا ہے، دنیا بھر قدموں میں جھکی ہوئی ہے لیکن کافر ہے تو بے کار ہے۔ اس سے بڑا مفلس کوئی نہیں۔ ایک دن مرنے کے بعد عذاب میں مبتلا ہوگا۔ چند دن کی بہار ہے۔ اور آپ اگر غریب بھی ہیں، کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے ہیں، ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر جب ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں تو ساتوں زمین اور ساتوں آسمان کی بادشاہت مل جاتی ہے۔ اس دولت پر اللہ کا شکر کرو اس پر تو جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔ شکر سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے۔ پھر کسی یہودی اسرائیلی چمار پاسی کے پاس پیدا نہیں کر دیا۔ اگر کافر کے گھر پیدا کر دیتے تو کون روک سکتا تھا۔ وہاں ہدایت کی کیا امید تھی جب اللہ اور رسول سے ہی بے خبر ہوتے۔ اگر چمار پاسی بنا دیتے تو صبح و شام زمیندار کے دو دو جوتے اور گالیاں ملتیں۔ دنیا میں بھی ذلیل رہتے اور آخرت میں بھی ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے۔ پھر مسلمانوں میں ان فرقوں میں نہیں پیدا کیا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن نام کے مسلمان ہیں اور حقیقتاً اہلِ باطل اور گمراہ ہیں۔ کسی مسٹر کے گھر پیدا نہیں کیا ورنہ تو شراب و کباب سے بھی نہ بچ سکتے۔ بچپن میں کن کن حالات میں رکھا، ہر شخص اپنے حالات کو خود سوچ لے کہ کس کس طرح پرورش فرمائی اور کن کن انعامات سے نوازا۔ اس پر بھی شکر کرو کہ اللہ نے اپنے خاص بندے کے ساتھ تعلق کی توفیق عطا فرمائی۔ کوئی گمراہ پیر مل جاتا تو دین تباہ ہو جاتا۔ کسی ایسے کے چکر میں پڑ جاتے تو بجائے قرب کے دوری ہوتی چلی جاتی۔ پھر دنیا میں بھی سینکڑوں نعمتیں عطا فرمائیں۔ بجلی کا پنکھا، عزت و دولت عطا فرمائی۔ تو جس کو جو نعمتیں حاصل ہیں اس کو سوچا کرے اور شکر کرتا رہے۔ لیکن ان نعمتوں کو اپنا حق سمجھنا سخت بے ادبی ہے۔ ایک شخص تھا، برسوں سے عبادت کر رہا تھا۔ جنّت سے اس کے لیے دال روٹی آتی تھی۔ حضرت ابراہیم ادہم نے جب درویشی اختیار کی اور جنگل میں آ گئے ان کے لیے جنّت سے خوان آتا تھا اس شخص کے دل میں اللہ کے انصاف کے متعلق اعتراض پیدا ہوا کہ میں تو دس سال سے عبادت کر رہا ہوں میرے لیے صرف دال روٹی آتی ہے اور یہ ابھی آیا ہے اور خوان آنے لگا۔ اللہ کو یہ بات سخت ناپسند ہوئی۔ الہام ہوا کہ تو نے

ہمارے لیے صرف کھرپی اور کھانچی چھوڑی تھی اور اس نے ہمارے لیے بادشاہت چھوڑی ہے، تیری وہ کھرپی اور کھانچی رکھی ہوئی ہے، جا گھاس کھود، اور کما، گستاخوں کے لیے ہمارے یہاں کوئی راستہ نہیں۔

اندریں رہ بے ادب را بار نیست

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا[1]

ہر جاندار کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ذمہ کی دو قسمیں ہیں: نمبر ۱: وجوبِ استحقاقی، نمبر ۲: وجوب تَفَضُّلی۔

اللہ نے جو یہ ذمہ لیا ہے یہ وجوبِ تفضُّلی ہے جو محض احسان کے طور پر ہے۔ جیسے یہ بابا جو میرے یہاں پانی بھرنے آتا ہے، میں اس سے کہہ دوں کہ صبح و شام ہم تمہیں دو روٹی دیا کریں گے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کا حق میرے اوپر واجب ہو گیا اور میں پابند ہو گیا کہ روٹی دیے جاؤں۔ بلکہ یہ صرف کرم ہے۔ جب تک جی چاہے گا دیتا رہوں گا کوئی اس کا استحقاق نہیں۔ ایسا ہی جو ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے تو بندے کا استحقاق نہیں ہو گیا اور نہ اللہ تعالیٰ پابند ہو گئے کہ رزق اب ان کے ذمہ واجب ہو گیا بلکہ ذمہ داری صرف ان کا فضل و کرم ہے ورنہ بندہ کا حق نہیں۔ امیر ہو یا غریب کوئی اپنا حق نہ سمجھے اور شکر کرتا رہے۔ کوئی کہے کہ جھونپڑی والا کیسے شکر ادا کرے۔ تو سوچنا چاہیے کہ بڑے بڑے امیر دوزخ میں چلے جائیں گے اور بہت سے غریب جنّت میں چلے جائیں گے۔ ان کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی امیر نہ ہوں گے۔ امرا سے پانچ سو برس پہلے غریب جنّت میں داخل ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیاوی معاملے میں اپنے سے غریب کو دیکھو تو تم کو نعمت پر شکر کی توفیق ہو گی ورنہ اپنے سے بڑے کو دیکھو گے تو اللہ کی ناشکری میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! مساکین کے پاس بیٹھا کرو۔ مسکینی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھی

---

[1] ھود: ٦

کہ دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین مار اور مسکینوں میں میرا حشر فرما۔ مسکین کے معنیٰ ہیں جس کے دل میں مسکینی یعنی کمال درجے کی تواضع ہو۔ بہت سے غریب مسکین نہیں ہوتے، دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے، ذرا سی بات پر چھرا چاقو نکال لیتے ہیں اور بہت سے امیر بھی مسکین ہوتے ہیں۔ مسکین وہ ہے جس کا دل اللہ کی یاد میں ٹوٹا ہوا ہو۔ تو دنیوی معاملات میں اپنے سے چھوٹے کو اور دین کے معاملے میں اپنے سے بڑے کو دیکھو۔ تم دو رکعات پڑھتے ہو تو بارہ رکعات پڑھنے والے کو دیکھو۔ اس سے دل میں تقاضا اور شوق پیدا ہوگا کہ بارہ رکعات پڑھوں۔ اور اپنی حالت پر افسوس بھی ہوگا۔ دین کی ترقی کی فکر پیدا ہوگی۔ اس لیے جس کو جو نعمتیں حاصل ہیں اس پر شکر ادا کیا کرو۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بے ادبوں اور گستاخوں کے لیے اللہ کے یہاں کوئی پوچھ نہیں۔ پھر تندرستی کو سوچو کہ صحت عطا فرمائی اگر آج بیماری آجائے تو تندرستی کی قدر معلوم ہو۔ تندرستی عطا فرمائی بیمار نہ بنایا ورنہ عبادت بھی صحیح طرح نہ کرسکتے۔ پھر سوچو کہ مسجد کا قرب دیا کہ پنج وقتہ باجماعت نماز ادا ہوجاتی ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اپنے ایمان پر روزانہ شکر بھیجا کرو۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کا ایمان پر خاتمہ ہو تو ایمان کی نعمت پر روزانہ شکر ادا کرے۔ یہ فکر کی عبادت جسم کی عبادت سے بھی افضل ہے اور اللہ کے خاص بندوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[۱۱۲]

ہمارے خاص بندے زمین و آسمان کی خلق کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ آپ گیہوں کے کھیت میں سمجھتے ہیں کہ یہ دانے ہیں اور اللہ والے سمجھتے ہیں کہ یہ علما ہیں، بڑے بڑے انجینئر ہیں، ڈاکٹر ہیں۔ ان دانوں میں انسانوں کی پیدائش کے اجزا موجود ہیں، یہ دانے کھیت سے نکل کر ان شخصوں کے پیٹ میں جائیں گے جن سے وہ علما اور ڈاکٹر اور انجینئر پیدا ہوں گے۔ ان دانوں کے اندر انسان چھپے ہوئے ہیں۔ یہ فکر کیا کرو کہ کیسی قدرت والی ذات ہے کہ جو کروڑوں انسانوں کے منتشر اجزا کو نطفوں میں مجتمع کر دیتی ہے یہ اجزا

---

[۱۱۲] آل عمرٰن: ۱۹۱

گیہوں کے دانوں میں ہیں، پانی میں ہیں، ہواؤں میں ہیں، مختلف براعظموں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آسٹریلیا سے گیہوں کے دانے آتے ہیں اور ان سے یہاں جو بچے پیدا ہونے ہوتے ہیں ان کے باپوں کے پیٹوں میں وہ دانے پہنچتے ہیں جن سے نطفہ بنتا ہے اور آدمی وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح ہوائیں اور پانی کے وہی قطرے اور وہی غذائیں پیٹ میں جاتے ہیں جن میں ان انسانوں کے اجزا پہلے سے موجود تھے۔ یہ پھیلے ہوئے اور منتشر اجزا باپ کی پشت میں کون مجتمع کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ[۱۳]

ہم تمہیں اس وقت سے جانتے ہیں جب تم ماؤں کے پیٹ میں تھے۔ آج اپنے کو بڑا سمجھتے ہو، وہ وقت بھول گئے جب ماؤں کے پیٹ میں پانی تھے اور پانی بھی ناپاک کہ اگر بدن سے نکل جائے تو غسل فرض ہو جائے اور جس کپڑے پر یا جسم کے جس حصے پر لگ جائے وہ حصہ ناپاک ہو جائے، کوئی چھونا پسند نہ کرے اس گندے اور ناپاک پانی پر ہم نے ہی تو تمہاری تصویر کھینچی تھی:

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ[۱۴]

عقل مند اور فرماں بردار وہی ہے جو اپنی اصلیت کو نہ بھولے۔ جیسے ایاز تھا کہ بادشاہ کا مقرب تھا۔ اپنے ایک کمرے میں ایک بہت بڑا تالا ڈال رکھا تھا۔ روزانہ تالا کھولتا تھا اور تھوڑی دیر اندر رہتا تھا۔ جو لوگ بادشاہ کا مقرب ہونے کی وجہ سے اس سے حسد کرتے تھے انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ایاز نے خزانۂ شاہی سے بہت سامال چرا لیا ہے، تالا بھی اس کے ایک کمرے میں پڑا ہوا ہے اور وہ روزانہ اس کو کھول کر اس خزانے کو دیکھتا ہے کہ کہیں چوری نہ ہو گیا ہو۔ بادشاہ نے کہا کہ ایاز ایسا نہیں کر سکتا لیکن وزرا کے کہنے سے ایاز کے گھر پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا۔ فوج وہاں گئی تو دیکھا کہ اس تالے کے اندر ایک گدڑی رکھی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ایاز یہ کیا؟ تم نے یہ گدڑی

---

[۱۳] النجم:۳۲

[۱۴] اٰل عمرٰن:۷

اتنی حفاظت سے تالے میں کیوں بند کر رکھی ہے؟ عرض کیا کہ ؎

چارقت نطفہ ست وخونت پوستیں
باقی اے خواجہ عطائے اوس بیں

بادشاہ کی نظرِ عنایت اور انعامات سے اپنے کو کچھ بڑا مت سمجھ بیٹھنا۔ تیری اصل تو یہ گدڑی ہے جو تو ایک دن پہن کر آیا تھا، باقی تو بادشاہ کی عطا ہے، تیرا کمال نہیں ہے، اس لیے اے ایاز اپنی گدڑی اور پوستین کو مت بھول جانا۔

اسی طرح تم بھی اپنی گدڑی کو نہ بھولو تمہاری گدڑی کیا ہے منی کے چار قطرے۔ اس گدڑی کو خلعت سے کس نے تبدیل کیا؟ اس ناپاک پانی پر کس نے خوبصورت نقش و نگار بنائے؟ اگر بادشاہ کے انعامات کو بھول گئے اور اپنے کو بڑا سمجھ بیٹھے تو دربارِ شاہی سے نکال دیے جاؤ گے۔ تمہیں انہوں نے ناپاک سے پاک کر دیا۔ خوبصورت جسم، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں، دل و دماغ عطا فرمائے۔ عدم سے وجود میں لے آئے اور مفت میں یہ نعمتیں دے دیں۔ جب اللہ نے تمہیں یہ نعمتیں دے دیں ہیں یہ نعمتیں تمہاری نہیں ہیں اللہ کی ہیں اور تمہیں اس لیے دی گئی ہیں کہ انہیں اللہ کے راستے میں لگاؤ۔ ان نعمتوں کا مراقبہ کیا کرو کہ ایک دن ہم بے جان گندے اور ناپاک پانی تھے، اللہ تعالیٰ نے خود اس پر ہماری تصویر کھینچی اور ماں کے پیٹ میں کس طرح پرورش فرمائی اور کیسا خوبصورت جسم عطا کیا۔ آنکھیں، کان، ناک، دل و دماغ عطا فرمائے اور ہر مشین میں ایک قوت ایسی انمول ہے کہ اگر ضایع ہو جائے تو کروڑوں روپیہ دینے پر بھی نہیں مل سکتی۔

اور کبھی تنہائی میں اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھا کرو کہ یہ ان کے ہاتھوں کی کھینچی ہوئی ہیں۔ ان کا ہاتھ نظر نہیں آ رہا لیکن ان کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی لکیریں تو نظر آ رہی ہیں۔ بہت سے اللہ والوں نے تو اپنے ہاتھ کی لکیروں کو چوم لیا کہ یہ ان کے ہاتھوں کی کھینچی ہوئی ہیں۔ ان کا ہاتھ تو ہم نہیں دیکھ سکتے، ان لکیروں کو تو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ محبت کی باتیں ہیں۔ ان سے اللہ کی محبت دل میں پیدا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ [۱۱۵]

---

[۱۱۵] الذّٰریٰت:۲۱

تم اپنے اندر ہمیں دیکھ لیا کرو۔ جب عاشق اپنے محبوب سے جدا ہوتا ہے تو نشانی مانگتا ہے کہ کوئی نشانی دے دیجیے جس کو دیکھ کر آپ کو یاد کرلیا کروں۔ اس نشانی سے محبوب کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ روح نے عالمِ ارواح میں بزبانِ حال یہ سوال کیا کہ دنیا میں بھیج تو رہے ہیں کوئی نشانی عطا فرمادیجیے کہ اسے دیکھ کر آپ کو یاد کرلیا کروں تاکہ صبر آجائے۔ فرمایا کہ ہماری نشانی تو تمہارے اندر ہی موجود ہے، تم اپنے اندر ہمیں دیکھ لیا کرو وَفِیْۤ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ہم ہی نے تو تمہیں بنایا ہے، تم اپنے آپ کو دیکھو گے اپنے بارے میں سوچو گے تو ہم یاد آجائیں گے۔ غرض تمام نعمتوں کا مراقبہ کیا کرو یہ فکر کی عبادت ہے۔

تفسیرِ کبیر، جلد اوّل، صفحہ: ۲۸۰ پر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں:

۱) طاعت تفکر کا صدور قلب سے ہوتا ہے اور جملہ عبادات کا صدور جوارح سے ہوتا ہے اور قلب جوارح سے افضل ہے اس لیے طاعتِ قلب طاعتِ جوارح سے افضل ہے۔

۲) اِنَّ التَّفَکُّرَ یُوْصِلُکَ اِلَی اللہِ تَعَالٰی وَالْعِبَادَةَ تُوْصِلُکَ اِلٰی ثَوَابِ اللہِ تَعَالٰی[116]
یعنی تفکر مُوصل الٰی اللہ ہے اور عبادت مُوصل الٰی ثوابِ اللہ ہے عبادت ثواب تک پہنچاتی ہے اور تفکر تم کو اللہ تک پہنچاتا ہے۔ اس لیے تھوڑی دیر روزانہ سوچنے کی عبادت بھی کیا کرو۔

اور موت کو یاد کیا کرو۔ جو آج کل غنڈہ ہے موت کا سوچنا اور موت کی یاد اسے مسلمان بنائے گی۔ موت کی یاد ایسی چیز ہے جو گناہ گار مسلمان سے گناہ کی عادت چھڑا دیتی ہے اور اس راہ میں اکسیر ہے۔ اگر وہ گاڑھا وقت سامنے رہے تو آدمی گناہ کے قریب نہ جائے۔ موت کا دھیان رہے کہ ایک دن اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ہر نماز کو یہ سمجھو کہ شاید یہ میری آخری نماز ہے۔ فجر میں یہ سمجھو کہ شاید ظہر نہ ملے اور ظہر کو یہ سمجھو کہ شاید عصر نہ ملے۔ کیا معلوم

---

[116] التفسیر الکبیر: ۲/۴۰۷، البقرة (۳۱)، دار إحیاء التراث، بیروت

ہے کس وقت ویزا ختم ہو جائے۔ نماز نماز اسی وقت ہوتی ہے جب آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ اس سے موت کا خیال رہنے لگے گا اور آخرت کی فکر بڑھتی جائے گی۔ اگر کسی کو پانچ سال کے بعد ہمیشہ کے لیے سعودی عرب جانا ہو تو آج ہی سے تیاری شروع کر دیتا ہے اور یہاں مسافرانہ زندگی گزارتا ہے۔ فکر رہتی ہے کہ وہاں بسنے کے لیے کن کن باتوں سے آسانی ہوگی اس وقت کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ وہاں کے لوگوں کو خطوط لکھتا ہے کہ آپ مجھے مطلع کریں کہ وہاں کے لیے کیا کیا تیاری کروں۔ ان کے لیے تحفہ بھیجتا ہے کہ جب وہاں جا کر رہوں تو وہ اچھی طرح پیش آئیں لیکن اللہ کے ساتھ انسان کیا معاملہ کرتا ہے؟ جن کے ساتھ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کی تیاری میں مصروف نہ ہونا سخت نادانی کی بات ہے۔ وہ گاڑھا وقت جب وہ ساری کائنات سے الگ ہو جائے گا، بیوی بچے اعزا و اقربا کچھ کام نہ آئیں گے اس کی فکر نہ ہونا بے وقوفی ہے۔ مکان بھی یہیں رہ جائے گا، بچے بھی کہیں گے ابّا نے مکان بنایا تھا لیکن اب تو لاش سڑ جائے گی جلدی نکالو۔ مجبور ہے اولاد بھی۔ ان مکانوں سے ابھی سے دل توڑ لو۔ بعض صوفیا کا ارشاد ہے کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ اس وقت کے آنے سے پہلے اللہ کو یاد کر لو۔ سبحان اللہ کہہ رہے ہو تو اپنے اوپر احسان کر رہے ہو، تمہارے سبحان اللہ کہنے سے اللہ تعالیٰ پاک نہیں ہو جاتے، وہ تو پہلے ہی سے پاک ہیں۔ سبحان اللہ کہنے سے تم پاک ہوتے ہو۔ پاک ہو کر جاؤ گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگی، صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملاقات ہوگی، تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوگی، خود اللہ سے ملاقات ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی تمہیں دیکھ کر کہ میرا امتی آیا ہے، اپنے کو سنوار کر آیا ہے۔ آج جن آنکھوں سے بد نظری کر رہے ہیں اور جسے اپنا سمجھ رہے ہیں کل یہ آنکھیں گواہی دیں گی کہ اے اللہ! اس نے ہمارے اوپر ظلم کیا۔ آپ نے تو ہمیں اپنی یاد میں رونے کے لیے بنایا تھا اور اس نے آپ کی دی ہوئی قوت کو لڑکیوں کے دیکھنے میں صرف کیا۔ زبان گواہی دے گی کہ اے اللہ! اس نے میرے اوپر ظلم کیا، آپ نے مجھے اپنے ذکر کے لیے بنایا تھا اور اس نے مجھے غیبت اور لغو گوئی اور نافرمانی میں خرچ کیا۔ یاد رکھو کہ ایک دن تم کو بے زبان ہونا ہے۔ اس لیے

اپنی زبان سے کام لے لو۔ اس دن سے پہلے اللہ اللہ کر لو جس دن زبان بے زبان ہو جائے گی۔ منہ میں زبان ہو گی لیکن بے زبان ہو گی نہ سبحان اللہ کہہ سکتی ہے نہ اللہ کہہ سکتی ہے نہ ذکر کر سکتی ہے نہ تلاوت کر سکتی ہے۔ جب آدمی مر جاتا ہے زبان منہ میں ہوتی ہے لیکن اس وقت کیا کچھ کہہ سکتی ہے؟ وہ وقت آنے سے پہلے اس زبان سے خوب اپنے اللہ کو یاد کر لو، اللہ اللہ کر لو، تلاوت کر لو۔ آج تو ناپاک پانی سے سبحان اللہ کی آواز آسکتی ہے۔ آج یہ سبحان اللہ تمہیں پاک کر دے گا ورنہ کل جب جسم بے جان پڑا ہو گا، لوگ نہلا رہے ہوں گے، روح قریب سے اپنے جسم کو دیکھ رہی ہو گی تو ہاتھ مل رہی ہو گی کہ کاش! زندگی میں اللہ کو یاد کر لیا ہوتا۔ آج بازار گرم ہے اللہ کا سودا خرید لو۔ جب بازار ٹھنڈا ہو جائے گا اس وقت کیا کوئی خرید سکتا ہے۔ دنیوی معاملات میں خوب عقل آجاتی ہے کہ ماں باپ اور بہن بھائی کہہ کر بھیجتے ہیں کہ جاؤ اس وقت بازار گرم ہے یعنی سودا افراط سے بک رہا ہے، خرید لو! ورنہ پھر بازار ٹھنڈا ہو جائے گا، پھر کچھ ہاتھ نہ آئے گا لیکن اللہ کے معاملے میں عقل گم ہو جاتی ہے کہ جب تک زندگی کا بازار گرم ہے اس وقت تک ہی اللہ کو خریدا جا سکتا ہے۔ یہ بازار ٹھنڈا ہوا تو پھر نہ ملیں گے لہٰذا آج ہی وہ تدبیر کر لو جن سے وہ مل جائیں ورنہ جب پیٹھ اکھڑ جائے گی اس وقت انہیں نہ خرید سکو گے۔ اپنی آنکھوں اور کانوں اور ہاتھوں سے اپنے اللہ کو خرید لو کیسے؟ اللہ کے دیے ہوئے رزق سے آنکھوں میں جو روشنی پیدا ہوئی ان آنکھوں سے لڑکیوں اور امردوں کو نہ دیکھو، اللہ والے کو دیکھو، لاشوں کی یاد میں نہ روؤ، اللہ کی یاد میں روؤ، یوں کیا تو گویا تم نے اپنی آنکھیں اللہ کے راستے میں دے دیں، اللہ تعالیٰ سے سودا کر لیا کہ میں نے آنکھیں آپ کو دے دیں، آپ اس کے بدلے میں مجھے مل جائیے۔ اسی طرح کانوں سے اللہ کی باتیں سنو، کسی کی غیبت اور برائی نہ سنو، ان کانوں سے تم نے اللہ کا سودا کر لیا، کان انہیں دے دیے اس کے بدلے میں انھیں خود لے لیا۔ ہاتھوں سے حرام مال نہ کھاؤ، ان ہاتھوں سے صدقہ کرو، یہ ہاتھ تم نے اللہ کے راستے میں دے دیے، گویا ان ہاتھوں سے انہیں خرید لیا۔ اسی طرح آج یہ جسم کا بازار گرم ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ کا سودا مل رہا ہے۔ عقل مند ہے وہ شخص جس نے اس گرم بازاری سے فائدہ اٹھالیا اور سودا خرید لیا

اور بے وقوف ہے وہ شخص جو اس وقت سوتا رہا۔ کل جب بازار ٹھنڈا پڑ جائے گا تو یہ ہاتھ ملے گا۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اس زندگی کا چراغ تو ابتر ہے۔ اس چراغ سے ایسا چراغ جلالو جو کبھی نہ بجھے ؎

باد تند است و چراغِ ابترے
زو بگیرانم چراغِ دیگرے

موت کی ہوا تو تیز چل رہی ہے اور تمہاری زندگی کا چراغ ضعیف ہے۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے۔ کیسے جلے گا؟ عبادت سے، تلاوت سے، ذکر سے، نماز سے۔ زندگی کے چراغ کی لو سے اپنی روح میں چراغ جلالو وہ کبھی نہیں بجھے گا، نہ قبر میں، نہ برزخ میں بجھے گا، نہ پل صراط پر بجھے گا، نہ جنّت میں بجھے گا۔ یہ جسم کا چراغ تو فانی ہے۔ اس چراغ سے روح میں ایسا چراغ جلالو جو ہمیشہ باقی رہے گا، لیکن وہ چراغ جلے گا اسی چراغ سے۔

تو موت کی یاد فاسق کو مومن بناتی ہے اور مومن کو ولیٔ کامل بناتی ہے۔ مراقبہ کیا کرو اس طرح کہ میری جان نکل رہی ہے اور موت کے وقت میری آنکھوں کی پُتلی اوپر نیچے آجارہی ہے۔ ماں باپ بیوی بچے دوست اعزا سب چھوٹ رہے ہیں کار اور بنگلہ چھوٹ رہے ہیں۔ تمام سینما اور دفاتر چھوٹ رہے ہیں۔ سب مزے چھوٹ رہے ہیں۔ اب جان نکل گئی، آنکھیں پتھرا گئیں، سانس رک گیا۔ نہلایا جارہا ہوں، اب کفن پہنادیا گیا، کافور لگادیا گیا، کندھوں پر جارہا ہوں۔ بیوی بچے رو رہے ہیں لیکن کوئی ساتھ جانے کو تیار نہیں۔ جن کی خاطر اللہ کے قانون کو توڑا تھا وہ آج ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ اب قبر میں لٹادیا گیا، اوپر سے تختے رکھ کر مٹی ڈال دی گئی، ہزاروں من مٹی کے نیچے تنہا پڑا ہوں۔ جو لوگ قبرستان ساتھ آئے تھے وہ بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اللہ کے سامنے پیشی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ پوچھ رہے ہیں کہ تم نے رسول اللہ کی تہذیب پر انگریز کی تہذیب کو ترجیح کیوں دی؟ تم نے ہمارے دشمنوں کی وضع قطع کو کیوں اپنایا تھا؟ اور ہمارے رسول کی وضع قطع کو کیوں چھوڑا تھا؟ نالائق! کیا ہمارے رسول کی تہذیب میں نقص تھا؟ اور ہمارے دشمنوں کی تہذیب اچھی تھی؟ ہم نے تمہیں دنیا میں ویزے پر بھیجا تھا تم نے اپنے کو نیشنل کیوں سمجھ لیا تھا؟ تم

کیوں بھول گئے تھے کہ تمہیں ایک دن ہمارے پاس واپس آنا ہے؟

سوچو کہ کسٹم ہوگیا۔ تمام کانوں، آنکھوں کو اتار کر پھینک دیا گیا۔ اب دوسرا جسم عطا کیا جائے گا۔ یہ جسم خاک ہوجائے گا۔ پھر دوبارہ پیدا کیا جائے گا۔ ایک کافر عاص بن وائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بوسیدہ ہڈی کو مَل کر اڑا دیا تھا اور گستاخانہ لہجے میں کہا تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کردے گا؟ جبکہ یہ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں بکھر گئی۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں:

اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَہٗ ؕ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَھِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾
قُلۡ یُحۡیِیۡھَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَھَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَ ھُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمٌ ۙ[۱۱۷]

ترجمہ: کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔ اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کردے گا۔ آپ جواب دے دیجیے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اوّل بار میں ان کو پیدا کیا ہے اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

دُھن

ذکر اور فکر کے بعد تیسری چیز ہے دھن۔ اور چوتھی چیز ہے دھیان۔ دُھن کے معنیٰ ہیں کہ دل میں ہر وقت یہ فکر لگی ہو اور یہ تڑپ ہو کہ اللہ کو کس طرح راضی کروں۔

دھیان

اور دھیان کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہر وقت یہ فکر لگی ہو کہ مجھ سے کوئی عمل ایسا تو سرزد نہیں ہورہا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں۔ یہ چار باتیں جس میں ہوں گی وہ اللہ والا ہوجائے گا۔

---

[۱۱۷] یٰسٓ: ۷۹۔۷۷

۱۳؍ ربیع الاوّل ۱۳۹۱؁ھ مطابق ۹؍ مئی ۱۹۷۱؁ء

ارشادات بوقت طعام، بارہ بجے دوپہر

لذّاتِ دنیویہ کے قلیل المیعاد اور لذّاتِ روحانیہ کے طویل المیعاد ہونے کی حکمت

ارشاد فرمایا کہ اللہ نے حلق کی گزرگاہ پر تاروں کا جال بچھا دیا ہے جو اس راہ گزر پر گزرنے والے یعنی لقمہ کی ساری لذّت کو چوس ڈالتا ہے لیکن یہ لذت کشی کی قوت صرف زبان سے حلق کے آخر تک ہے۔ غذا جب معدہ میں پہنچ گئی تو لذّت کا احساس بھی فنا ہو جاتا ہے۔ ورنہ وہ اللہ جس نے زبان و حلق میں لذّت کے یہ تار بچھا دیے وہ اس بات پر بھی قادر تھا کہ معدہ میں بھی اعصاب کی رگوں کے تار بچھا دیتا جس سے سارے دن کھانے کی لذت کا احساس ہوتا رہتا لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ کیوں؟ کیوں کہ یہ لذتیں مقصود نہیں ہیں، اس لیے دنیا کی ہر لذت قلیل المیعاد ہے۔ جو لذت جتنی الذ ہے اتنی ہی زیادہ قلیل المیعاد ہے۔ یہ اللہ کی حکمت ہے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ لذات دنیویہ کی میعاد کو طویل کر دیتا تو بندے ان ہی میں ہمہ وقت منہمک رہتے اور اللہ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ غرض دنیا کی تمام لذتوں کو قلیل المیعاد اور مختصر کر دیا اور اپنی لذت کو طویل المیعاد بلکہ دائمی کر دیا جس پر کبھی زوال نہیں آتا۔ جب بندہ ذکر کرتا ہے نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے تو کیا اللہ کے نام کی لذت ان اعمال کے دوران ہی رہتی ہے؟ ذکر و نماز و روزہ کے بعد بھی کیف و سرور میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ روح میں ہر روز کیف بڑھتا جاتا ہے۔ ذکر و نماز وغیرہ کے درمیان جو لذت ملتی ہے وہ تو الگ ہے ہی لیکن ان اعمال کے ختم ہونے کے بعد بھی چوبیس گھنٹہ روح سرور کا ادراک کرتی ہے اور ہر روز اس سرور میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ان طاعتوں کے انوار و لذات کو ساتھ لے کر روح اپنے رب کے پاس جاتی ہے اور صرف یہی لذت ایسی دائمی ہے جو قبر میں، برزخ میں، حشر میں، جنّت میں ہر جگہ باقی رہتی ہے اور جس میں کبھی اور کہیں زوال نہیں آتا۔

۲۱/ شعبان ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۹/ ستمبر ۱۹۷۴؁ء بروز دوشنبہ (پیر)، بعد فجر،
بر مکان حاجی گلو صاحب، حیدر آباد

مخالفت ایمان کی پختگی کا ذریعہ ہے

ایک صاحب حضرتِ والا سے بیعت ہوئے تو حافظ یٰسین صاحب نے عرض کیا کہ ان کے خاندان میں سب بے دین ہیں ان کی بہت مخالفت ہوگی۔ ارشاد فرمایا کہ ایمان جتنا امتحان سے گزرتا ہے اتنا ہی اور چمکتا ہے۔ یہ وہ سونا ہے جو آگ میں جل کر اور زیادہ چمکتا ہے۔ دوست احباب جب طعن کرتے ہیں کہ دیکھو یہ مُلّا ہوگئے ان طعنوں سے ایمان پختہ ہوجاتا ہے جیسے گیند کو جتنے زور سے پٹکو اتنی ہی اوپر جاتی ہے ایسے ہی جب مخلوق ستاتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے تعلق اور قوی ہوتا ہے۔ یہ بندہ اللہ سے روتا ہے کہ اے اللہ! آپ کی راہ میں ستایا جارہا ہوں۔ مخلوق کے ستانے سے دل ٹوٹتا جاتا ہے اور وہ دل میں آتے جاتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے:

اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ لِاَجْلِیْ[۱۱۸]

میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔

رُوحانی تربیت کا ایک راز

ارشاد فرمایا کہ یہ جو ایک ایک دو دو آدمی بیعت ہوتے ہیں اس میں تربیت کا راز ہے۔ کبھی مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ جو ایک ایک دو دو آدمی وقفہ وقفہ سے سلسلے میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ کثیر تعداد کو بیک وقت دین کی طرف متوجہ کردیں اور کثیر تعداد اللہ اللہ کرنے والی پیدا ہوجائے تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ ڈالا کہ ایک ایک دو دو آدمی جو رفتہ رفتہ داخلِ سلسلہ ہوتے ہیں اس میں ان کی روحانی تربیت کا بڑا راز ہے۔ جب ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے

---

[۱۱۸] کشف الخفاء للعجلونی: ۲/۳۸۸ (۲۸۳۶)، مکتبۃ العلم الحدیث / التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف: ۱۶۳، المکتبۃ المظھریۃ

راستے میں داخل ہوتا ہے اور اس پر محنت کی جاتی ہے کچھ عرصے بعد اس میں پختگی پیدا ہوجاتی ہے تو دوسرا داخل ہوتا ہے پھر اس پر وقت اور محنت صرف کرنے سے وہ بن جاتا ہے، اس طرح تھوڑے تھوڑے آدمیوں پر محنت کرنا اور وقت دینا آسان ہوتا ہے اور اس طرح تربیت آسان ہوجاتی ہے، اس کے برعکس اگر بہت سے آدمی مثلاً ایک ہزار ایک وقت میں داخلِ سلسلہ ہوں تو تربیت مشکل ہوجائے، کیوں کہ اس کثرتِ ہجوم میں افراد پر محنت کرنا اور ان کے حالات کو سننا اور ان کو وقت دینا مشکل ہوتا ہے اور اس طرح وہ خام ہی رہ جاتے ہیں۔ جیسے اگر کسی کے چار، پانچ بچے ایک ساتھ پیدا ہوجائیں تو ان کی تربیت مشکل ہوجائے اسی طرح کثرت ہجوم میں روحانی تربیت بھی مشکل ہوتی ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ کی عجب رحمت ہے کہ تھوڑے تھوڑے آدمی دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کو تربیت کا عرصہ مل جاتا ہے جس سے ان میں پختگی آجاتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک عرصے میں دوسروں کی تربیت کے قابل ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر پیر مر بھی جائے تو یہ تربیت یافتہ دوسروں کو سنبھال لیتے ہیں۔ اور اسلام کی تاریخ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ پہلے چند افراد ایمان لائے جیسے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے پھر کچھ عرصے آپ نے ان پر محنت کی اور ان کی تربیت فرمائی اس طرح رفتہ رفتہ لوگ ایمان لاتے رہے اور ان کی تربیت ہوتے ہوتے یہ لوگ کثیر تعداد میں ہوکر دوسروں کے ہادی اور مصلح بن گئے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً آٹھ سو تابعین کے استاد تھے۔

بر مکان ڈاکٹر ایوب صاحب حیدرآباد، بوقت صبح

حضرتِ والا دامت برکاتہم کی بے پایاں شفقت کی ایک مثال

حافظ عبدالرحیم صاحب اور دوسرے احباب سے درمیان گفتگو فرمایا کہ آپ لوگ ہمارے میر صاحب کا کلام سنیے تو معلوم ہوگا کہ اردو شاعری کے فن کے اعتبار سے ان کا کلام ایسا ہے کہ اگر کسی کو نہ بتایا جائے تو لوگ سمجھیں گے کہ غالب

یاذوق و داغ کا کلام ہے، شاعری کے اعتبار سے نہایت بلند ہے، پھر احقر سے فرمایا کہ ؎

کہاں تک پاسِ بدنامی کہاں تک ضبطِ بے تابی
کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

احقر سے فرمایا کہ بس بے جھجک ہو کر سناؤ۔ پھر جب احقر نے چند اشعار سنائے تو حضرتِ والا نے اپنے کرم سے بہت زیادہ پسند فرمائے اور مندرجہ بالا الفاظ پھر دہرائے۔ اور ہنس کر اور جھوم جھوم کر حضرتِ والا سن رہے تھے۔

ایک رئیس نے مزاح میں احقر کے لیے کچھ نامناسب الفاظ ازراہ مزاح کہہ دیے تو حضرتِ والا نے فرمایا کہ آپ نے تہذیب سے گری ہوئی بات کی، آپ کو ایسے الفاظ نہ کہنے چاہیے تھے، جو خود چور ہوتا ہے وہ دوسروں کو بھی چور سمجھتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا دل چور ہے اس لیے آپ ان (احقر) کو ایسا سمجھ رہے ہیں۔ پھر جب وہ صاحب چلے گئے تو احقر سے فرمایا کہ آج ان صاحب کو معلوم ہو گیا کہ مولوی ایسے بھی ہیں جو رئیسوں کو جھاڑ دیتے ہیں، میرے جملے ان کے دل میں چبھ رہے ہوں گے، غرض میں نے ان سے انتقام لے لیا کہ میرے عشرت کو اس نے ایسا کیوں کہا اور پھر دوسروں سے مخاطب ہو کر احقر کے لیے فرمایا کہ ایک عالم کے ساتھ انہیں ایسا مزاح نہ کرنا چاہیے تھا۔ حضرتِ والا کا اس ناکارہ پر اس قدر کرم ہے کہ احقر اس نعمت پر اگر عمر بھر اللہ کے حضور سجدہ میں پڑا رہے تو شکر ادا نہیں کر سکتا۔

قرآن کی حفاظت کا وعدہ حفاظِ کرام کی حفاظت کو مستلزم ہے

ارشاد فرمایا کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ[۱۱۹] میں ہٗ کی ضمیر قرآن کی طرف ہے، لیکن قرآن کی حفاظت بذریعۂ افراد ہو گی۔ پس جب قرآن کی حفاظت افراد پر موقوف ہے تو لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ میں قرآن والوں کی حفاظت بھی آ گئی۔ یعنی جب اس قرآن کو محفوظ رکھنا ہے تو جن افراد کے سینوں میں یہ قرآن ہے ان افراد کی حفاظت کا بھی وعدہ ہو رہا ہے کیوں کہ بغیر افراد کی حفاظت کے قرآن کی حفاظت ممکن نہیں۔

---

[۱۱۹] الحجر:۹

اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی عقلی دلیل

ارشاد فرمایا کہ آدمی ذمہ داری قبول کرتا ہے بوجہ محبت کے، مثلاً بیوی بچوں کی ذمہ داری کیوں قبول کرتا ہے؟ اس لیے کہ ان سے محبت ہوتی ہے اور جہاں محبت نہیں ہوتی وہاں ذمہ داری بھی قبول نہیں کرتا۔ جو جتنا زیادہ قریبی اور اپنا ہوتا ہے اس کی ہر طرح کی ذمہ داری آدمی دل و جان سے قبول کرتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! سب سے زیادہ قریبی تو تمہارا میں ہوں یہاں تک کہ تمہاری رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہوں:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ[130]

نہ تو تمہارے ماں باپ تمہاری جان سے زیادہ قریب ہیں نہ تمہاری اولاد تم سے اتنی زیادہ قریب ہے جتنا میں ہوں۔ پس جب میں تم سے اقرب ہوں تو میرا حق تم پر تمہارے ماں باپ سے بھی زیادہ ہے تمہاری اولاد سے بھی زیادہ حتیٰ کہ تمہاری جان سے بھی زیادہ ہے کیوں کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہوں پھر تم میری ذمہ داری کیوں قبول نہیں کرتے؟ میرے حکم کی پابندی میں اگر تمہاری جان کو بھی کچھ تکلیف ہو تو میرے اقرب ہونے کا حق یہ ہے کہ تم اس کو بجالاؤ مثلاً روزہ رکھنے میں اگر جان کو تکلیف ہوتی ہے تو میری محبت کا حق ہے لہٰذا اس ذمہ داری کو قبول کرو، اسی طرح اگر نماز پڑھنے میں تمہاری جان کو تکلیف ہوتی ہے تو سوچو کہ میرا حق تم پر تمہاری جان سے بھی زیادہ ہے اس لیے میری محبت کے حقوق کو بجالاؤ۔ چند دن دنیا میں تم میری مرضی پر چل لو جنّت میں میں تمہاری ہر خواہش اور مرضی کو پورا کردوں گا، کوئی خواہش ایسی نہ ہوگی جس کو میں پورا نہ کروں۔

ابو طالب کی محرومی کا سبب

ارشاد فرمایا کہ جو محبت اللہ کے لیے ہو اس میں محرومی نہیں ہوتی۔ جو بھی کسی اللہ والے سے اللہ کے لیے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور مل جائیں گے، ضرور اللہ اس کو اپنی محبت دے گا، اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ ابو طالب نے

---

[130] ق:۱۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت کی لیکن وہ تو محروم رہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اللہ کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے کہ یہ میرے بھتیجے ہیں۔ ابو طالب کا مطلوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے اللہ نہیں تھا، اگر اللہ مطلوب ہوتا تو نا ممکن تھا کہ ابو طالب محروم رہتے۔

۲۴/ شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۲/ ستمبر ۱۹۷۴ء

ایک الہامی دعا

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب کے لڑکے کے متعلق یہ دعا دل میں آئی کہ یوں دعا کیجیے کہ اے اللہ! میرے بچے کی گمراہی کی طاقت سے تیری ہدایت کی طاقت بالاتر اور قوی تر ہے، تو اپنے آفتاب ہدایت کی کوئی کرن میرے بچے پر ڈال دیجیے، ہم تو سب تدبیر کر چکے، ہم عاجز ہیں تو قادر ہے، ہماری گمراہی کی انتہائی اصلاح کے لیے تیری ہدایت کی ابتدا کافی ہے۔ یہ جملہ مجھے ایک خاص معاملے میں حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ میں نے جب یہ دعا مانگی تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کو یہ عنوان پسند آیا۔ یہ جملے ایسے ہی نہیں ہوتے کہ جن کا تعلق محض دماغ سے ہو بلکہ حق تعالیٰ بزرگوں کی جوتیوں کے صدقے میں خاص طور سے میرے دل کو عطا فرماتے ہیں۔

احقر سے ارشاد فرمایا کہ تم بھی اس عنوان سے دعا مانگا کرو کہ میرے نفس کی گمراہی کی قوت پر تیری ہدایت کی طاقت غالب ہے تو اپنے آفتابِ ہدایت کی کوئی شعاع مجھ پر ڈال دے پھر میری گمراہی کا آپ کی ہدایت پر غالب ہونا محال ہے۔ اے اللہ! اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ کا ایک فرد آپ سے بھیک مانگ رہا ہے ہم تو آپ کے پکارے ہوئے فقیر ہیں اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ساری فقیری کو الیٰ کے ذریعہ آپ نے اپنی ذات کے ساتھ وابستہ فرمایا پھر ہم کہاں جائیں آپ کے سوا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کی سب سے زیادہ محبوب ادا

ارشاد فرمایا کہ پیغمبر جو ہوتا ہے وہ کائنات کے اندر سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا

مزاج شناس ہوتا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پریشانی کی حالت میں نماز کی طرف دوڑنا كَانَ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ فَزَعَ اِلَى الصَّلَاةِ[۱۲۱] یہ ظاہر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت کو پریشانی کی حالت میں بندے کی یہ ادا سب سے زیادہ پسند آتی ہے۔ اللہ کی رحمتِ خاص متوجہ ہوتی ہے نماز سے۔

ربوبیت کا ایک خاص اثر

ارشاد فرمایا کہ چھوٹا یتیم بچہ جس نے ماں باپ کو کبھی نہیں دیکھا اس کے سامنے جب اس کے ماں باپ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ کیوں محظوظ ہوتا ہے؟ اس لیے کہ اس کے خون میں ماں باپ کی ربوبیت کے اثرات ہوتے ہیں۔ پس حق تعالیٰ جب ہماری روح کے خالق ہیں اور رب ہیں تو ان کو ہم نے نہیں دیکھا، جب ان کا ذکر کیا جائے گا تو روح پر اس کے اثرات کیوں نہ مرتب ہوں گے! ان کے ذکر سے روح کیوں محظوظ نہ ہوگی! یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ایمان بالغیب ہے لیکن چوں کہ ہماری رگ رگ میں ان کی ربوبیت داخل ہے اس لیے جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو روح تڑپ جاتی ہے، لذت محسوس کرتی ہے اِلّا شقاوت ازلی ہو العیاذ باللہ تو ایسی روح محروم رہتی ہے۔

۵؍ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۲۲؍ ستمبر ۱۹۷۴؁ء
مجالس رمضان المبارک قبل ظہر، بروز اتوار

بقائے نعمت کا طریقہ

ایک صاحب نے عرض کیا کہ آج کل بچے کی دینی حالت اچھی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ خوب شکر کرو، اور اللہ سے یوں کہو کہ اے اللہ! میں اپنے بچے کو جس حالت میں دیکھ رہا ہوں میرا رواں رواں اس پر شکر کر رہا ہے۔ پس جس نعمت کے بارے میں یہ دل چاہے کہ وہ نہ چھینی جائے اور اس میں اضافہ ہو اور نعمت میں زوال نہ آئے تو اس پر خوب شکر کرو حسب وعدہ:

---

[۱۲۱] مرقاۃ المفاتیح: ۱۶/۴(۱۵۳۷)، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ[۱۳۲]

تو حق تعالیٰ اس نعمت کو نہ چھینیں گے بلکہ اور زیادہ کر دیں گے۔

بھوک کی مثال سے شہوتِ نفس کی عجیب دلیل

ارشاد فرمایا کہ کسی کو شدید بھوک لگی ہو اور اس کے سامنے اعلیٰ درجہ کی بریانی قورمہ اسٹو وغیرہ رکھا ہو اور کوئی کہے کہ دیکھو اس بریانی کو لالچ اور کھانے کی نظر سے نہ دیکھنا پاک نظر سے دیکھنا تو یہ حماقت ہے۔ اسی طرح آج کل کے حمقا کہتے ہیں کہ لڑکیوں کا بے پردہ رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھو پاک نظر سے دیکھو، اور ان کو اپنی اس حماقت کا علم نہیں ہے کہ یہ محال ہے جس طرح بھوک میں پاک اور بے طمع نظر سے کھانے کو دیکھنا محال ہے اسی طرح جب شہوت ہمارے اندر رکھ دی گئی ہے تو شہوت کے ہوتے ہوئے نامحرم لڑکیوں کو پاک نظر سے دیکھنا بھی ممکن نہیں۔ اور اگر پیٹ بھرا ہو تو کھانے کو دیکھ سکتا ہے لیکن اس سے لذت یاب نہیں ہو سکتا لیکن شہوت ایسی چیز ہے کہ اگر اپنی بیوی سے صحبت بھی کر کے آیا ہے اور پھر بیوی سے زیادہ کوئی حسین صورت سامنے آجائے گی تو نفس آنکھوں سے لذت کا کوئی نہ کوئی درجہ حاصل کرلے گا۔ معلوم ہوا کہ بے پردگی سے معصیت کا کوئی درجہ ہر حال میں رہے گا۔ اسی لیے شریعت نے بے پردگی کو حرام فرمادیا۔ جس طرح بھوک میں صرف دیکھنے سے معدہ میں غذا نہیں پہنچ جاتی لیکن معدہ اپنا کام شروع کر دیتا ہے اسی طرح آنکھوں سے دیکھنے سے اگرچہ اعضائے شہوت مبتلا نہیں ہوتے لیکن آنکھوں سے لذت میں مشغول ضرور ہو جاتے ہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں فرماتے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں۔

اللہ نے اپنی رحمت کے خزانے لٹانے کے لیے ہمیں پیدا کیا

ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہم کو کیوں پیدا کیا؟ کیا ہم سے انہیں اپنا کوئی بنگلہ بنوانا تھا یا کوئی مزدوری کرانی تھی یا کوئی کام کرانا تھا؟ ان کو ہماری کوئی ضرورت اور احتیاج نہیں تھی، اللہ نے تو اپنے خزانے لٹانے کے لیے ہم کو پیدا کیا ہے۔

---

[۱۳۲] ابراھیم:۷

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

میں نے اے بندوں! تم کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ تم سے کوئی نفع حاصل کروں بلکہ اس لیے پیدا کیا ہے کہ اپنی رحمت کے خفیہ خزانے تم پر لٹادوں۔ پس جب اسی لیے پیدا کیا ہے تو اس ماہِ مبارک میں یوں دعا مانگو کہ اے وہ ذات پاک! جس نے ہمیں اپنا فقیر بنا کر پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ اپنے خزانے ہم پر لٹادے تو اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ کا ایک فرد آپ سے بھیک مانگ رہا ہے کہ ان خزانوں کی بارش مجھ پر بھی فرما دیجیے اور میری دین اور دنیا کی مرادوں کو پورا فرما دیجیے۔

۷؍ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۴؍ ستمبر ۱۹۷۴ء، بروز منگل

ایک خواب کی انوکھی تعبیر

ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں نے عجیب خواب دیکھا کہ میں حج پر گیا ہوں تو اہلِ عرب نے جہاز کے سامنے یہ نعرہ لگایا کہ اونٹ ہمارا خدا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ حضرت تھانوی سے حضرت پھولپوری نے نقل کیا کہ خواب میں بعض دفعہ بعض الفاظ محذوف ہو جاتے ہیں اس خواب میں لفظ نشانی چھوٹ گیا۔ جملہ یوں تھا کہ اونٹ ہمارا نشانیٔ خدا ہے اور یہ نشانی عرب میں سب سے زیادہ ہے:

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ[۱۲۳]

کیفیتِ خلق کی طرف متوجہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ کیفیتِ خلق سے کیفیتِ صانع کی معرفت حاصل کرو۔ مخلوق میں صانع کو دیکھو کہ جس کی مخلوق کی یہ کیفیت ہے اس کا صانع کیسا ہوگا۔ کیفیت مصنوعیت کیفیت صانع پر دلالت کرتی ہے۔

---

[۱۲۳] الغاشیۃ:۱۷

۱۲؍ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۲۹؍ ستمبر ۱۹۷۴؁ء، بروز اتوار

عروج بصورتِ نزول

ارشاد فرمایا کہ آج کل رات کو سحری میں تو اٹھنا ہی ہوتا ہے منہ اور ہاتھ دھونے ہوتے ہیں کہنی اور پاؤں تک دھو کر وضو کر لیا اور چار نفل یا چھ نفل تہجد پڑھ کر دعا کر لی۔ رمضان میں تہجد پڑھنا آسان ہے۔ جو آج کل بھی تہجد نہ پڑھے بس وہ محروم ہی ہے۔ یہ دن اللہ کی طرف سے لُٹانے کے دن ہیں، ہماری طرف سے لُوٹنے کے دن ہیں۔ آج کل یوں دعا مانگو کہ اے اللہ! آپ نے اپنے خزانے لٹانے ہی کے لیے ہمیں پیدا کیا ہے، حدیثِ قدسی ہے کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا [۱۲۴] اور ہم فقیر ہیں، آپ نے ہم کو اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ فرمایا تو ایک فقیر آپ سے مانگ رہا ہے آپ اپنے خزانۂ کرم سے تھوڑی سی بھیک عطا فرما دیجیے۔ ہمارے پیدا کرنے سے اللہ کو کوئی نفع نہیں تھا، نہ اپنی عبادت کرانے میں ان کا کوئی نفع ہے، آپ نماز پڑھتے ہیں اس سے خدا کی سلطنت بڑھ نہیں جاتی ہے بلکہ ہماری بندگی کی تکمیل کرا کے معراج عطا فرما رہے ہیں آپ کو اپنا مقرب و مکرم فرما رہے ہیں۔ سر کو نزول ہو رہا ہے مگر روح کو عروج ہو رہا ہے سر زمین پر اتر رہا ہے، لیکن اتر نہیں رہا بلند ہو رہا ہے۔ صورتاً نزول ہے حقیقتاً عروج ہے۔ اس کا نام ہے عروج بصورتِ نزول۔

۱۶؍ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۳؍ اکتوبر ۱۹۷۴؁ء، حیدر آباد

دنیائے فانی کے آثار سے کون محفوظ ہوتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ [۱۲۵] دو حیات ہیں: ایک تو حیاتِ ابدی و آسمانی ہے، اور ایک حیات دنیا ہے۔ تو حیاتِ دنیا مع اپنے متعلقات کے دھوکے کی پونجی ہے، کیوں کہ جب یہ دنیا دھوکے کی کنجی ہے تو جو چیز اس سے متعلق

---

[۱۲۴] مرقاۃ المفاتیح: ۱۰/۳۶۵ (۵۶۹۸)، باب بدء الخلق وذکر الانبیاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت/کشف الخفاء ومزیل الالباس: ۲/۱۵۵ (۲۰۱۶)، مکتبۃ العلم الحدیث

[۱۲۵] الحدید: ۲۰

ہوگی وہ بھی دھوکا ہوگی، اس لیے دنیا کی ہر شے سے دل لگانا دھوکے سے دل لگانا ہے۔ بس حیاتِ ابدی اور اس کے متعلقات ہی اصل چیز ہیں یا دنیا میں رہتے ہوئے جس کا جسم تو دنیا میں ہو لیکن دل کا رابطہ اس حیاتِ ابدی مافوق السماء سے ہو تو اس رابطے کی برکت سے دنیا میں رہتے ہوئے وہ دنیائے فانی کے آثار سے محفوظ اور حکماً مافوق السماء حیات سے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ نہیں کہ دنیاوی حسن سے وہ متأثر نہیں ہوتا، نامرد نہیں ہوتا تأثر کامل ہوتا ہے لیکن تأثرِ کامل کے ساتھ اہتمامِ تقویٰ بھی کامل ہوتا ہے۔ جس کو تأثر کامل ہوتا ہے اور اہتمامِ تقویٰ کامل ہوتا ہے اتنا ہی اجر کامل ہوتا ہے، اور جس کا تأثر ناقص ہوتا ہے اس کا اجر بھی ناقص ہوتا ہے۔ پس جو جتنا قوی الشہوت قوی النفس ہوتا ہے مجاہدہ کے سبب اتنا ہی قوی النور ہوتا ہے۔

کیفیتِ دَرد

آج بعد تراویح حیدرآباد میں حضرتِ والا کا ایسا دردناک وعظ حاجی گلو کے گھر ہوا کہ حاضرین رو رہے تھے۔ اس وعظ کا یہ اثر تھا کہ روح مست ہوگئی اور نیند بھی نہیں آئی اور طبیعت تروتازہ تھی۔ احقر اور عبد الباسط بھائی حضرتِ والا کی خدمت میں تھے احقر پاؤں دبا رہا تھا اور عبد الباسط سر میں تیل لگا رہے تھے کہ حضرتِ والا نے فی البدیہہ یہ شعر فرمایا اور حضرتِ والا پر بھی عجیب کیفیت طاری ہوگئی حضرت دیر تک یہ شعر بار بار پڑھتے رہے ؎

چوں بہ عکسِ حُسنِ تو از ہوش رفتہ می شوم
پس چہ باشد چوں ترا بے پردہ بینم روز حشر

اور پھر یہ فرمایا ؎

اپنا دیوانہ بنالے مجھ کو اے ربِّ جہاں

پھر یہ شعر فرمایا ؎

جانِ اختر کو کرم سے جانِ مضطر کیجیے
دوسری جانوں کو میری جاں سے مضطر کیجیے

۱۶؍ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۳؍ اکتوبر ۱۹۷۴؁ء

بر مکان حاجی گلو صاحب، حیدر آباد

ایک علمِ عظیم

ارشاد فرمایا کہ

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ[۱۲۶]

میں اٰمَنُوۡا میں تو ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا اور وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ میں مضارع لائے، اور مضارع میں خاصیت تجدد استمراری کی ہے۔ معلوم ہوا کہ کیوں کہ ایمان صرف ایک بار ہی لانا ہوتا ہے اس لیے ماضی سے بیان کر دیا لیکن تقویٰ کی محنتیں کیوں کہ عمر بھر کرنی ہیں اور تقویٰ کے اہتمام کا تسلسل پوری زندگی جاری رکھنا ہے اس لیے مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ تقویٰ اور ولایت ایک ایسا عمل ہے جو آخری سانس تک جاری رہے گا اور عمر بھر حق تعالیٰ کے ساتھ اس رشتہ ولایت کی تجدید کرنی پڑے گی۔ کبھی گناہوں سے یہ رشتہ ٹوٹ جائے گا یا کمزور ہو جائے گا تو اب سجدہ میں گرا ہوا آنسو بہا رہا ہے، گڑگڑا رہا ہے کہ یا اللہ معاف فرما دیجیے۔ یہ کیا ہے؟ یہی تجدید رشتہ ولایت مع الحق ہے اور یہ جھگڑا زندگی بھر کا ہے عمر بھر اس تراش خراش میں لگا رہنا ہے اس لیے وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ میں مضارع سے یہ بتا دیا کہ عمر بھر تقویٰ کا اہتمام اور محنت کرنا پڑے گی اور مضارع حال اور استقبال دونوں کے معنیٰ رکھتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حال میں تقویٰ کا اہتمام ضروری ہے اور مستقبل میں بھی ایسا نہ ہو کہ مستقبل میں تقویٰ کا اہتمام چھوڑ دو بلکہ یہ محنت عمر بھر کرنی پڑے گی۔ موجودہ زمانے میں بھی تقویٰ کا اہتمام رکھنا اور خیال رکھنا کہ آیندہ بھی تقویٰ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ حال و استقبال مضارع میں ہوتا ہے۔

---

[۱۲۶] یونس: ۶۳

۱۹؍ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۶؍ اکتوبر ۱۹۷۴؁ء

ڈاکٹر ایوب کے خط کا جواب بذریعہ ڈاک لندن بھجوایا

ارشاد فرمایا کہ اتباعِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اصل مقصود ہے جو فَاتَّبِعُوْنِیْ میں منصوص ہے، اور اتباع کا ملنا صحبتِ اہل اللہ پر موقوف ہے۔ اتباع کے ساتھ آدمی دور رہ کر بھی قریب ہے اور اتباع نہ ہو تو قریب رہ کر بھی دور ہے۔ عقل مند کو اشارہ کافی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا[۱۲۷]

مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو پرہیز گار ہیں خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں۔ یعنی کسی قوم اور کسی ملک کے ہوں۔

۲۰؍ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۷؍ اکتوبر ۱۹۷۴؁ء، حیدر آباد

تقویٰ کی کان کی کرامت

چند احباب کے سامنے وعظ کے درمیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لِکُلِّ شَیْءٍ مَعْدِنٌ وَمَعْدِنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ[۱۲۸]

ہر شے کا ایک معدن (کان) ہوتا ہے اور تقویٰ کی کان اللہ والوں کے دل ہیں۔ اس حدیث شریف پر یہ مثال بیان فرمائی کہ ایک بار ایک گدھا اچانک نمک کی کان میں گر کر مر گیا اور کچھ دن بعد گل سڑ کے نمک بن گیا، مقولہ ہے کہ ”ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد۔“ اسی طرح تقویٰ کی کان قلوب العارفین ہیں اس کان میں اگر گدھا بھی

---

[۱۲۷] صحیح ابن حبان: ۲/۴۱۴-۴۱۵ (۶۴۷)، مؤسسۃ الرسالۃ

[۱۲۸] کنز العمال: ۳/۹۰ (۵۶۳۸)، مؤسسۃ الرسالۃ

گرے گا یعنی کیسا ہی گناہ گار گرے گا تو متقی بن کر نکلے گا۔ گناہ گار سے گناہ گار بھی معدن التقویٰ یعنی قلوب العارفین کی صحبت سے مشرف ہو کر متقی بن جاتا ہے۔

صحبت کے فوائد

ایک بے پڑھا لکھا شخص جو اپنے الہام کو کہتا تھا کہ خبر دیت یعنی اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں۔ شیخ کی صحبت بابرکت سے اس قابل ہوا کہ پانچ سو علماء کے استاد ملّا نظام الدین ان سے بیعت ہوئے۔

آخرت کے پرچے میں سو فیصد کامیابی

ارشاد فرمایا کہ اگر ممتحن طالب علموں کو بتادیتا ہے کہ فلاں پرچہ میں فلاں مضمون یاد کرلینا تو اس کو یاد کرنا طلبہ امتحان میں سو فیصد کامیابی سمجھتے ہیں اسی طرح آخرت میں تقویٰ کے پرچے میں کامیابی سو فیصد کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں ہے کیوں کہ یہ نسخہ وہ ذات بتارہی ہے جسے آخرت میں تقویٰ کا امتحان لینا ہے۔

۲۱؍ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۸؍ اکتوبر ۱۹۷۴؁ء، سوا تین بجے دوپہر،
احقر اور عبد الباسط بھائی موجود تھے

ماضی حال اور مستقبل کیسے روشن ہوتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ عبد الباسط دیر سے ملا مگر اس وقت سب سے آگے ہے کہ یہی ساتھ رہتا ہے۔ بعض دیر سے داخل ہوتے ہیں مگر اگر فضل ہو تو پہلے والوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح جب فضل فرمادیتے ہیں تو بڑے بڑے گناہ گار کو اپنا بنالیتے ہیں اور گناہ گار کے سینے کو تقویٰ کے نور سے بھر دیتے ہیں کہ ماضی بھی روشن ہوجاتا ہے۔ تاریک ماضی کو بھی وہ آفتابِ حال روشن کردیتا ہے۔ آفتابِ حال سے مراد اصلاح حال بھی ہے اور توفیق تلافیٔ ماضی بھی ہے۔ اور فرمایا کہ دل سے آنکھیں بنتی ہیں آنکھوں سے دل نہیں بنتا، یعنی دل اگر اللہ والا نورانی ہے تو آنکھیں بھی نورانی ہوتی ہیں اور وہ اللہ والوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہیں اور اگر دل میں گندگی ہے تو آنکھیں بھی گندی چیزوں کو دیکھتی ہیں پھر وہ صورتوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب دعا

حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ اے مالک! ہم سے گناہ نہیں چھوٹتے آپ اپنی رحمت کو ہم پر بند نہ کیجیے۔

۲۸/ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۱۵/ اکتوبر ۱۹۷۴؁ء بروز منگل، بعد فجر، کراچی

شیخ کا صرف وَلی نہیں مُرشد ہونا بھی ضروری ہے

احقر مظہر میاں کے ساتھ صحن کی مٹی اُٹھا کر پھینک رہا تھا تو احقر سے حضرت مرشدی دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ ایک نکتہ نوٹ کرلینا اور یہ نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر ہے بلکہ لطائف ہیں:

وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا[۱۲۹]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیخ کے لیے صرف ولی ہونا کافی نہیں مرشد ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی منصب مشیخت کے لیے صرف ولایت ہی کافی نہیں فن ارشاد سے واقف ہونا بھی ضروری ہے یعنی ولایت کے ساتھ راستہ طے کرانے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔ جو ولی مرشد ہو گا وہی راستہ طے کرا سکتا ہے اور جو ولی تو ہے لیکن مرشد نہیں وہ رہبر و مصلح نہیں ہو سکتا۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ شیخ کے لیے صرف صالح ہونا کافی نہیں ہے مصلح ہونا بھی ضروری ہے۔ شیخ کو صالح اور مصلح دونوں ہونا چاہیے۔

۲۹/ رمضان المبارک ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۱۶/ اکتوبر ۱۹۷۴؁ء، بعد فجر

توبہ وندامت سے ماضی حال اور مستقبل کی تلافی

ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کا ماضی خراب ہو گیا تو حال خراب ہو جاتا ہے اور جس کا حال خراب ہو گیا اس کا مستقبل خراب ہو جاتا ہے مثلاً ماضی میں کوئی بچہ آوارہ گردی کرے اور علم حاصل نہ کرے تو حال پر اس کا اثر یہ ہو گا کہ جاہل رہے گا، اور جب حال

---

[۱۲۹] الکھف:۱۷

خراب ہو گیا تو مستقبل بھی تباہ ہو گا۔ اور اگر ماضی کی خرابی کی تلافی کر لی اور عمر رفتہ بر جفا پر ندامت و توبہ کر کے حق تعالیٰ کو راضی کر لیا تو اصلاح ماضی سے حال روشن ہوتا ہے اور اصلاحِ حال سے مستقبل روشن ہوتا ہے۔

تعلق مع اللہ کی علامت

ارشاد فرمایا کہ جو بچہ ماں کی گود میں رہتا ہے اس کو اگر ماں کی گود سے چھینا جاتا ہے تو وہ رونے لگتا ہے اور بے چین ہو جاتا ہے، اور جس بچے نے ماں کی گود ہی نہیں دیکھی وہ ہر ایک کی گود میں چلا جاتا ہے، ہر گود اسے اپنی آغوش میں لے سکتی ہے۔ بس یہی حال ان لوگوں کا ہے جن کی روحوں کو تعلق مع اللہ حاصل ہے ان کو جب شیطان یا نفس اللہ کی رضا کے دائرے سے کھینچنا چاہتے ہیں تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ مثل اس چھوٹے بچے کے بے چین ہو جاتے ہیں جس کو ماں کی آغوش سے چھینا جا رہا ہو، اور اگر کوئی شخص لڈو دکھا کر بچے کو ماں کی گود سے لے بھی لے لیکن جیسے ہی لڈو ختم ہو گا وہ پھر ماں کی آغوش کے لیے رونے لگتا ہے اسی طرح اگر نفس و شیطان گناہ کرا بھی دیتے ہیں لیکن گناہ کے بعد وہ پھر اللہ کے لیے بے چین ہو جاتا ہے اور جب تک توبہ کر کے رحمت الٰہیہ کی آغوش میں نہیں آتا اسے چین نہیں آتا۔

۵/ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۷۴ء، بعد ظہر

ماضی، حال اور مستقبل روشن کرنے کیلئے ذکر کماً اور کیفاً کامل ہونا چاہیے

سیف الاسلام، مصباح الاسلام، نعیم اختر، خالد نعمانی، عبد الرحمٰن اور صبار دانش حیدر آباد سے آئے تھے۔ ان کے سامنے حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا کہ انسان کی زندگی کے تین زمانے ہیں، ماضی، حال اور مستقبل۔ جس کا ماضی جتنا روشن ہو گا اتنا ہی اس کا حال روشن ہو گا، اور جس کا حال روشن ہو گا اس کا مستقبل روشن ہو گا۔ اسی طرح جس کا ماضی جتنا تاریک ہو گا اتنا ہی اس کا حال تاریک ہو گا، اور جس کا حال جتنا تاریک ہو گا اتنا ہی اس کا مستقبل تاریک ہو گا۔ معلوم ہوا کہ ماضی کے روشن ہونے سے حال روشن ہوتا ہے اور حال کے روشن ہونے سے مستقبل روشن ہوتا ہے، اور اس کے برعکس ماضی کے

تاریک ہونے سے حال تاریک ہوتا ہے اور حال تاریک ہونے سے مستقبل تاریک ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کا ماضی تاریک ہے یعنی اگر پچھلی عمر گناہوں میں گزری ہے تو وہ ماضی کیسے روشن ہوسکتا ہے؟ اس کا علاج ہے اللہ کا ذکر، گزشتہ پر ندامت اور توبہ اور انابت الی اللہ۔ غفلت زدہ ایّام زندگی پر ندامت اور توبہ سے اور اللہ کا ذکر کرنے سے ماضی بھی روشن ہوجاتا ہے۔ آفتابِ ذکر تاریک ماضی کو بھی روشن کردیتا ہے کیوں کہ حق تعالیٰ صرف نور ہی نہیں ہیں مُنوِّر بھی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں؎

ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

اللہ کا ذکر گناہوں سے افسردہ اور بجھے ہوئے تاریک ماضی کے لیے آفتاب ہے جو ساری تاریکیوں کو نور سے مبدل کردیتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ذکر کمّاً اور کیفاً کامل ہو جیسے جیسے ذکر کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے کامل ہوتا جائے گا ویسے اس کا نور قوی ہوتا جائے گا۔ کمیت تو یہ ہے کہ جتنا مربی تجویز کردے مثلاً ۵۰۰/ بار ذکر کرنا اور کیفیت یہ ہے کہ ذکر دردِ محبت اور اخلاص کے ساتھ کرے۔ جیسے کسی پیاسے کی پیاس کو اس وقت تسکین ہوتی ہے جبکہ پانی کمّاً بھی پورا ہوا اور کیفاً بھی، یعنی اگر ایک گلاس کی پیاس ہے تو اتنا ہی پانی اتنی ہی کمیت میں ہو، لیکن صرف کمیت ہی سے پیاس نہیں بجھے گی بلکہ اس میں کیفیت بھی ہونی چاہیے یعنی ٹھنڈا بھی ہو، اس طرح روح پر ذکر کا کامل اثر اسی وقت ہوگا جبکہ اس کی کمیت اور کیفیت دونوں کامل ہوجائیں گی۔ اور جب پیاسے کو پانی ملتا ہے تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللهُ[۱۳۰]

اسی طرح جب اللہ کا نام لو تو یہاں بھی ابتلال عروق اور اِذْهَابُ الظَّمَأُ کا احساس ہوجانا چاہیے یعنی یہ محسوس ہونا چاہیے کہ روح کی بے چینی کو تسکین ہوگئی اور رگ رگ سیراب ہوگئی، بلکہ جتنا پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے تسکین اور ابتلال عروق محسوس ہوتا ہے اس سے زیادہ تسکین اور رگ رگ میں اس سے زیادہ سیرابی اللہ کے نام سے ہونی چاہیے،

---

[۱۳۰] سنن ابی داؤد: ۳۲۱/۱، باب القول عند الافطار، ایچ ایم سعید

کیوں کہ جتنی پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے محبت ہوتی ہے اللہ کی محبت اس سے بھی زیادہ مطلوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگ رہے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ [۱۳۱]

اے اللہ! مجھے آپ اپنی اتنی محبت عطا فرمادیجیے کہ میری جان سے زیادہ، اہل و عیال سے زیادہ اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ۔ آپ مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہوں اور اہل و عیال سے بھی زیادہ محبوب ہوں اور جتنا پیاسے کو ٹھنڈا پانی محبوب ہوتا ہے آپ مجھے اس سے بھی زیادہ پیارے معلوم ہوں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اتنی محبت حاصل تھی یہ دعا مانگ کر امت کو مانگنا سکھا رہے ہیں۔ جب ذکر میں ایسی کیفیت پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اب ذکر کامل ہو گیا، لیکن شروع میں اس کیفیت کا انتظار نہ کرے بلکہ ذکر کی کمیت ہی کو پورا کرلے یعنی مربی نے جتنا ذکر بتایا ہے اس کی تعداد کو پورا کرلے، چاہے پورے ذکر میں بے کیفی رہے، کیوں کہ کمیت کے پورا کرنے ہی سے کیفیت حاصل ہوگی۔ کمیت کے اندر ہی حق تعالیٰ رفتہ رفتہ کیفیت ڈال دیتے ہیں۔ کیفیت حال ہے اور کمیت محل ہے اور محل کے بغیر حال کا وجود محال ہوتا ہے اور محل کو حال پر تقدم حاصل ہوتا ہے یعنی محل کے لیے تقدم علی الحال مستلزم ہے اسی طرح ذکر کی کمیت کو کیفیت پر تقدم ہے۔ پس جو لوگ محل کے بغیر حال کا انتظار کر رہے ہیں وہ امرِ محال کا انتظار کر رہے ہیں یعنی ذکر کی کمیت کو پورا کیے بغیر کیفیت ذکر اور حق تعالیٰ کی محبتِ خاصہ اور ولایتِ خاصہ کا انتظار کرنا امرِ محال کا انتظار کرنا ہے۔ بغیر ذکر پورا کیے کوئی کیفیتِ دردِ محبت اور اخلاص حاصل نہیں کر سکتا۔ کمیت کو پورا کرنے سے تمام کیفیات و حالات و مقامات حاصل ہو جاتے ہیں۔ پس ماضی کی تلافی توبہ سے کرکے حال کو نافرمانی سے محفوظ رکھیے تو زندگی کے تینوں زمانے روشن ہو جائیں گے۔

حضرتِ والا کی خوش طبعی و محبت

کل رات ۴؍ شوال کو بعد عشاء جب حضراتِ مذکورہ حیدرآباد سے آئے تو

---

[۱۳۱] جامع الترمذی: ۲/۱۸۷، باب من ابواب جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

احقر ناظم آباد میں حضرت کے دواخانہ میں کھانا کھا رہا تھا، کھانا کھا کر باہر آیا تو سر پر ٹوپی اوڑھنا بھول گیا۔ حضرتِ والا نے نہایت محبت کے لہجے میں فرمایا کہ آپ کی ٹوپی کیا ہوئی۔ خیر کوئی بات نہیں بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی۔

احقر کے لیے بشارتِ عظمیٰ

ایک صاحب کا خط آیا جس میں بہت اچھے اچھے خواب انہوں نے دیکھے تھے۔ صرف احقر صبح حاضر خدمت تھا۔ احقر سے فرمایا کہ خوابوں کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ دیکھو فلاں مولوی صاحب نے کتنا عمدہ خواب دیکھا تھا مجھ سے تعلق کرنے کے بعد، لیکن بعد میں کچھ تعلق کا حق ادا نہیں کیا۔ اور تمہیں مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہے لیکن تم کوئی خواب نہیں دیکھتے۔ اصل چیز بیداری کی حالت ہے۔ میں جب اپنے شیخ سے بیعت ہونے چلا تو اسی رات خواب دیکھا کہ میں مولانا سراج احمد صاحب سے بیعت ہو گیا ہوں اور انہوں نے مجھے سینے سے لگالیا۔ اگر میں خواب پر ان سے بیعت ہو جاتا تو تباہ ہو جاتا کیوں کہ بیداری میں مجھے ان سے مناسبت نہیں تھی۔ اس خواب کے بعد بھی میں اپنے شیخ پھولپوری ہی سے بیعت ہوا۔ کیوں کہ اگر کسی کو بیداری میں کسی محبوب سے محبت ہے اور خواب میں دیکھے کہ کسی دوسرے محبوب نے اسے سینے سے لگالیا تو کیا خواب سے بیدار ہو کر اسے اس دوسرے محبوب سے حقیقتاً محبت ہو جائے گی؟ ہرگز نہ ہوگی۔ بس روحانی مناسبت کا بھی یہی معاملہ ہے۔

حضرتِ والا کے ارشاد سے کہ تمہیں مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہے، احقر کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔

مجھ پہ یہ لطف فراواں میں تو اس قابل نہ تھا

احقر کی روح پر ایک سُکر کی کیفیت طاری تھی۔ اس خاص کیفیت میں یہ شعر موزوں ہوا۔

پھر خون کی گردش میں صہبا کی ہے آمیزش
ہے آج کرم فرما وہ نرگسِ مستانہ

ربوبیت کے واسطے سے معافی مانگنے کی حکمت

ارشاد فرمایا کہ ربوبیت کو محبت میں خاص دخل ہے۔ بچے کو ماں باپ سے محبت اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ ماں باپ اس کی پرورش کرتے ہیں، اس کی رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے ماں باپ کی ربوبیت اور پرورش اس میں شامل ہے، اس لیے جب بچہ غلطی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے ابا مجھے معاف کر دیجیے تو باپ جلدی معاف کر دیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھی سکھایا کہ جب تم سے کوئی میری نافرمانی ہو جائے تو میری ربوبیت کا واسطہ دے کر مجھ سے معافی مانگو رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اے میرے رب! مجھے معاف فرما دیجیے۔ آپ کی پرورش کا حق تو یہ تھا کہ ہم آپ کی معصیت نہ کرتے، میری رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے اس میں آپ کی ربوبیت شامل ہے اور اس کا ایک ایک قطرہ آپ کی ربوبیت کی نشانی ہے، یہی خون آنکھوں میں بینائی بنتا ہے، کانوں میں شنوائی بنتا ہے، زبان پر گویائی بنتا ہے، ہاتھ پاؤں میں چلنے پھرنے کی طاقت بنتا ہے لہٰذا جب ان اعضا سے آپ کی معصیت کی تو اس خون کا غلط استعمال کیا اور آپ کی ربوبیت کا حق ضائع کیا، جس ربوبیت کا میرا وجود مرہونِ منت ہے میں آپ کو اسی ربوبیت کا واسطہ دیتا ہوں کہ اے میرے رب! مجھے معاف فرما دیجیے اور مجھ پر رحم فرمائیے۔ اس واسطۂ ربوبیت سے حق تعالیٰ کی رحمت کو جوش آتا ہے کہ آخر ہم ان ہی کے تو ہیں۔

دنیا کب اچھی نہیں لگتی؟

ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر ایوب کو چند دن کی صحبتیں مل گئیں اس کا اثر یہ ہے کہ خط آیا ہے لکھا ہے کہ لندن میری نگاہوں میں پھیکا ہو گیا۔ دنیا اسی وقت تک اچھی معلوم ہوتی ہے جب تک اس سے اچھی چیز نہیں ملتی، جب اس سے اچھی چیز مل جاتی ہے تو دنیا نگاہوں سے گر جاتی ہے۔ کافروں کو دنیا اس لیے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ انہیں اس سے اچھی چیز نہیں ملی، یعنی حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق سے ان کے دل محروم ہیں اس لیے یہ دنیا انہیں اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ان مسلمانوں کو بھی جو گناہوں کی تاریکی میں چلے گئے۔ اور خارجی تاریکی اگر شدید ہو تو باطنی بینائی بھی کام نہیں کرتی مثلاً اگر اندھیرا گھپ ہو تاروں کی روشنی

بھی نہ ہو تو ہاتھ کو ہاتھ نہیں دکھائی دیتا تو اگرچہ باطنی بینائی موجود ہے لیکن خارجی ظلمت کی وجہ سے معطل ہوگئی اور اندھیرے میں نظر نہیں آتا کہ وہاں سانپ بچھو اور غلاظت ہے اسی طرح کلمہ اور ایمان کی برکت سے مسلمانوں میں باطنی بینائی تو ہے لیکن گناہوں کی تاریکی سے دنیا کی حقیقت ان پر نہیں کھلتی اور دنیا ان کو اچھی معلوم ہونے لگتی ہے۔

۸؍ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۷۴ء، بروز جمعۃ المبارک

شیخ سے مناسبت کی اہمیت

آج دوپہر قاسم میاں اور بعض حضرات حیدر آباد سے آئے اور بعض لوگ بیعت ہوئے۔

ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کو کسی گم نام یا کم مشہور شخصیت سے مناسبت ہوتی ہے اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ شخص اللہ والا ہے اور بوجہ مناسبت کے میرا کام بھی اسی سے بنے گا لیکن اس سے تعلق کرنے میں جاہ مانع ہوجاتی ہے اور محروم رہ جاتے ہیں۔ آج کل زیادہ تر لوگ طالبِ جاہ ہیں طالب اللہ کم ہیں۔ مجمع دیکھتے ہیں تاکہ لوگوں میں مشہور ہو جائے کہ فلاں شخصیت کے مرید ہیں۔ مرید ہو جاتے ہیں چاہے پیر صاحب سے مصافحہ بھی کبھی نہ ہوسکے اور نہ اپنا حال کہہ سکیں۔ شیخ کی صحبت میں ایک عرصہ رہنے سے کام بنتا ہے۔ اگر کوئی انڈا کہے کہ صاحب میں پی آئی اے کی بڑی نسل کی مرغی سے بیعت ہوں تو اس سے کہا جائے گا کہ تجھے مرغی کے پروں کی کچھ گرمی بھی پہنچی ہے، اگر گرمی پروں کی حاصل نہ ہو تو محض بیعت ہونا مفید نہیں ہے۔ اگر چھوٹی مرغی کے پروں میں بھی یہ انڈا چلا جائے گا تو جان پڑ جائے گی۔ اسی طرح محض مجمع نہ دیکھو، اگر کسی چھوٹے اللہ والے سے تعلق کرلے تو اللہ والا ہو جائے گا، ورنہ اگر صحبت نہ ہو تو بڑے سے بڑے اللہ والے سے بیعت ہونے والا بھی محروم ہی رہے گا۔

اور جب بچہ انڈے سے نکل آتا ہے تو مرغی چونچ سے اسے کھانا اور پاؤں سے زمین کرید کر دانہ تلاش کرنا بھی سکھاتی ہے، مرغی کو دیکھ دیکھ کر بچہ خود دانہ تلاش

کرنا سیکھ جاتا ہے۔ اسی طرح جب اللہ والے کے پاس رہتے ہیں تو اس کے اخلاق و اعمال کو دیکھ کر طالب کی طبیعت آخذہ اس سے اخذ کرتی رہتی ہے، شیخ سے رونا بھی سیکھ جاتا ہے کہ اللہ کی یاد میں کیسے رویا جاتا ہے، بندوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔ جس طرح مرغی کا بچہ ایک معتدبہ مدت ماں کے ساتھ رہ کر دانہ تلاش کرنا سیکھ جاتا ہے اسی طرح اپنے شیخ کے پاس اتنا رہو کہ اس کو دیکھ دیکھ کر اللہ کو تلاش کرنا سیکھ لو۔ جب سیکھ لوگے تو اگر شیخ کی صحبت کے پروں سے الگ بھی ہو جاؤ گے تو نقصان نہ پہنچے گا۔

مجاہدہ کا انعام

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی سوئی چبھو کر ایک لاکھ روپیہ دے دے تو کیا کوئی ہے جو سوئی چبھوانا پسند نہ کرے گا؟ اسی طرح یہ مجاہدات کہ آنکھوں کو بچاؤ ان کی تکلیف پر اللہ جو قرب کی عظیم دولت عطا فرماتے ہیں ان کے سامنے مجاہدات کی تکلیف ایسی ہے جیسے سوئی چبھو کر ایک لاکھ مل جائیں۔

۱۲/ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۷۴ء، دوپہر

آدمیت اور شیطانیت کا فرق

رات حضرتِ اقدس نے ایک غلطی پر بغرضِ اصلاح احقر کو ڈانٹا تھا۔ آج صبح احقر سے فرمایا کہ میری ڈانٹ سے کیا تجھے غم ہوتا ہے؟ احقر نے عرض کیا بہت غم ہوتا ہے یہ خیال کر کے کہ احقر حضرتِ والا کی راحت کے بجائے اذیت کا سبب ہو جاتا ہے۔ بوقتِ دوپہر کرم خاص فرمایا اور فرمایا کہ میری ڈانٹ سے گھبرایا نہ کرو میری ڈانٹ تمہاری اس یقین دہانی کی وجہ سے ہوتی ہے کہ تم میرے پاس سے بھاگ نہیں سکتے۔ پھر حضرتِ والا ہنسنے لگے اور فرمایا کہ یقین دہانی کا لفظ میں نے سیاسی استعمال کیا ہے نا؟ احقر نے عرض کیا کہ مجھے تو اس میں محبت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ہنسنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ شیطان کو نکالا گیا تو بھاگ گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تو رونے لگے اور کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا دونوں کا اخراج صورتاً اگرچہ ایک ہے لیکن معناً زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک کے اخراج سے اس کی مردودیت کی تکمیل ہوئی اور دوسرے کے

اخراج سے ان کی مقبولیت کی تکمیل ہوئی اور آپ زمین پر نبوت سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح اگر پیر کسی مرید کو نکالے اور وہ بھاگ جاوے تو سمجھو کہ اس میں شیطانی مادّہ تھا جبکہ وہ دعوائے محبت بھی کر چکا ہے ہاں غیر کو نکالے اور غیر بھاگ جائے تو مضایقہ نہیں، اور شیطان بھی ایک ہزار سال عبادت کر کے محبت کا دعویٰ کر چکا تھا اس کے بعد بھاگ نکلا جس سے معلوم ہوا کہ سالک محض تھا عاشق نہ تھا۔

صورت پرستی کے نقصانات

پونے گیارہ بجے شب حضرتِ والا اندر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے سونے کی دوا پلاؤ۔ دوا پی کر فرمایا کہ اچھا بیچ سر میں تھوڑا سا تیل رکھ دو۔ احقر سر میں مالش کرنے لگا تو فرمایا کہ جو صورتیں آج آپ کو ناصبور کرنے والی ہیں بعد چند ایّام یہ صور اپنے آپ سے آپ کو نفور کرنے والی ہیں اس لیے انجام کے اعتبار سے بھی یہ ناقابل التفات ہیں۔ جن صور سے آپ کل نفور ہونے والے ہیں، شریعت آج ان سے نفور کراتی ہے تاکہ انجام میں آپ کو ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ شریعت کہتی ہے کہ ان صورتوں کو نہ دیکھو مجاہدہ کرو تاکہ ہمیشہ باعزت رہو، اور شیطان کہتا ہے کہ اس صورت کو آج ہی خوب اینٹھ لو چاہے کل اس کی صورت دیکھتے ہی فرار اختیار کرنا پڑے۔ شیطان آپ کو ایسے کرتوت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جس کے بعد آپ اس حسین کی نگاہوں میں فرتوت و بوم ہوں۔ آج جس صورت پر دل و جان قربان کرنے کو جی چاہتا ہے کل اس کی توند نکلنے کے بعد اور جسم کے موٹا اور بھدا ہونے کے بعد راہ فرار اختیار کرو گے۔ آج جس رفتار سے بے قراری ہے کل اس کی رفتار گاؤ پرواری ہے جس کو دیکھ کر عاشقوں کو راہ فراری ہے اور قبر میں گناہوں کا بوجھ بھاری ہے، کیوں کہ صورت پرست صورت میں تغیر کے بعد کوئی دوسرا حال تلاش کرے گا غرض ہر حال پر جائے گا۔ اور ہر مستقبل سے بھاگے گا اسی حال اور مستقبل کے چکر میں خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃَ کا مصداق ہو کر تباہ ہو جائے گا۔ ایسی جان کبھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ شریعت یہ نہیں کہتی کہ انجذاب اور تقاضا نہ ہو بلکہ شریعت تو صرف یہ کہتی ہے کہ مجاہدہ کرو وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ[۱۳۲]

---

[۱۳۲] الحج: ۷۸

۱۳/ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر ۱۹۷۴ء، صبح ساڑھے نو بجے

عافیت میں دعا کا انعام

ایک صاحب سے دورانِ گفتگو ارشاد فرمایا کہ عافیت مانگنی چاہیے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ الۡعَافِیَةَ وَدَوَامَ الۡعَافِیَةِ وَالشُّكۡرَ عَلَی الۡعَافِیَةِ[۱۳۳] اور عافیت کا دوام بھی مانگنا چاہیے اور عافیت پر شکر بھی کرنا چاہیے، اور دوام العافیہ کے بعد شکر علی العافیہ فرماکر امّت کو یہ سکھا دیا کہ جو شخص دوام عافیت چاہے اس کو چاہیے کہ عافیت پر شکر کیا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ مصیبت میں اس کی دعا قبول ہو اس کو چاہیے کہ عافیت میں دعا کیا کرے۔

۱۳/ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر ۱۹۷۴ء بعد ظہر
ناظم آباد نمبر ۴، کراچی

حضرتِ والا کا استغناء

ہندوستان سے ایک مل مالک آئے ہوئے تھے۔ فرمایا کہ کسی دنیادار کے یہاں اگر یہ شخص آجاتا تو اس کے آگے پیچھے پھرتے۔ چناں چہ آج فلاں جگہ جہاں یہ مہمان ہوں گے بہت انتظام کیا جارہا ہے اگرچہ میں بھی کر سکتا ہوں لیکن سکنے کی بھی سکت نہیں ہے۔

۱۳/ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر ۱۹۷۴ء، بعد نمازِ عشاء

کمالِ انسانیتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل

ارشاد فرمایا کہ

اَللّٰھُمَّ بَاعِدۡ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدۡتَّ بَیۡنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ[۱۳۴]

اس میں کاملِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے معصیت سے کامل بُعد مانگا ہے۔ جو شخص اعمالِ منافیٔ انسانیت سے کاملِ بُعد مانگتا ہو اس سے اس کے کمالِ انسانیت کا پتا چلتا ہے۔

---

[۱۳۳] کنز العمال: ۲/۶۷۹(۵۰۵۵)، مؤسسة الرسالة، ذکره بلفظ اسألك العافية من كل بلية

[۱۳۴] صحیح البخاری: ۱/۱۰۳(۷۴۹)، باب ما یقرأ بعد التکبیر، المکتبة المظهرية

تجلی اسمِ ظاہر و باطن

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ پھولپوری کے یہاں حاسدین نے مجھے چھپانے اور گم نام رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ہم حق تعالیٰ کی ربوبیت کی ہر آن پر فدا ہیں۔ اگر شیخ کسی طالب کو ظاہر کرنا چاہے اور اس طالب پر اسم باطن کی تجلی ہو رہی ہو تو شیخ کی کیا مجال ہے کہ اس کو ظاہر کرسکے۔ اس کی عبدیت اسمائے الٰہیہ کی تجلی کے سامنے سرنگوں اور سر تسلیم خم کیے ہوتی ہے۔ چناں چہ باوجود محبتِ شدیدہ کے شیخ مجھ کو ظاہر کرنے پر قادر نہ ہوسکے اور جب اللہ نے ظاہر کرنا چاہا تو نہ کسی نسبت کی ضرورت ہوئی نہ اشتہار کی۔ اپنی اسم ظاہر کی تجلی ڈال کر دکھادیا کہ ہم جس کو ظاہر کریں اس سے بعض دفعہ شیخ بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔

صرف ذاتِ حق تعالیٰ محبت کے قابل ہے

احقر سے ارشاد فرمایا کہ یہ جو ہمیں تمہیں مزہ مل رہا ہے یہ حقیقت کی برکت ہے، ابھی اگر مجاز کی طرف خیال چلا جائے تو اضطراب شروع ہوجائے اور اس محبوب حقیقی کی طرف اگر خیال چلا جائے تو سکون شروع ہوجاتا ہے کیوں کہ یہاں فراق کا سوال ہی نہیں وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ[۱۳۵] اس آیت نے اعلان کردیا کہ تم چاہے جس سے محبت کرکے دیکھ لو اس سے ایک دن جدائی ہوگی۔ کائنات میں صرف ایک میری ذات ہے جو ہر حال میں اور ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ میرے علاوہ کسی سے دل لگالو لیکن ہر وقت اس کی معیت کا حاصل رہنا محال ہے مثلاً کوئی اپنی بیوی سے محبت کرے لیکن اس سے جدائی ضرور ہوگی، کیوں کہ حوائج و ضروریات کی وجہ سے اس کو بازار اور دفتر جانا پڑے گا تو جدائی ہوگی یا بیوی کے رشتہ دار اور عزیز بھی ہوں گے جن کے پاس وہ چلی جائے گی یا موت آگئی۔ غرض اللہ کے علاوہ جس سے بھی دل لگاؤ گے اس سے جدائی ہوگی اور جدائی عاشق کے لیے موت ہے، اور محبوب ایسا ہونا چاہیے جس سے کبھی جدائی نہ ہو۔ اس طرح عقلاً بھی لائقِ محبت کاملہ سوائے حق تعالیٰ کی ذات کے کوئی اور نہیں ہے:

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

---

[۱۳۵] الحدید: ۴

اس کے مثل کوئی دوسرا نہیں ہے، پس جس کو زندہ ہونا ہو اس زندہ حقیقی سے دل لگائے اور جس کو مرنا ہو وہ محبوبانِ مجازی پر مرے، کیوں کہ ان سے دل لگانا موت ہے بوجہ معیتِ کاملہ کے فقدان کے۔ جب معیتِ دائمہ نہ ہوگی تو فراق میں اضطراب اور موت نظر آئے گی۔ جہنم کی سی کیفیت ہوگی کہ نہ مرے گا نہ جیے گا۔

حق تعالیٰ کی محبت کے اسرار

ارشاد فرمایا کہ جب حیدرآباد میں سیلاب آیا تھا تو پل کے گیراج گرادیے تھے جس سے سیلاب کا پانی دبا ہوا بہہ رہا تھا، اگر گیراج نہ گرائے جاتے تو پورا حیدرآباد ڈوب جاتا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے سیلاب کو روکنے کے لیے اپنے اولیاء کی زبانوں پر تحمل کا گیراج ڈال دیتے ہیں ورنہ اگر یہ بند نہ لگایا جائے تو اللہ کی محبت کے وہ راز فاش ہوجائیں کہ اس سیلاب میں پورا جہاں بہہ جائے اور نظامِ کائنات درہم برہم ہوجائے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

اگر اللہ کی محبت کے راز کو میں فاش کردوں تو یہ مل اور کارخانے بند ہوجائیں اور پورا جہاں درہم برہم ہوجائے۔

دو احادیثِ پاک کے اسرارِ عجیبہ

ارشاد فرمایا کہ امام بخاری نے نزولِ وحی سے پہلے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ[۱۳۶]

کیوں فرمایا؟ میرے شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ نزولِ وحی کا مقصود اصلاحِ اعمال ہے اور اصلاحِ اعمال موقوف ہے نیت کی درستی پر اس لیے یہ حدیث بیان فرمائی۔

اور فرمایا کہ حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَاءُ کی حدیث پڑھ کر فرمایا تھا کہ اس حُبِّبَ کا کوئی حَبَّبَ بھی ہے یعنی حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَاءُ یعنی اللہ نے اپنے نبی پر خلوت محبوب کردی تھی۔ اور خلوت لازم ہے محبت کو اور محبت لازم ہے معرفت کو، بغیر معرفت کے

---

[۱۳۶] صحیح البخاری: ۱/۲(۱)، باب کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ، المکتبة المظهرية

محبت نہیں ہو سکتی۔ معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے خلوت لازم آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص معرفت عطا فرمائی جس سے محبت پیدا ہوئی اور محبت سے آپ نے خلوت کو اختیار فرمایا۔

احقر کے لیے قابلِ وجد واقعہ

حضرتِ والا نے معارفِ مثنوی اٹھا کر مولانا محمد احمد صاحب اور احقر اور شیروانی صاحب کے بارے میں اشعار پڑھنے شروع کیے۔ مولانا رومی نے جو اشعار مولانا حسام الدین کے لیے کہے ہیں حضرتِ والا نے اپنے کرم سے وہ اشعار اپنے اشعار سے پہلے احقر کے لیے نقل فرمائے اور جب اس شعر پر پہنچے ؎

چوں شناسد جانِ من جانِ ترا
یاد دارند اتحاد و ماجرا

اور فرمایا کہ ہمارا تمہارا تذکرہ کر گئے ہیں مولانا رومی چھ سو برس پہلے۔ تو احقر پر شدید گریہ طاری ہو گیا اور احقر حضرتِ والا کے پاؤں پر گر کر رونے لگا۔ حضرتِ والا نے شفقت سے احقر کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا صبر کرو۔ پھر جب حضرتِ والا نے جو خاص اشعار احقر کے لیے خود فرمائے ہیں اس پر پہنچے ؎

جانِ عشرت جانِ من است
جانِ او ہر لحظہ مستانِ من است

تو احقر پر اور زیادہ شدید گریہ شروع ہو گیا اور احقر حضرتِ والا کے پاؤں پر لوٹنے لگا اور چومنے لگا اور زار و قطار رو رہا تھا حضرتِ والا بھی روتے جاتے تھے اور اشعار پڑھتے جاتے تھے اور اس شعر کو ؎

سینۂ تو پرز اسرار و رموز
راز عشق و عاشقی را صد کنوز

کوئی مرتبہ پڑھا حضرتِ والا کے اس گمان کی حق تعالیٰ لاج رکھ کر اس ناکارہ سیہ کار کو اپنے فضلِ خاص سے مشرف فرما دیں۔

۱۴؍شوال ۱۳۹۴؁ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۷۴؁ء، بروز جمعہ

کھانے کے بعد کی مسنون دعا کی انوکھی تشریح

آج فرقان صاحب نے حضرتِ والا کو اپنے گھر دعوت دی تھی جس میں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب ایڈوکیٹ، حافظ عتیق الرحمٰن، احقر اور مظہر میاں تھے۔ کھانے سے قبل فرمایا یہ دنیا عالمِ حجاب ہے غافلین کے لیے اور میدانِ حصولِ ولایت ہے ذاکرین کے لیے۔

طعام سے فراغت کے بعد فرمایا کہ کھانے کے بعد کی دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَطۡعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسۡلِمِیۡنَ[۱۳۷]

شکر ہے اس ذات کا جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا تو کھانے اور پینے کے ساتھ اسلام کے شکر کی کیوں تعلیم فرمائی۔ اس کی ایک حکمت حق تعالیٰ نے میرے دل میں عطا فرمائی نہ جانے اور کتنے حکم ہیں من جملہ ان حکم کے ایک حکمت یہ ہے کہ کھانا اور پینا اسی وقت نعمت ہے جب اسلام و اطاعت کے ساتھ ہو ورنہ کھانا پینا تو کافر بھی کرتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا مجرمانہ ہے:

کُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ[۱۳۸]

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چند دن کھاپی لو تم لوگ مجرم ہو۔ تو یہ کھانا پینا نعمت نہیں ہے۔ ایک نافرمان بیٹا بھی کھانا کھاتا ہے لیکن اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے کہ کھا تو رہا ہوں لیکن باپ کی نظر میں خار ہوں، اور ایک فرماں بردار بیٹا باپ کے ساتھ باپ کے دسترخوان پر کھاتا ہے کہ ہر لقمہ پر باپ کی محبت اور بڑھتی جاتی ہے اور باپ کا دل بھی باغ باغ ہوتا ہے ایک کا کھانا نعمت ہے۔ اور ایک کا کھانا مجرمانہ ہے۔

---

[۱۳۷] جامع الترمذی: ۲/۱۸۴، باب ما یقول اذا فرغ من الطعام، ایچ ایم سعید

[۱۳۸] المرسلٰت: ۴۶

۱۴؍ ذوقعدہ ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۳۰؍ نومبر ۱۹۷۴؁ء

بر مکان حافظ عبد القدیر صاحب، حیدر آباد

ایک علمِ عظیم

حضرتِ والا اشراق کی نماز پڑھ کر تلاوت فرما رہے تھے اور یہ آیت رو کر پڑھی:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللہِ ؕ اِنَّ اللہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّکُمْ[۱۳۹]

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ آیت آپ نے ہزار بار پڑھی لیکن اس وقت اللہ نے اس کی تلاوت میں ایک خاص لطف عطا فرمایا۔ میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کی ایک ایک آیت میں علوم کے سمندر بھرے ہوئے ہیں لیکن پردے پڑے ہوئے ہیں جب میاں چاہتے ہیں پردہ ہٹادیتے ہیں اور معنٰی ظاہر فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا یٰعِبَادِیْ حق تعالیٰ یٰعِبَاد بھی فرماسکتے تھے کہ اے نبی! بندوں سے کہہ دو یا یہ عنوان بھی فرماسکتے تھے کہ یٰعِبَادِنَا ہمارے بندوں سے کہہ دو لیکن قرآن میں جہاں جہاں خاص شانِ رحمت و تعلق کا ظہور ہوا ہے وہاں یائے متکلم کو استعمال فرمایا ہے جیسے کعبہ کو بَیْتِیْ فرمایا، اور بندوں کو اپنے خاص تعلق کے اظہار کے لیے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہلایا رَبَّنَا الْاَعْلٰی کی تعلیم نہیں دی۔

اسی طرح یٰعِبَادِیْ فرما کر بندوں کو خوش خبری دے دی کہ اے نبی! میرے ان بندوں سے فرمادیجیے جو مسرف علی النفس ہیں یعنی گناہ گار ہیں کہ تم لوگ میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ دیکھیے ابھی آیت نازل ہورہی ہے اور مسرفین علی النفس سے خطاب ہورہا ہے جنھوں نے ابھی توبہ بھی نہیں کی، ابھی پاک صاف بھی نہیں ہوئے لیکن ان کی رحمت دیکھو کہ عبادی فرما کر گناہ گاروں کے ساتھ بھی اپنا تعلق ظاہر فرمارہے ہیں کہ اے میرے گناہ گار بندوں! تم عین گناہ کی حالت میں بھی میرے ہی ہو

---

[۱۳۹] الزمر: ۵۳-۵۴

اگرچہ نالائق ہو، عین حالت گناہ میں بھی ہم تم سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اے مسرفین علیٰ النفس ابھی تو تم نفس و شیطان کے ہو جب توبہ کرکے میرے بن جانا تو میری رحمت سے ناامید نہ ہونا لیکن ان کی رحمت پر کتنی جانیں قربان کریں کہ ہم نے گناہ کرکے ان سے اپنا رشتہ کاٹ دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی اپنے تعلق اور نسبت کو ہم سے قطع نہیں فرمایا اور عبادی فرماکر یہ بشارت دے دی کہ اے بندو تم اگرچہ مسرف علیٰ النفس ہو، نالائق ہو لیکن میرے ہو۔ جس وقت تم گناہ کرتے ہو اور ہمیں بھول جاتے ہو ہم اس وقت بھی تم سے محبت رکھتے ہیں اور تم سے اپنا تعلق نہیں توڑتے لہٰذا تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا پر سارے عالم کے مسرفین علی النفس چونک گئے کہ کیا اعلان ہونے والا ہے۔ جیسے بادشاہ اعلان شایع کرے کہ پھانسی کے مجرموں کے نام اعلان! تو سارے مجرم ہمہ تن گوش بن جاتے ہیں اسی طرح سارے عالم کے گناہ گار چونک پڑے کہ کیا اعلان ہونے والا ہے تو اعلان فرمایا لَا تَقْنَطُوْا گناہ کرکے تم اپنے حشر سے ڈر رہے ہو تو حشر سے پہلے ہی تمہارا حشر بیان کردیا کہ ہم سے ناامید نہ ہو معتدل خوف تو ایمان کی ریڑھ کی ہڈی ہے لیکن اتنا نہ ڈرو کہ ناامید ہوجاؤ۔ ہم سے ناامید ہونا کفر ہے۔ اے گناہ گارو! جب میرے ہو تو مجھ سے امید رکھو اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ کا الف لام بھی استغراق کے لیے تھا لیکن جَمِیْعًا سے اور تاکید فرمادی کہ ہم ہر گناہ کو معاف کردیں گے۔ یہ نہ خیال کرنا کہ بعض گناہوں کو معاف کردیں گے اور بعض کو نہ کریں گے۔ نہیں! بلکہ کتنا ہی بڑے سے بڑا گناہ ہو ہم سے توبہ کرلو سب کو معاف کردیں گے، اور معافی کا سبب کیا ہے اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ بوجہ اپنی شانِ رحمت اور شانِ مغفرت کے۔ جو رحیم ہوتا ہے وہی عفو کرتا ہے، تو ہم بوجہ اپنی رحمت کے تمہارے گناہوں کو عفو فرمادیں گے۔ اور گناہ سے مایوسی پیدا ہوتی ہے اس لیے یہ اعلان فرماتے ہیں۔ جیسے ایک بیٹے سے غلطی ہوگئی اس پر ایسی ندامت طاری ہوئی کہ اس نے باپ کو لکھا کہ میں نے ایسی غلطی کی ہے اب آپ کو کیسے منہ دکھاؤں؟ تو باپ پر

ایک کیفیت طاری ہوگئی اور اس نے پورے خط میں صرف یہ دو جملے لکھے کہ معاف کردیا، معاف کردیا۔ پورا خط ان ہی جملوں سے بھر دیا کہ کہیں میرا بچہ بھاگ نہ جائے، تو مسرفین علی انفس بھی ناامید ہو کر اللہ سے بھاگ جاتے اس لیے فرمادیا کہ مجھ سے ناامید نہ ہو وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ میری ہی طرف انابت اور توجہ اختیار کرو۔ کتنے ہی نالائق ہو لیکن تم میرے ہی ہو مجھ سے نہ بھاگو۔

دنیاوی حوادث سے پریشانی کا سبب

حیدر آباد سے روانگی سے قبل کچھ احباب جمع ہوگئے تھے۔ اس وقت فرمایا کہ بڑی دولت کے سامنے چھوٹی دولت کا احساس نہیں ہوتا مثلاً کسی کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے اگر دس بیس روپے گم ہوجائیں تو اس نقصان سے پریشان نہ ہوگا۔ اسی طرح جن لوگوں کو یہ یقین آگیا اور محسوس ہونے لگا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اگر کسی وجہ سے دنیا کا کچھ نقصان ہوجاتا ہے تو ان کو کوئی خاص پریشانی نہیں ہوتی کیوں کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے تعلق کی دولت سے سارے جہاں سے سیر چشم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر دولت کا احساس نہیں ہوتا تو چھوٹے چھوٹے حوادث سے آدمی پریشان ہوجاتا ہے مثلاً اگر آپ اپنے بیٹے کے نام خفیہ دس ہزار روپے جمع کرادیں اور اسے خبر نہیں کہ میرے پاس کیا دولت ہے تو اگر اس کے دس روپے بھی کھو جائیں گے تو بد حواس ہوجائے گا لیکن اگر اس کو اس دولت کا علم ہوتا تو کبھی پریشان نہ ہوتا۔ یہ احساس کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے ہرگز بیدار نہیں ہوتا جب تک کہ کسی صاحب نسبت اللہ والے مصلح کے مشورہ سے ذکر و مجاہدہ کی محنت نہ برداشت کی جائے۔ اللہ والے کی صحبت سے جب حق تعالیٰ کی معیت خاصہ کا انکشاف قلب پر ہوتا ہے تو ساری کائنات نگاہ سے گر جاتی ہے اور اپنی تمام رنگین خواہشات جو پہلے نہایت قیمتی معلوم ہوتی تھیں اب نہایت بے قیمت معلوم ہوتی ہیں، اور ان کے تقاضوں پر عمل نہ کرکے ان کو پامال کرنے کا نقصان چھوٹا اور بے حقیقت نظر آتا ہے۔

۱۸/ ذوقعدہ ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۳/ دسمبر ۱۹۷۴؁ء، بعد نمازِ مغرب

تکبر کا علاج

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تکبر ہمیشہ بے وقوفوں کو ہوتا ہے، کیوں کہ نتیجہ سننے سے پہلے ہی اپنے آپ کو عقل مند سمجھنے والا نہایت بے وقوف ہوتا ہے جیسے کوئی طالب علم کہہ دے کہ میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوگیا اور نتیجہ ابھی سنا نہیں تو اس دعویٰ سے کیا فائدہ۔ اس لیے ابھی دنیا میں کیا اپنے کو بڑا سمجھتے ہو، جب میدانِ محشر میں تمہاری کامیابی اور نجات کا فیصلہ سنا دیا جائے تو خوش ہونا اور اپنے کو بڑا سمجھنا۔ جب اپنی بڑائی اور بزرگی کا خیال دل میں آنے لگے تو فوراً اپنے گناہ یاد کرلو اور نفس سے کہہ دو کہ نالائق تو اصل میں یہ ہے۔ ایسی ذلیل حرکتوں میں مبتلا ہو کر بھی اپنے کو بزرگ سمجھتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حق تعالیٰ ہماری ستّاری نہ فرمائیں تو مخلوق ہم کو پتھر مار مار کر بھگادے۔ یہ تو ان کی ستّاری ہے کہ لوگوں کے دلوں میں نیک گمان ڈال دیا ہے۔ دیکھیے: آپ کے پیٹ میں پاخانہ بھی ہے پیشاب بھی ہے اور ہوا بھی ہے لیکن ہم ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، تو جیسے ظاہری نجاستوں کی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کی ہے ایسے ہی ہماری باطنی نجاستوں کو بھی چُھپا رکھا ہے۔ ہمارے خیالات و تصورات اور نگاہ و سینوں کی خباثتوں کا مخلوق کو علم ہوجائے تو ہمارے ساتھ حُسنِ ظن کے بجائے لوگ ہم کو جوتے اور پتھر مار کر بھگادیں۔ آج تو مخلوق دم کراتی ہے اگر ہماری باطنی نجاستوں کا علم ہوجائے تو ہمارا دم نکال لے۔ آج کل ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر دو چار آدمیوں نے تعریف کردی تو سمجھنے لگے کہ واقعی ہم ایسے ہیں اگرچہ اپنے گناہوں کی نجاست کا بھی علم ہے۔ ان نجاستوں کے ساتھ اپنے کو کیا اچھا سمجھتے ہو۔ اور تکبر تو ایسی نجاست ہے کہ اس کو سمندر کا پانی بھی پاک نہیں کرسکتا۔ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک خندق کو پار کررہے تھے اور ایک کُتّا بھی داخل

ہونے لگا۔ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تیرے اس خندق میں پہلے داخل ہونے سے پانی نجس ہو جائے گا پہلے مجھے جانے دے کہ میں احکام شریعت کا مکلف ہوں اور تو مکلف نہیں ہے۔ کُتّے کو اللہ نے زبان عطا فرمادی اور اس نے کہا کہ لیکن اگر اس کی وجہ سے تمہارے دل میں بڑائی آگئی اور تم نے خود کو مجھ سے افضل سمجھ لیا تو اس باطنی نجاست کو سات سمندر کا پانی بھی نہیں دھو سکتا اور کپڑے تو پاک بھی کر سکتے ہو۔

۱۹؍ ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۴؍ دسمبر ۱۹۷۴ء

مقربیت کی تکمیل محبوبیت پر ہوتی ہے

سکھر سے ایک صاحبِ سلسلہ بزرگ تشریف لائے اس وقت یہ مضامین بیان فرمائے جس سے وہ بزرگ نہایت مسرور ہوئے۔

ارشاد فرمایا کہ حدیثِ قدسی ہے:

وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہُ الخ[۱۴۰]

یَتَقَرَّبُ مضارع ہے اور مضارع میں استمرار کی شان ہوتی ہے۔ معنٰی یہ ہوئے کہ بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ صرف قرب ہی مفید اور کافی نہیں بلکہ مقربیت وہ مطلوب ہے جو محبوبیت تک پہنچا دے کیوں کہ جو مقرب محبوب ہو جاتا ہے وہ مردود نہیں ہوتا۔ جو لوگ مردود ہوئے وہ محبوب نہیں تھے۔ ایک شخص آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے لیکن آپ کے دل میں اس سے بغض ہے تو اگرچہ اسے قرب تو حاصل ہے لیکن یہ قرب مفید نہیں۔

اہل اللہ آخر تک نفس سے بے خوف کیوں نہیں ہوتے؟

ارشاد فرمایا کہ زمین کی شرقاً غرباً حرکت سے چاند گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ اس فطری حرکت کی تو اصلاح ہو جاتی ہے اور چاند بدر کامل ہو جاتا ہے لیکن کبھی کبھی زمین اچانک شمالاً جنوباً حرکت کر بیٹھتی ہے اور اپنی حیلولت کو سامنے لا کر چاند کو بے نور کر دیتی ہے اگرچہ اس وقت چاند بدر کامل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دل بدر کامل بھی ہو چکا ہے یعنی اللہ کے نور

---

[۱۴۰] صحیحُ البخاری: ۲/ ۹۶۳، (۶۵۴۱)، کتابُ الرِّقاق، باب التواضع، المکتبۃ المظہریۃ

سے منور ہو کر صاحب نسبت بھی ہو چکا ہے تو بھی نفس سے بے خوف نہ ہونا چاہیے، نہ جانے نفس کس وقت شمالاً جنوباً حرکت کر بیٹھے اور اپنی اصلیت پر رجوع کر کے سرکشی اور فرعونیت یا شہوت سے مغلوب ہو کر اپنی حیلولت سے دل کے بدر کامل کو حق تعالیٰ سے محجوب کر کے بے نور کر دے۔ اس لیے عامۃ المسلمین تو گناہ سے ڈرتے ہیں لیکن اہل اللہ کفر سے ڈرتے ہیں کہ نہ معلوم خاتمہ کس حال پر ہو اور نفس سے کسی وقت ایسی حرکت نہ ہو جاوے کہ ایمان ہی سے ہاتھ دھونا پڑے۔

حضرت مہدی کو علیہ السلام کیوں کہا گیا؟

ایک طالب علم دارالعلوم کراچی نے سوال کیا کہ حضرت مہدی علیہ السلام کو علیہ السلام کیوں کہتے ہیں جبکہ یہ خطاب تو صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص ہے۔ حضرتِ والا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ تو علمی مرکز میں ہیں وہاں کسی عالم سے دریافت کر سکتے ہیں لیکن میری سمجھ میں یہ بات آرہی ہے کہ وہ اگرچہ نبی نہیں ہیں لیکن نبی جیسے کام ان سے ہوں گے اور کبھی ادنیٰ ملابست سے بھی وہ نام رکھ دیا جاتا ہے جیسے نَهْرٌ جَارٍ اگرچہ نہر جاری نہیں ہے پانی جاری ہے لیکن ادنیٰ ملابست سے محل کا نام وہ رکھ دیا جو حال کا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے منصب سے ادنیٰ ملابست کے سبب یہاں بھی تسمیۃ الحال باسم المحل ہوا ہے اور علیہ السلام کا لفظ ان کے نام کے آگے لگا دیا۔ اس کو منطق کی اصطلاح میں مجاز مرسل اور تسمیۃ الحال باسم المحل کہتے ہیں۔

اس پر ان طالب علم نے عرض کیا کہ یوں تو ہر ولی سے انبیاء علیہم السلام کا کام ہی لیا جاتا ہے تو ہر ولی کو علیہ السلام کیوں نہیں کہتے صرف مہدی علیہ السلام کو ہی کیوں کہا گیا۔ جواب میں فرمایا کہ بے شک حضرت مہدی علیہ السلام ولی تو ہیں لیکن ایسے ولی ہیں جو عام مخصوص منہ البعض ہیں اور کلّی کا کوئی فرد خاص نہیں ہو سکتا جب تک کوئی مخصص نہ ہو اور اس کی تخصیص احادیث متواترہ ہیں۔ احادیث میں آپ کے خاص فضائل اور آپ کا ذکر کیا گیا جبکہ اور اولیاء کا تذکرہ احادیث میں نہیں ہے پس اس تخصیص کی وجہ سے حضرت مہدی کو علیہ السلام کا لقب دیا گیا۔

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کے معنیٰ

فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ[۱۴۱]

اشد اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل بتاتا ہے کہ اس میں درجات و انواع مختلف ہوتے ہیں۔ پس محبت ایک کلّی مشکک ہے جس میں افراد کم و بیش ہوتے ہیں یعنی اس میں درجات ہیں جیسے ایک عام مومن کی محبت ہے پھر ایک ولی کی محبت ہے پھر صدیقین کی محبت ہے پھر انبیاء علیہم السلام کی محبت ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور آپ کی محبت پر محبت ختم ہوگئی امام الانبیاء کی محبت امام المحبت ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سے جتنی محبت ہے روئے زمین پر اتنی محبت کسی کو نہیں ہے۔ اشد فرما کر یہاں اللہ نے دنیا کی محبت کی نفی نہیں فرمائی بلکہ اسم تفضیل سے محبت کے درجات بیان فرمادیے کہ تمہارے دل میں دنیا کی بھی محبت ہوگی، بیوی بچوں کی بھی محبت ہوگی، کاروبار کی بھی محبت ہوگی اور یہ محبت مضر نہیں ہے کیوں کہ یہ حب الشہوات والنساء ہم نے تمہارے دلوں میں مزین کردی ہے۔ پس محبت کے انواع و اقسام و درجات پر اللہ کی محبت اشد اور غالب ہونی چاہیے۔ ایمان کا کمال یہی ہے کہ اللہ کی محبت ہر محبت پر غالب ہو۔

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ سے محبتِ الٰہیہ پر استدلال

اور اللہ کی کتنی محبت مانگو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ[۱۴۲]

اے اللہ! آپ مجھے اپنی اتنی محبت عطا فرمادیں کہ آپ مجھے میری جان میں میری جان سے زیادہ عزیز ہوجائیں اور میرے اہل و عیال سے زیادہ عزیز ہوجائیں اور جتنا پیاسے کو ٹھنڈا پانی عزیز ہوتا ہے آپ مجھے اس سے زیادہ عزیز معلوم ہوں۔ اور ٹھنڈے پانی کی

---

[۱۴۱] البقرة:۱۶۵

[۱۴۲] جامع الترمذی: ۲/ ۱۸۷، باب من ابواب جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

خاصیت کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ[۱۴۳]

جسم پر پانی کا کیا اثر ہوا کہ پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب اللہ کا نام زبان سے جاری ہو تو رگیں تر ہوتی ہوئی محسوس ہوں اور پیاس جاتی ہوئی معلوم ہو۔ اگر اللہ کے نام سے رگیں تر ہوتی ہوئی محسوس نہیں ہوتیں تو سمجھ لو ابھی اللہ سے ایسی محبت پیدا نہیں ہوئی جیسے پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے ہوتی ہے۔ ایسی محبت خدا سے مانگنا چاہیے۔ اللہ کا عاشق جب اللہ کا نام لیتا ہے تو اس کی رگ رگ تر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور ہر بُن مُو اللہ اللہ کرتا ہے۔

ہمہ تن ہستی خوابیدہ مری جاگ اٹھی
ہر بُن مُو سے مرے اس نے پکارا مجھ کو

اور اللہ کا خوف کتنا مانگنا چاہیے؟ ایسا خوف مطلوب نہیں جو پلنگ سے لگادے اور کسبِ معاش کو معطل کردے بلکہ اتنا خوف مطلوب ہے جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا ہے:

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ

اے اللہ! اپنا اتنا خوف مجھے عطا فرمادیجیے جو میرے درمیان اور آپ کی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہوجاوے۔ یعنی اتنا خوف دے دیجیے کہ جو مجھے آپ کی نافرمانی سے بچالے۔ اور اسباب معصیت سے بُعد کتنا مطلوب ہے؟ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ[۱۴۴] مشرق و مغرب میں جتنا بُعد اور دوری ہے گناہوں سے اتنی دوری مطلوب ہے۔ اور حفاظت کیسی مانگو:

اَللّٰھُمَّ وَاقِیَةً کَوَاقِیَةِ الْوَلِیْدِ[۱۴۵]

اے اللہ! ہماری ایسی حفاظت فرما جیسی ماں بچے کی کرتی ہے۔ ماں اگر بچے کی حفاظت نہ

---

[۱۴۳] سنن ابی داؤد: ۳۲۱/۱، باب القول عند الافطار، ایچ ایم سعید

[۱۴۴] جامع الترمذی: ۱۸۸/۲، باب من ابواب جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

[۱۴۵] مجمعُ الزوائد: ۲۹۰/۱۰-۲۹۱ (۱۷۴۱۹)، باب الادعیة المأثورة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم، دار الفکر

کرے تو بچے کی خیر نہیں۔ اسی طرح اگر بندے سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہٹ جائے تو دین پر ثبات یعنی دین پر قائم رہنا مشکل ہے جیسے بعض دفعہ آدمی سمجھتا ہے کہ میں تواضع کررہاہوں لیکن ناشکری ہوتی ہے۔ جیسے کسی نے کہا کہ نماز پڑھتے ہو؟ جواب دیا کہ ہماری کیا نماز ہے دوچار ٹکر مارلیتا ہوں۔ بظاہر تواضع کررہا ہے لیکن دراصل یہ ناشکری ہے۔ یا جیسے کسی نے بعض دوستوں کی دعوت کی اور لوگوں سے کہا کہ آؤ گو موت کھالو۔ لوگوں نے کہا کہ کیا مطلب؟ جواب دیا کہ میاں! کھانا کیوں کہ میرا ہے اس لیے گوموت سے بدتر ہے۔ تو یہ صاحب سمجھ رہے تھے کہ میں تواضع کررہاہوں اور دراصل اللہ کی نعمت کی ناشکری کررہا تھا۔ حسنات کی دو حیثیت ہے ایک حیثیت کا تعلق تو اللہ سے ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی عطا ہے (جیسے شاہ کسی بھنگی کو موتی دے دے تو موتی کا تعلق کیوں کہ شاہ سے ہے اس لیے بھنگی کو اس موتی کی عظمت پہچانتے ہوئے شاہ کا شکر گزار ہونا چاہیے) پس اس اعتبار سے ہر حسنہ قابل شکر ہے، اور حسنات کا دوسرا تعلق ہمارے ساتھ ہے کہ ہم ناقص ہیں اور ناقص کا ہاتھ جس چیز پر لگ جاتا ہے وہ بھی ناقص ہوجاتی ہے۔ پس بارگاہِ حق سے تو توفیق حسنہ پاک صاف عطا ہوئی تھی لیکن ہمارے اندر نفس سے ملوث ہوکر وہ بھی قابل استغفار ہوگئی۔ پس پہلی حیثیت کے اعتبار سے تو حسنات پر شکر کرو اور دوسری حیثیت سے استغفار کرو۔

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الخ پر ایک علمِ عظیم

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی کے مرید جناب.... کل آئے تھے انہوں نے یہ آیت پڑھی:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[۱۴۶]

میں نے عرض کیا کہ اس آیت سے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک علم عطا فرمایا۔ يُخْرِجُهُمْ مضارع ہے اور مضارع میں استمرار اور تجدد کی شان ہوتی ہے جس کو تجدد استمراری کہتے

---

[۱۴۶] البقرة:۲۵۷

ہیں يُخْرِجُهُمْ فرما کر یہ بتادیا کہ بار بار ہم تم کو ظلمات سے نکالتے رہتے ہیں، یہ اخراج من الظلمات ایک دفعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ہمارا یہ فعل ہمیشہ تجدد کے ساتھ جاری ہے، تم ظلمات میں جاتے رہتے ہو ہم تمہیں نکالتے رہتے ہیں، اور یہ کیوں ہے؟ اس لیے کہ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہم تمہارے ولی اور دوست ہیں۔ پس اس ولایت کا حق ادا ہو رہا ہے۔ اپنی ولایت کا حق ادا کرنے کو ہم تمہیں ظلمات سے نور کی طرف نکالتے رہتے ہیں۔

ایک تفسیری غلطی کا ازالہ

ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ بہت سی تفسیری غلطیاں کر رہے ہیں جیسے لوگ آیت کا ترجمہ غلط کرتے ہیں:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ[۱۴۷]

اور اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ عالمِ بے عمل کو وعظ و نصیحت کرنا جائز نہیں حالاں کہ یہ غلط ہے، کیوں کہ اس آیت کا ترجمہ ہی وہ نہیں ہے جو عوام کرتے ہیں بلکہ ترجمہ یہ ہے کہ کہتے تو ہو کرتے کیوں نہیں۔ اور اس آیت کی شانِ نزول یہ تھی کہ بعض صحابہ نے جہاد کی تمنا کی تھی جب حکم نازل ہوا تو طبعی تردد ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آخر میں ان بزرگ سے فرمایا کہ میں ایک دعا یہ بھی کرتا ہوں کہ اے اللہ! آپ کے عاشقین مخلصین صادقین روئے زمین پر جہاں کہیں بھی چُھپے ہوئے ہوں جن کی جانیں آپ کے لیے مضطر ہوں مجھے ان کی لقاو زیارت نصیب فرما۔ میرا شعر ہے؎

مری زندگی کا حاصل مری زیست کا سہارا
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا

اے اللہ! جب موت بھی آئے تو آپ کے کچھ خاص صاحبِ نسبت بندے گردو پیش ہوں اور ان کی صحبت ہی میں دم نکلے۔ اور ایک دعا یہ مانگتا ہوں اَللّٰھُمَّ اَخْلِصْنَا بِخَالِصَةٍ ذِکْرَی الدَّارِ اے اللہ! ہمیں آخرت کے کاموں کے لیے خالص فرما۔

---

[۱۴۷] الصف:۲

ان بزرگ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے نابالغی کے زمانے میں حضرت جلال آبادی سے بیعت کی درخواست کی تو فرمایا کہ اپنے والد صاحب کی اجازت لکھوا کر بھیجو تب بیعت کروں گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ کو اس کے والد یا سرپرست کی اجازت کے بغیر بیعت نہ کرنا چاہیے۔

۲۰/ ذوقعدہ ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۵/ دسمبر ۱۹۷۴؁ء، بعد عشاء

طالب کا وسوسہ کہ شیخ کو مجھ سے تکدر ہے خود مانع فیض ہے

احقر کو یہ شیطانی وسوسہ تھا کہ خدانخواستہ العیاذ باللہ حضرتِ والا کو احقر سے تعلق کم ہوگیا ہے (اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ہمیشہ حفاظت فرمایئے اور حضرتِ والا کو ہمیشہ ہمیشہ احقر سے انتہائی خوش اور راضی رکھیے۔) احقر نے عرض کیا کہ احقر سے شاید حضرتِ والا کو تکدر ہے۔ احقر کے قلب کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ حضرتِ اقدس کا فیض بالکل بند ہوگیا اور قلب بے نور معلوم ہو رہا ہے۔ نہایت شفقت اور محبت کے لہجہ میں فرمایا کہ شیطان آپ کو پریشان کر رہا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کے دل کو تکلیف پہنچے۔ میں تو آپ سے بالکل خوش ہوں پہلے کی طرح۔ احقر نے عرض کیا کہ لیکن میرے قلب کی حالت کیوں خراب ہے؟ فرمایا کہ یہ گمان کہ شیخ مجھ سے ناراض ہے یا پہلا سا تعلق نہیں رہا یہ گمان خود مانع فیض ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ طالب کے گمان سے کیا واقعی فیض رک جاتا ہے یا طالب کو محسوس نہیں ہوتا؟ فرمایا کہ شیخ کی طرف سے تو فیضان جاری رہتا ہے لیکن جب طالب نے اپنے قلب کا منہ ہی بند کرلیا تو فیض کیسے پہنچے گا۔ جیسے لوٹے سے تو پانی جاری ہو لیکن برتن پر کوئی ڈھکن چڑھا دے تو پانی کیسے اندر پہنچے گا۔ یا دریا تو قطرے ٹپکا رہا ہے اور فیضان جاری ہے لیکن اگر سیپ ہی منہ بند کرلے تو دریا کا کیا قصور ہے۔ بس طالب کا گمان فیض شیخ کے لیے حجاب بن جاتا ہے۔

محرومی کا سبب بدگمانی ہے

حیدرآباد میں ایک صاحب نے حضرتِ والا کی تشریف آوری پر بجائے تعریف کے اعتراض کیا تو دورانِ گفتگو فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں تو فلاں

بزرگ سے کوئی فیض نہیں ہوا ہمیں تو ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ تو بات یہ ہے کہ اس بزرگ میں کوئی کمی نہیں ہے کمی تمہارے ہی اندر ہے جیسے نل سے تو پانی گر رہا ہے لیکن اگر کوئی برتن اپنے منہ پر ڈھکن چڑھا لے تو پانی اس کے اندر کیسے پہنچے گا۔ اسی طرح اس اللہ والے کا فیض تو جاری ہے لیکن تم نے اپنے دل کے برتن پر تکبر کا ڈھکن چڑھا رکھا ہے کہ اگر میں طالب بن کر اس کے سامنے جھکوں گا اور اپنا برتن اس کے سامنے رکھوں گا تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ خالی تھا جب ہی جھکا ہے لہٰذا تم عار کی وجہ سے اپنے دل کو اس کے فیوض کے پاس رکھتے نہیں لہٰذا محروم ہو۔

۲۳/ ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸/ دسمبر ۱۹۷۴ء، بروز اتوار

کون سی مصیبت عذاب اور کون سی نعمت ہے؟

ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ جس مصیبت میں اللہ کی طرف رجوع ہو جائے اور گریہ وانابت کی توفیق ہو تو وہ مصیبت نعمت ہے، اور جس مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے اور وحشت پیدا ہو اور دل خدا سے اور زیادہ دور ہونے لگے تو یہ مصیبت عذاب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی باپ نے اپنے بیٹے کو جو باپ سے دور دور رہتا ہے کسی غنڈے سے پٹوایا تاکہ پٹ کر یہ میرے پاس بھاگ آئے لیکن اگر وہ پٹ کر بھی بدحواس ادھر ادھر بھاگا پھر رہا ہے لیکن باپ کی طرف نہیں آتا تو یہ مصیبت اس کے لیے عذاب ہے، اور اگر باپ کے پاس بھاگ کر آیا اور آکر کہہ دے کہ مجھے معاف کر دیجیے، جو غلطی ہونی تھی ہوگئی اب ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتا ہوں تو یہ مصیبت اس کے لیے رحمت ہے۔ اس طرح جو بندہ مصیبت میں بھاگ کر اللہ کے پاس آجائے اور اللہ سے تعلق جوڑ لے تو یہ مصیبت اس کے لیے رحمت ہے اور اگر اللہ سے دور ہو جائے اور ان سے رابطہ قائم نہ کرے تو یہ مصیبت عذاب ہے۔

حضوری کا لطف معافی مانگنے پر ہے

ارشاد فرمایا کہ اپنی غلطیوں کو روزانہ کی روزانہ معاف کراتے رہو، گناہ ہو جائے توبہ میں دیر مت کرو۔ فجر کے بعد کی غلطیوں کو ظہر کی نماز کے بعد دو نفل پڑھ کر توبہ

کر کے معاف کرالو، ظہر اور عصر کے درمیان کی غلطیوں کو عصر سے قبل نفل پڑھ کر معاف کرالو، اور عصر اور مغرب کے درمیان کی غلطیوں کو مغرب کے بعد دو رکعت پڑھ کر معاف کرالو اور مغرب اور عشاء کے درمیان کی غلطیوں کو عشا کے بعد دو نفل پڑھ کر خوب گڑگڑا کر معاف کرالو کیوں کہ نماز تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہے تو بغیر اللہ میاں سے معاف کرائے ان کے سامنے کھڑا ہونا بے حیائی ہے۔ دیکھو اگر کسی محسن دوست کے حق میں کوئی کوتاہی اور غلطی تم سے ہو جاوے اور کوئی کہے کہ ان سے مل لو۔ تو کہتے ہو کہ مجھے ان کے سامنے جاتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے، مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے، معذرت خواہی کے بغیر ان کے سامنے جانا بے حیائی معلوم ہوتا ہے۔ جب معاف کرالیتے ہو تو پھر ملتے ہوئے حجاب نہیں ہوتا۔ قیاس کرلو کہ جب ان کے غلاموں سے تعلق میں یہ بات ہے تو خود اس محسن حقیقی کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے جب ہم سے کوئی غلطی ہو جاوے۔ شرافت طبع کا تقاضا تو یہ ہے کہ بغیر معاف کرائے چین نہ آنا چاہیے۔

۲۸/ ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۳/ دسمبر ۱۹۷۴ء

ولی کامل کی پہچان

ارشاد فرمایا کہ بعض پیر آنکھیں بند کیے گردن دل کی طرف جھکائے ہوئے مراقبہ میں بیٹھے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت زمین پر نہیں ہیں عرش کی سیر کر رہے ہیں لیکن در حقیقت وہ سوئے رہتے ہیں اور فرش سے ایک انچ بھی اوپر نہیں ہوتے، اگر آپ ان کو جھنجوڑیں تو کئی جھٹکوں میں جاگیں گے۔ آج کل لوگ ایسے ہی لوگوں کو کامل پیر سمجھتے ہیں جو لوگوں سے بات نہ کریں رعب سے رہیں اور حجرے میں تالا لگائے نوافل و ذکر اور مراقبہ میں آنکھیں بند کیے بیٹھے رہیں حالاں کہ بعض بندوں کی نسبت ایسی ہوتی ہے کہ وہ اگر زیادہ نوافل و ذکر بھی نہ کریں لیکن ان کا دل کسی وقت بھی اللہ سے غافل نہیں ہوتا اور ہمہ وقت اللہ سے ان کی روح کو ایک رابطہ قائم رہتا ہے، اگر یہ لوگوں سے باتیں بھی کر رہا ہو بیوی سے یا دوستوں کے ساتھ ہنس رہا ہو یا بازاروں میں چل پھر رہا ہو اس وقت بھی اس کے دل میں اللہ کی یاد کی ہلکی سی خلش قائم رہتی ہے۔ دراصل کامل یہی لوگ ہیں۔ اس کو نسبت قلندری کہتے ہیں اور ایسے

لوگوں کو پہچاننا مشکل ہے کیوں کہ ان کے افعال و اقوال بالکل عام لوگوں جیسے ہوجاتے ہیں لیکن ان کے دل کا جو حال ہوتا ہے اس سے مخلوق باخبر نہیں ہوتی اس لیے انہیں نہیں پہچانتی۔ اور بعض لوگ نوافل اور تلاوت اور ذکر اور مراقبہ کے وقت گویا خدا ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی فارغ ہوئے اور لوگوں میں یا اپنے کاروبار میں مشغول ہوئے اس وقت وہ خدا کو ایسے بھول جاتے ہیں کہ انہیں اپنے کاموں میں خدا یاد ہی نہیں ہوتا۔ پس کاملین پہلے والے لوگ ہیں اور دراصل اصلاح اُمّت اور دعوت الی اللہ کا کام بھی ایسے ہی لوگوں سے لیا جاتا ہے۔ جو شخص خود تو ولی ہو صالح ہو لیکن دنیا کے لوگوں سے باتیں ہی نہ کرے ہر وقت مراقبہ میں بیٹھا ہے اللہ کی طرف لوگوں کو نہیں بلاتا تو یہ خود چاہے ولی ہو لیکن ولی گر نہیں ہوسکتا اور دوسرا شخص جو تنہائی میں بھی اللہ کو یاد کرتا ہے اپنے نوافل و ذکر و تلاوت کے بعد جب لوگوں میں بیٹھتا ہے تو ان کے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے اور اللہ کی طرف اُمّت کو بلاتا ہے تو دراصل کامل یہ ہے۔ اس کی صحبت سے دوسرے بندے بھی اللہ والے بن جائیں گے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک مرغی آنکھیں بند کیے بیٹھی ہو اور اپنا چارہ کھا کر خوب تندرست بھی ہو اور دوسری مرغی چالیس انڈے لیے بیٹھی ہو تو افضل دوسری والی مرغی ہے کہ اس کے فیض سے چالیس مرغیاں بنیں گی اور پہلی مرغی سے کوئی دوسری مرغی پیدا نہ ہوسکے گی۔

۳۰؍ ذوقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۵؍ دسمبر ۱۹۷۴ء

اشکِ ندامت کی کرامت

ارشاد فرمایا کہ آج بعد فجر یہ شعر ہوا۔

ہوگئی عرش زمینِ سجدہ
کس کی آنکھوں سے لہو برسا ہے

جب سے یہ شعر ہوا ہے مجھے اس میں اتنا مزہ آرہا ہے کہ ایک حال طاری ہے۔ کس کی آنکھوں سے لہو برسا ہے اس سوال میں بہت لطف ہے یعنی زمین پر کون ایسا اللہ کا عاشق رویا ہے کہ یہ زمین عرشِ اعظم بن گئی یعنی زمین پر ہی اللہ تعالیٰ کا قربِ خاص عطا ہو گیا۔ مولانا رومی نے تو صاف ظاہر کر دیا تھا کہ ؎

ہر کجا بینی تو خوں بر خا کہا
پس یقیں می داں کہ آں از چشم ما

زمین پر جہاں کہیں دیکھو کہ خون پڑا ہوا ہے تو سمجھ لو کہ وہ جلال الدین رومی کی آنکھوں سے گرا ہے۔ ایسے آنسو غوث و اقطاب ہی روتے ہیں۔ پس رونے کی عادت ڈالو کہ یہ تمہارے بابا آدم کی میراث ہے۔ اسی رونے سے ان کو خلافتِ نبوت عطا ہوئی۔ جنّت میں یہ نعمت ان کو نہ ملی تھی زمین پر رونے کی برکت سے خَلِیۡفَةُ اللهِ فِی الۡاَرۡضِ ہوئے اور کتنا روئے تھے؟ تفسیر علی مہائی میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے بن گئے تھے اور ان ہی آنسوؤں سے گلاب اور چنبیلی کے خوشبودار پھول پیدا ہوئے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام رات کے وقت جنّت سے اُتارے گئے تھے۔ رات کبھی دیکھی نہ تھی، بہت گھبرائے، صبح کو سورج کو دیکھ کر خوش ہوگئے اور دو رکعات شکرانہ کی پڑھیں۔ آج اُمّت پر فجر کے وقت دو رکعات فرض کردی گئیں کہ آدم علیہ السلام نے پڑھیں تھی۔ پس آدم والا یعنی آدمی وہی ہے جو زمین پر خدا کو یاد کرکے رویا کرتا ہے، آدم علیہ السلام کا اصلی بیٹا وہی ہے جو ان کی میراث کا مالک ہے اور دیکھو آدم علیہ السلام کا جنّت سے نزول ہوا تھا لیکن اس نزول پر ندامت اور اشکباری کا یہ انعام ملا کہ نبوت سے مشرف ہوئے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرتے ہیں اور انعام بھی دیتے ہیں دنیا والے اگر معاف بھی کردیں تو بھی اپنے خطاکاروں کو کوئی انعام نہیں دیتے لیکن ان کی رحمت دیکھو کہ غلطی پر ندامت اور اشکباری سے غلطی کو معاف بھی کردیتے ہیں اور انعامات سے بھی مشرف فرماتے ہیں۔

برسائیں گے جب خونِ دل و خونِ جگر ہم
دیکھیں گے تب ہی نخل محبت میں ثمر ہم

بابا آدم علیہ السلام رو کر ہمیں یہ سکھا گئے کہ اے میرے بیٹو! میرا کام بھی رونے سے بنا ہے تم بھی اللہ کو یاد کرکے رویا کرو، گیہوں کھلا کر شیطان نے مجھے جنّت سے محروم کیا تھا لیکن ان آنسوؤں سے جنّت خود میرے دامن میں آگئی اور روئے زمین پر اللہ تعالیٰ نے اپنا قربِ خاص عطا کردیا۔

باز آمد آب من در جوئے من
باز آمد شاہ من در کوئے من

ان آنسوؤں کی برکت سے میری نہر میں پھر پانی آگیا اور پھر میرا شاہ میری گلی میں آگیا۔

کرم بالائے کرم

ارشاد فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ جنّت بھی نہ دیتے اور جنّت کی حوریں بھی نہ دیتے تو بھی ہماری غلامی کا مقتضا یہی تھا کہ ہم ان کی غلامی کرتے اور کہتے کہ اے اللہ! ہم تو آپ کے غلام ہیں، آپ کی غلامی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ تو اگرچہ یہ نعمتِ عبدیت ہی کیا کم تھی لیکن ان کا کرم پر کرم ہے کہ جنّت اور حوروں کا انعام بھی عطا فرمادیتے ہیں۔

مربّی سے اشد محبت کا انعام

ارشاد فرمایا کہ جس کو جتنا کسی اللہ والے سے تعلق ہوگا اسی قدر اس کو اللہ کی محبت ملے گی۔ جس شخص کے دل میں جتنی محبت اپنے مربّی کی ہوتی ہے اتنی ہی اللہ کی محبت عطا ہوتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دل میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی اس لیے آپ تمام صحابہ پر فضیلت لے گئے اور آپ سے بڑا کوئی دوسرا امتی اللہ کا عاشق نہیں ہوا۔ اور اس کے دل میں مربّی کے تمام اخلاق حسنہ وعادات منتقل ہوجاتے ہیں۔ چناں چہ حضرت صدیقِ اکبر کے بارے میں فرمایا:

اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ[۱۴۸]

اے اُمّت کے لوگو! سن لو کہ میں رحمۃ للعالمین ہوں اور میرا صدیق ارحم اُمّتی ہے، اُمّت پر سب سے زیادہ رحیم ہے۔ اور جو اپنے مربّی پر فدا ہوتا ہے تو اس کی رائے اور مذاق میں بھی اتحاد ہوجاتا ہے۔ چناں چہ صلح حدیبیہ میں حضرت عمر کو صلح پر ہیجان ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اَلَسْنَا عَلَی الْحَقِّ؟ اور بعد میں حضرت صدیق سے پوچھا تو حضرت صدیقِ اکبر نے بھی سوالات کے بعینہٖ وہی جوابات دیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[۱۴۸] جامع الترمذی: ۲۱۹/۲، باب مناقب معاذ بن جبل، ایچ ایم سعید

زبان مبارک سے جاری ہوئے تھے۔ بخاری میں دیکھ لو الفاظ تک ایک ہیں۔

اہل اللہ سے استفادے کی شرط

ارشاد فرمایا کہ شیخ کے جسم خاکی کو نہ دیکھو بلکہ اس مٹی میں جو روح اللہ کی محبت اور تعلق خاص سے مشرف ہے اس پر نظر رکھو۔ اس جسم خاک کے اندر جو روح ہے اس کو دیکھو کہ اللہ کی محبت کے کس مقام پر فائز ہے۔ اگر مٹی کو دیکھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ کیچڑ میں اگر کوئی ایک لاکھ روپے کا موتی چھپا دے تو جس شخص کو معلوم ہو گا کہ اس مٹی میں ایک لاکھ روپے کا موتی چُھپا ہوا ہے تو وہ جب کیچڑ کے پاس بیٹھے گا تو اسے محسوس ہو گا کہ میں ایک لاکھ روپے کے موتی کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کی صرف مٹی کو دیکھا ان کی روح کو نہ دیکھا جو نسبت نورِ نبوت اور خَلِیۡفَةُ اللهِ فِی الۡاَرۡضِ کے منصب سے مشرف تھی۔ عطر کی شیشی کا اگر کوئی ادب کرتا ہے تو دراصل وہ شیشی کا ادب نہیں ہے عطر کا ادب ہے۔ اسی طرح شیخ کا ادب دراصل شیخ کا ادب نہیں اللہ کا ادب ہے، کیوں کہ اس اللہ والے کے دل میں اللہ کے تعلق خاص کا عطر پوشیدہ ہے۔ سکھر کے ایک عالم نے سوال کیا کہ اللہ والے کی کیا پہچان ہے؟ تو فرمایا کہ ایک جواب تو حدیثِ پاک میں موجود ہے کہ

اِذَا رُأُوۡا ذُکِرَ اللهُ[۱۴۹]

کہ ان کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔ دیکھیے اگر ایک امرود کا عاشق کسی امرود والے کے پاس جائے گا تو اس کے پاس بیٹھنے سے اس کو امرود کی خوشبو مل جائے گی۔ اسی طرح اللہ والا وہ ہے کہ جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی خوشبو مل جائے یعنی اللہ کی یاد دل میں پیدا ہو جائے اور جب اس کے پاس بیٹھے تو یہ محسوس ہو کہ میں اپنے اللہ کے پاس بیٹھا ہوں۔

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا
گو نشیند با حضور اولیاء

اور اس سے بڑھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ مناسبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس اللہ والے

---

[۱۴۹] سنن ابن ماجة: ۳۴۰ (۴۱۱۹)، باب من لا یؤبہ لہ، المکتبة الرحمانیة

کے پاس بیٹھنے سے ایسا معلوم ہو کہ میں عرش اعظم کے قریب بیٹھا ہوں۔ اس قدر قرب محسوس ہونا چاہیے۔ اپنی کسی عبادت اور کسی مجاہدے سے اتنا قرب نہ محسوس ہو جتنا شیخ کی صحبت میں ہو تو سمجھ لو کہ اس سے مناسبتِ کاملہ ہے۔ جب تک پیر دل میں سارے جہاں سے عزیز نہ ہو جائے تب تک اللہ بھی اس کے دل میں سارے جہاں سے عزیز نہیں ہو سکتا۔ پیر تو پہلی سیڑھی ہے۔

اللہ کا ہر نام عمل کی دعوت دیتا ہے

ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ہر نام ہم کو عمل کی دعوت دے رہا ہے، اللہ کی ہر صفت ہم کو عمل کی طرف داعی ہے۔ قہار کے معنیٰ ہیں کہ میں قہر والا ہوں مجھ سے ڈرو، رحمان کے معنیٰ ہیں کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہو، رزاق کے معنیٰ ہیں کہ رزق میرے ہاتھ میں ہے مجھ سے ہی طلب کرو، رزق میں دیر ہو تو گھبراؤ نہیں۔ ننانوے صفات کا ہم سے حق ادا ہو جائے تو کام ہی بن جائے۔ ننانوے اسماء صفاتی ہیں اللہ اسم ذاتی ہے، ذاتی اور صفاتی مل کر ۱۰۰/۱۰۰ نمبر بن جائیں گے یعنی سو فیصد کامیابی ہو جائے گی۔

ذکرِ قلبی ذکرِ لسانی سے پیدا ہوتا ہے

ایک صاحب نے فون پر عرض کیا کہ ذکرِ قلبی کا مقام تو ذکرِ لسانی سے بھی زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خود اس کا اجر عطا فرمائیں گے اور فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی۔ ٹیلی فون پر فرمایا کہ اللہ کو ان ہی کا دل یاد کرتا ہے جو پہلے زبان سے یاد کرتے ہیں، جو لوگ زبان سے ذکر نہیں کرتے ان کا دل غافل ہوتا ہے۔ پھر یہی ذکرِ لسانی دل میں اتر جاتا ہے اور پھر دل سے روح میں اتر جاتا ہے۔ جب روح میں ذکر اتر جائے تب کام بن جاتا ہے۔ ذکر لسانی و قلبی و روحانی یہی ہے۔

ذکرِ حق از دل زدل تا جاں رسد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ[۱۵۰]

---

[۱۵۰] شعب الایمان للبیہقی: ۳۸۸/۱ (۵۰۱)، فصل فی معانی المحبۃ، دار الکتب العلمیۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کو حُبِّ شے پر استدلال فرمایا یعنی جس شے کی محبت قلب میں زیادہ ہوتی ہے اس کا وہ اکثر ذکر کیا کرتا ہے۔ پس ذکر قلبی دراصل قلبی محبت کا نام ہے پس جب قلب میں حق تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام پیدا ہو جاتا ہے تو دل ہر وقت اس کو یاد کیا کرتا ہے اور کسی وقت غافل نہیں ہوتا، یہی ذکر قلبی ہے۔

۷/ ذوالحجہ ۱۳۹۴؁ھ مطابق ۲۲/ دسمبر ۱۹۷۴؁ء

آیت فَاِنَّكَ بِاَعۡیُنِنَا کی عاشقانہ تشریح

فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَشَدُّ بَلَاءً الۡاَنۡبِیَاءُ ثُمَّ الۡاَمۡثَلُ فَالۡاَمۡثَلُ[۱۵۱]

اور فرمایا کہ جتنی تمام نبیوں پر بلائیں آئیں مجھ اکیلے پر آئیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی! آپ پر بلائیں آرہی ہیں، یہ کفار آپ کو ستا رہے ہیں، طائف کے بازار میں آپ پر پتھر پھینکے جارہے ہیں لیکن آپ یہ خیال بھی رکھیں کہ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡیُنِنَا[۱۵۲] آپ میری آنکھوں کے سامنے ہیں یعنی آپ میری نگاہ حفاظت خاص میں ہیں۔ اور فَاِنَّكَ جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا جملہ فعلیہ سے بیان نہیں فرمایا کیوں کہ فعل میں کبھی چیز ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی، فعل میں استقلال نہیں ہوتا اور اسمیہ میں ثبوت و استقلال و دوام ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوئے کہ اے نبی! آپ تو مسلسل دائماً میری آنکھوں کے سامنے ہیں ایک سیکنڈ کو بھی آپ میری نظر کے سامنے سے نہیں ہٹتے۔

خوشا حوادث پیہم خوشا یہ اشک رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

دین کی لذّت کی مثال

ساڑھے بارہ بجے دوپہر کے قریب عبدالباسط میاں اور ان کے چند دوست

---

[۱۵۱] جامع الترمذی: ۲/۶۵، کتاب الزھد، باب الصبر علی البلاء، ایچ ایم سعید

[۱۵۲] الطور: ۴۸

حیدرآباد سے آئے، حضرتِ والا کھانا تناول فرمارہے تھے، احقر بھی حضرت کے ساتھ کھانا کھارہا تھا۔ گرم بریانی تھی، اس پر حضرتِ والا نے فرمایا کہ مطالعہ سے اور صحبت سے جو دین ملتا ہے اس کا فرق یہی ہے کہ جو اس گرم بریانی میں اور بریانی کے مطالعے میں ہے۔ صحبت میں اللہ کی محبت کی گرم گرم بریانی ملتی ہے، شیخ پر طالبین کے لیے غیب سے علوم وارد ہوتے ہیں جو اس کی زبان سے دل کے درد کے ساتھ بیان ہوتے ہیں اس سے دین کا مزہ جو روح کو ملتا ہے وہ محض مطالعے سے نہیں مل سکتا۔ کتابوں میں جو دین ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے بریانی پکانے کی ترکیب لکھی ہے کہ اگر عمر بھر اس کو پڑھتا رہے گا تو بریانی کا مزہ نہ پاسکے گا چاہے زبان سے بیان کرے گا لیکن کیوں کہ مزہ چکھا نہیں اس لیے اس کا بیان بے کیف ہوگا اور پکی ہوئی دال پر وہ اپنی بریانی کو فروخت کردے گا اور جسے محبت گرم گرم مل جاتی ہے ایسا شخص دین کو نہیں بیچتا کیوں کہ اس کے دل کو دین کی لذّت مل چکی ہے۔

تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ جیسے میں حافظ عبدالقدیر کے کمرے میں، حیدرآباد میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ایسا کیوں محسوس ہورہا ہے؟ حیدرآبادیوں کے آنے سے کراچی حیدرآباد بن گیا۔ ایسے ہی بعض بندے زمین پر آتے ہیں لیکن ان کی روحیں عرش پر ہوتی ہیں یعنی ان کی روحوں کا رابطہ عالم آخرت سے ہوتا ہے۔ پس اہل آخرت جہاں بھی چلے جائیں تو ان کی معیت میں زمین و آسمان بدلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، جس عالم سے ان کا تعلق ہے اس عالم کا انعکاس اس عالم فانی پر ہوتا ہے اور دنیا ہی میں جنّت کا مزہ ملنے لگتا ہے۔

اب وہ زماں نہ وہ مکاں اب وہ زمیں نہ آسماں
تم نے جہاں بدل دیا آکے مری نگاہ میں

جس دل میں اللہ تعالیٰ آجاتے ہیں اس کا عالم ہی بدل جاتا ہے اس لیے زمین کچھ اور آسمان کچھ اور نظر آتے ہیں وہ اسی عالم میں ہوتے ہوئے اس میں نہیں ہوتا اس کے ہاتھ پاؤں دنیا کے کام کرتے رہتے ہیں لیکن دل میں علم کا دودھ بھرا ہوتا ہے۔ جسم کہیں ہوتا ہے، دل کہیں ہوتا ہے۔

میں کہیں بھی رہتا ہوں
دل ان کے پاس رہتا ہے

عشقِ مجاز کا حاصل

ارشاد فرمایا کہ عشق مجاز کا حاصل گناہ ہے، معصیت کا نام لوگوں نے محبت رکھ دیا ہے حالاں کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی تو عاشق ہمیشہ خبر گیری رکھتا ہے، اس کی دونوں جہاں کی فلاح کی فکر ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس عالم میں بھی خوش رہے اور اس عالم میں بھی۔ لیکن یہ کیا محبت ہے کہ صورت بدلنے کے بعد اس کی طرف دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا اور کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ کہاں مر رہا ہے پس گناہ کرنے کے شدید تقاضوں کا نام اضطراب عشق رکھ دیا ہے، کہتے ہیں یہ عشق کی بے چینیاں ہیں، یہ کسی کی یاد میں جلنا اور تڑپنا بڑی اونچی چیز ہے یہ کسے ملتی ہے حالاں کہ یہ سب دھوکا ہے۔ عشق کی تمام بے چینیوں کا حاصل گناہ کرنا ہے جسے یہ بے چینی کہہ رہے ہیں اور الفاظ کی ملمع سازی کر کے بدمعاشیوں کے نئے نئے نام رکھ رہے ہیں۔ لیکن ملمع ہٹا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ نفس صرف یہ چاہتا ہے کہ فلاں حسین مل جائے اور اس کے ساتھ منہ کالا کرلوں۔

حفاظت نظر کا حکم حق تعالیٰ کی محبت اور رحمت کا مظہر ہے

اور اس سے حفاظت کا علاج صرف غض بصر ہے۔ حق تعالیٰ کلام پاک میں مومنین کو خطاب فرما رہے ہیں:

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ

ہر آدمی کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے، باپ ڈرتا رہتا ہے کہ بچہ کہیں غلط سوسائٹی میں پڑ کر خراب نہ ہو جائے۔ غیر کے بچے کی فکر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں کی فکر ہوئی کہ کہیں یہ خراب نہ ہو جائیں اس لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں کہ جو ہمارے خاص ہیں آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں ورنہ خراب ہو جاؤ گے اور نہایت نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ مارے محبت کے اللہ میاں آگاہ فرما رہے ہیں۔

کیوں کہ حسین صورتوں کو انہوں نے ہی پیدا کیا ہے اور ہمارے اندر مادۂ فجور بھی رکھا ہے اس لیے یہ فکر ہوئی کہ کہیں یہ غلط سوسائٹی میں نہ پڑ جائیں اس لیے اپنوں کی محبت لگی اور یہ آیت نازل فرمادی۔ کیا رحمت ہے! ہر آیت ان کی رحمت کا مظہر ہے۔

اہل اللہ کی دنیا بھی سرمایۂ آخرت ہے

ارشاد فرمایا کہ نمک کی کان میں ایک گدھا گر گیا، چھ ماہ بعد وہ بھی نمک بن گیا ”ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد“ اللہ والوں کے پاس آکر دنیا جیسی گدھی بھی آخرت بن جاتی ہے کیوں کہ اس کے ذریعے وہ آخرت کی تعمیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چل کر۔ بچے بیوی مال و اولاد ان کے پاس آخرت کا سرمایہ بن جاتے ہیں۔

خزانۂ قرب کیسے ملتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ ایک سخی تھا جو بہت دیا کرتا تھا، شہرت سن کر ایک شخص بہت مشکلیں اٹھا کر اس کے شہر گیا معلوم ہوا کہ وہ سخی تو مر گیا تو یہ شخص سر پیٹنے لگا کہ افسوس ساری محنت و مشقت ضایع ہوگئی آخر کار نہایت شکستہ دل گھر واپس آیا، کچھ دن بعد کسی کام کے سلسلے میں گھر کی مٹی کھود رہا تھا کہ اچانک خزانہ مل گیا۔ اس کو خیال ہوا کہ یہ کیا راز ہے کہ جہاں اتنی محنت اٹھا کر گیا وہاں سے کچھ نہ ملا اور گھر بیٹھے بٹھائے دولت مل گئی۔ اس نے بعض اللہ والوں سے یہ اشکال پیش کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ پہلے ہی دے دیتے تو یہ محنت نہ اٹھانی پڑتی انہوں نے جواب دیا کہ میاں! دیتے تو بہت ہیں لیکن محنت کے بعد دیتے ہیں، بغیر محنت کے نہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ دل میں موجود ہیں، ملتے نہیں جب تک محنت نہیں کروگے۔ جیسے دولت گھر میں موجود تھی لیکن بغیر محنت کے نہیں ملی۔ ایسے ہی خزانۂ قربِ الٰہی ہمارے دلوں میں ہے لیکن ملتا تب ہی ہے جب محنت کی جاتی ہے۔

گو عشق کا موجود ہے ہر دل میں دفینہ
ملتا نہیں لیکن کبھی بے خون و پسینہ

گناہوں سے بچنے کی محنت ذکر و طاعت کے اہتمام و التزام کی محنت اٹھانے سے خزانۂ قرب قلب پر منکشف ہو جاتا ہے۔

ایک علمِ عظیم

ارشاد فرمایا کہ:

وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۙ﴿۴۰﴾
فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ؕ﴿۴۱﴾[۱۵۳]

یعنی جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا یعنی جس کو یقین ہو گیا کہ ایک دن اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو کر حساب دینا ہے اور اپنے نفس کو گناہوں سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنّت ہے۔ آیت کی ترتیب بتا رہی ہے کہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے وہی اپنے نفس کو گناہوں سے روکتا ہے، اور جو گناہوں سے اپنے نفس کو روکتا ہے تو اس کا دوسرا انعام جنّت ہے۔

ابو طالب کے لیے دعا کا قبول نہ ہونا عبدیتِ نبوت کا عروج ہے

ارشاد فرمایا کہ ہدایت کے مسببِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ پیر صرف بہانہ ہوتا ہے ہدایت کا۔ ورنہ حقیقت میں ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں اس لیے پیر کا عمر بھر ممنون تو رہنا ہو گا کہ وہی بہانہ ہے ہماری ہدایت کا، کیوں کہ جس دروازے سے نعمت ملتی ہے وہ دروازہ بھی قابل احترام ہوتا ہے، جو شخص واسطۂ نعمت کا احترام نہیں کرتا وہ دراصل نعمت کا احترام نہیں کرتا اور جو نعمت کا احترام نہیں کرتا اس کے دل میں منعم کا احترام نہیں مثلاً کوئی شخص آپ کو اپنے ملازم کے ذریعے حلوہ بھجوائے اور آپ ملازم کے ایک چانٹا لگائیں بجائے شکریہ کے تو وہ منعم کیا کہے گا یہ نالائق اس قابل نہیں کہ اس کو نعمت دی جائے، اگرچہ آپ نے منعم کی توہین تو نہیں کی لیکن واسطۂ نعمت کی توہین کی تو وہ منعم ہی کی توہین ہوتی ہے۔ پس ہدایت جب پیر کے ذریعے ملتی ہے تو پیر کا احترام و محبت جس دل میں نہیں اس کے دل میں دراصل اللہ کی محبت و احترام نہیں ہے۔ غرض ہدایت کا واسطہ پیر کو سمجھنا چاہیے لیکن یہ عقیدہ نہ رکھے کہ پیر ہدایت دیتا

---

[۱۵۳] النّٰزعٰت:۴۰-۴۱

ہے۔ اور پیر کی کیا حیثیت ہے، ہدایت تو نبی بھی نہیں دے سکتا اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ [۱۵۴]

دیکھیے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کی ہدایت کے لیے کتنی دعائیں مانگیں اور سید الانبیاء سے بڑھ کر کس کی دعا ہو سکتی ہے، کتنی دلسوزی فرمائی، یہاں تک فرمایا کہ میرے کان ہی میں کلمہ پڑھ دو لیکن ابو طالب کو ہدایت نہ ہوئی۔ ابو طالب کو ہدایت نہیں دی تاکہ لوگ نبی کو خدا نہ سمجھ لیں۔ اور ابو طالب کو ہدایت نہ دے کر اللہ نے اُمّت کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا عروج دکھایا کہ ہمارے نبی کی عبدیت خدا کی حاکمیت کے سامنے سرنگوں ہے اور اس طرح عبدیت نبوت اُمّت کے لیے باعث فتنہ ہونے سے محفوظ ہو گئی۔ ورنہ اُمّت یہ سمجھ لیتی کہ نبی کو بھی خدائی اختیارات ہیں، کچھ دخل ہوتا ہے کہ جس کو نبی چاہتا ہے اس کو ہدایت ضرور ہو جاتی ہے پس جو عبدیت خدائی حدود میں داخل ہو کر باعثِ فتنہ ہو جاوے وہ کمالِ عبدیت نہیں بلکہ زوالِ عبدیت ہے پس آپ کی یہ دعا قبول نہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے عبدیتِ نبوت کا کمال ظاہر فرمایا۔ اور ہدایت کے نہ ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت اور سیادت الانبیاء کے منصب میں کوئی نقص نہیں آتا کیوں کہ آپ ہی کی صحبت کے فیض سے جہاں لاکھوں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہدایت یافتہ ہو کر کالنجوم درخشاں ہوئے تو ایک ابو طالب کی ہدایت نہ پانے سے آپ کے کمالِ مقبولیت میں کیا نقص آسکتا ہے۔ دراصل حق تعالیٰ کو اپنی حاکمیت و کبریائی دکھانی تھی جو ابو طالب کو ہدایت نہ ہوئی۔ جس حکیم سے سینکڑوں مریضوں کو شفا ہو جاوے اور کسی ایک مریض کو نہ ہو تو کیا یہ کہیں گے کہ اس حکیم کے ہاتھ میں شفا کی کمی ہے؟

---

[۱۵۴] القصص:۵۶

۷؍ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲؍ دسمبر ۱۹۷۴ء، بروز اتوار،

مجلس بمقام حضرتِ والا کا مکان ۴.جی ۱ / ۱۲ ناظم آباد

اَمیروں کو غریبوں کا ممنون ہونا چاہیے

ایک صاحب نے دورانِ گفتگو عرض کیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ و صدقہ دینے والے کو ان غریبوں کا ممنون ہونا چاہیے جو زکوٰۃ لیتے ہیں، کیوں کہ اگر یہ غریب نہ ہوتے تو تمہاری زکوٰۃ کون لیتا؟ تو ممنون امیروں کو غریبوں کا ہونا چاہیے کہ ان ہی کی وجہ سے ان کا فرض پورا ہوا۔

حضرتِ والا نے اس پر فرمایا کہ اگر آپ حج کرنے جارہے ہوں اور کوئی آپ کی کرنسی ٹرانسفر کرادے یعنی روپیوں کو ریال سے تبدیل کروادے تو آپ اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں لیکن افسوس کہ مسکینوں کو صدقہ دے کر ان پر احسان جتاتے ہیں کہ ہم نے فلاں غریب کو اتنا روپیہ دیا یا فلاں مسکین کو اتنا دے دیا، فلاں مدرسہ ہماری اعانت سے چل رہا ہے، فلاں مولوی صاحب کو ہم نے اتنی زکوٰۃ دی، حالاں کہ آپ نے مسکین پر کوئی احسان نہیں کیا اس نے آپ پر احسان کیا ہے کہ آپ کی دنیا کی کرنسی کو آخرت کی کرنسی یعنی اجر و ثواب میں تبدیل کرادیا، اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو آپ کی کرنسی آخرت میں نہیں پہنچ سکتی تھی، چناں چہ قیامت کے قریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا میں اتنی دولت ہوجائے گی کہ لوگ زکوٰۃ لیے پھریں گے کوئی مسکین نہ ملے گا کہ جس کو زکوٰۃ و صدقہ دیں، سب دولت مند ہوجائیں گے۔

گمراہ لوگوں کا تھرمامیٹر

حضرتِ اقدس احقر سے جزاء الاعمال پڑھوا کر اہلِ مجلس کو سنوار رہے تھے۔ درمیان درمیان میں تشریح فرماتے جاتے تھے۔ جب یہ ملفوظ آیا کہ گناہ کا ایک اثر یہ ہے کہ نیک بندوں سے وحشت ہونے لگتی ہے تو فرمایا کہ یہ تمام گمراہ لوگوں کا تھرمامیٹر ہے جس کو دیکھو کہ بزرگان دین سے عداوت و دشمنی اور ان پر اعتراض کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ

گناہوں کی سیاہی سے اس کا دل بالکل بے نور ہو گیا ہے اور یہ سخت خطرے میں ہے۔

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ

جملہ فعلیہ سے نازل ہونے کا راز

ارشاد فرمایا کہ جملہ اسمیہ میں استقلال و ثبوت و دوام ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا[۱۵۵]

اے نبی! آپ دواماً ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں اور کہیں جملہ فعلیہ استعمال فرمایا:

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ[۱۵۶]

اے نبی! ہم آپ کے چہرۂ مبارک کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں تو یہاں جملہ فعلیہ کیوں بیان کیا؟ جواب یہ ہے کہ چوں کہ آپ کا تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ عارضی تھا آپ کو دعا تحویل قبلہ کی قبول کرانی تھی اس لیے آپ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ کوئی حکم آرہا ہے یا نہیں؟ پس چوں کہ تَقَلُّبَ میں دوام نہیں تھا اس لیے قرآنِ پاک کی بلاغت ہے کہ موقع کے اعتبار سے جملوں کا استعمال ہوا ہے پس یہاں جملہ فعلیہ سے فرمایا جس میں حدوث و فنا لازم ہے۔

گناہ سے دونوں جہاں کا نقصان ہے

ارشاد فرمایا کہ ہر گناہ سے دونوں جہاں کا نقصان ہوتا ہے خواہ جاہی گناہ ہو یا باہی یا مالی کسی قسم کا گناہ ہو۔ میں بفضلہٖ تعالیٰ ثابت کر سکتا ہوں کہ آخرت کا تو نقصان ہے ہی، دنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ کو ہماری حیاتِ عارضی کی اصلاح و فلاح اور بہبود کی اس قدر فکر ہے تو آخرت کی حیاتِ دائمی کی اصلاح و فلاح کیوں نہ مطلوب ہوگی۔ اب اگر کوئی کہے کہ صاحب سود میں دنیا کا کیا نقصان ہے سود خور تو

---

[۱۵۵] الطور:۴۸

[۱۵۶] البقرة:۱۴۴

لاکھوں کے سود کا نفع اٹھا رہا ہے اور چکنی چپڑی کھا رہا ہے تو جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ سود لینے والا سود خود کو سود ادا کرنے سے عاجز ہوگا، تو ایک غم سود خور کو اسی وقت سے شروع ہوجائے گا، ہر وقت گھٹے گا، راتوں کی نیند حرام ہوجائے گی کہ نہ معلوم رقم ملتی ہے یا نہیں، اگر تنگ ہو کر مقدمہ کرتا ہے تو سود لینے والا تنگ آکر سوچتا ہے کہ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے، لاؤ سود خور کو مار کے خود بھی مر جاؤں اس طرح دونوں کی زندگیوں کا چراغ بجھ جاتا ہے۔ اور بدنگاہی اور شہوانی گناہوں کے نقصانات تو ظاہر ہیں کہ فوراً اخراج منی و ضعف شروع ہوجاتا ہے اور دماغ میں چکر، کمزوری، ضعف و نامردی اس کے نتائج ہیں یہاں تک کے توالد و تناسل کا سلسلہ بھی منقطع ہوجاتا ہے۔

۱۰؍ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۳؍ جنوری ۱۹۷۵ء، بعد عشاء

عناصر کے حرام تقاضوں کی ویرانی سے روح سکون پاتی ہے

بعد عشاء حضرتِ والا کھانا تناول فرمانے کے بعد چہل قدمی فرماتے ہیں، احقر اور آزاد صاحب ساتھ تھے، فرمایا کہ جسم اور جسم کے متعلقات اور عناصر اور عناصر کے مقتضیات اگر ویران ہوتے ہیں تو روح مست و شاد ہوتی ہے بشرطیکہ یہ ویرانی متعلق بالمجاہدہ فی سبیل اللہ ہو۔ کفار اور فساق و فجار اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ عناصر کے مقتضیات اور حرام تقاضوں کی لذّت ان کا مطمحِ نظر ہے۔

۱۴؍ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۷؍ جنوری ۱۹۷۵ء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ اعتدال

تبلیغی جماعت کے ایک اہم رکن قاضی خدابخش صاحب سے ایک صاحب نے قاری طیب صاحب کی مجلس میں پوچھا کہ قاری صاحب سے معلوم کرنا کہ بڑے پیر صاحب کی مجلس میں ان کے وعظ کے دوران جنازے نکل جاتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے کیوں جنازے نہیں نکلتے تھے۔ قاضی صاحب کو قاری طیب صاحب سے تو دریافت کرنے کا موقع نہ ملا راستے میں قاضی صاحب نے حضرتِ والا سے

دریافت کیا تو حضرتِ والا نے ارشاد فرمایا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ جواب ڈالا کہ اولیاء اللہ کبھی کبھی مغلوب الحال ہو جاتے ہیں اس لیے سامعین کی استعداد سے ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے اس لیے ان کی زبان سے کبھی کبھی نا قابلِ تحمل مضامین نکل جاتے ہیں بوجہ انکشاف عظمت و خشیت الٰہیہ کے اور صغارت ظرف کی وجہ سے چھوٹا نالہ برعکس دریا کے زیادہ شور مچاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام توجہ الی الخالق کے ساتھ توجہ الی المخلوق کے مکلف ہوتے ہیں اور اس کی ان میں استعداد کامل ہوتی ہے، لہٰذا ان کی توجہ الی الخالق اور توجہ الی المخلوق ایک مقام سے ہوتی ہے پس اس اعتدال مزاج کی وجہ سے ان کی زبان سے کوئی مضمون ایسا نہیں نکل سکتا جس کو اُمّت کی استعداد متحمل نہ ہو سکے اور امت کا مزاج اعتدال سے ہٹ جاوے، اور اطباء لکھتے ہیں کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کامل معتدل ہوا ہے اس لیے آپ فرماتے ہیں کہ

وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا[۱۵۷]

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔ اس لیے آپ خود اس خوف کے متحمل تھے لیکن اُمّت کے سامنے اتنا ہی بیان فرماتے تھے جتنا اُمّت کی استعداد متحمل ہو سکے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں جنازے نہیں نکلتے تھے۔

رُوحانی اِمپورٹ ایکسپورٹ

حضرتِ والا کے ایک مرید حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں امپورٹ ایکسپورٹ کی تجارت کروں گا اور اس کے لیے مکان بیچ کر کرایہ پر رہوں گا۔

ارشاد فرمایا کہ میں آپ کو ایک ایسا امپورٹ ایکسپورٹ بتاؤں جس میں نہ آپ کو مکان بیچنا پڑے گا اور نہ روپیہ لگانا پڑے گا۔ آپ آخرت سے توفیق اعمال صالحہ امپورٹ کیجیے یعنی اللہ سے دعا مانگیے کہ اے اللہ! آپ مجھے نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائیے، جب توفیق امپورٹ ہو گی تو پھر اعمال صالحہ آخرت کو ایکسپورٹ کیجیے۔ پہلے آپ ایکسپورٹ کا

---

[۱۵۷] جامع الترمذی: ۲/۵۷، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم، ایچ ایم سعید

آرڈر غیر ممالک سے درآمد کرتے ہیں تب مال برآمد کرتے ہیں، بغیر آرڈر کے آپ اپنا مال ایکسپورٹ نہیں کرسکتے اسی طرح پہلے توفیق کی بھیک اللہ سے مانگو جب وہ عطا فرمادیں گے تو پھر نیک اعمال آخرت کو برآمد کرسکو گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبان سے کہلوایا وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی مدد سے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مال میں خرابی کی وجہ سے مال رد کردیا جاتا ہے، اس لیے جب نیک اعمال کا مال برآمد کرو تو ذرا نیت درست کرلو، اخلاص سے دل لگا کر عبادت کرو تاکہ یہ عبادت مردود نہ کردی جائے، اور اللہ سے کہہ بھی دو کہ اے اللہ! ٹوٹی پھوٹی جیسی بھی عبادت ہے اپنے کرم سے اسے قبول فرمالیجیے، ہم سے تو عبادت کا حق ادا نہ ہوا۔ دنیا والے تو خراب مال واپس کردیتے ہیں کیوں کہ مال خراب ہونے سے ان کی غرض پوری نہیں ہوتی لیکن اے اللہ! ہماری عبادت آپ کو کچھ مفید نہیں ہیں یہ تو ہمیں ہی مفید ہیں، آپ کو ہم سے کوئی غرض نہیں اس لیے آپ ان عبادتوں کو قبول فرمالیجیے اور رد نہ فرمائیے۔

۲۰؍ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۲؍ فروری ۱۹۷۵ء، بروز اتوار

صحبت کی مثال قلمی اور دیسی آم سے

حضرتِ اقدس جمعرات کی صبح دینی سفر پر حیدرآباد تشریف لے گئے تھے، آج صبح دس بجے واپس تشریف لائے۔ حیدرآباد سے بعض احباب حضرت والا کے ساتھ آگئے تھے اس وقت مندرجہ ذیل ملفوظات ارشاد فرمائے:

ارشاد فرمایا کہ دیسی آم کھٹا اور بے مزہ ہوتا ہے اس دیسی آم میں قلمی آم کی قلم لگا دینے سے دیسی قلمی ہو جاتا ہے اور قلمی کی ساری خوشبو اور مزہ اس میں آجاتا ہے، اور قلم لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ بے مزہ دیسی آم میں لذیذ اور مزے دار قلمی آم کی شاخ سے پیوند لگا دو اور دیسی کی شاخوں کو کاٹتے رہو تاکہ دیسی کا وجود فنا ہوتا رہے اور قلمی بڑھتا جاتا ہے اسی طرح کسی اللہ والے کے دل سے اپنے دل کی قلم لگالو، مگر اپنے وجود کو فنا کرنا پڑے گا یعنی اپنی رائے اور خواہشات کی شاخوں کو قطع کرتے رہو اور شیخ کی رائے اور تجویزات پر عمل کرتے رہو تو تمہارا وجود اور نفس فنا ہوتا جائے گا اور اس اللہ والے

کے قلب کا نور، خشیت اور محبت و نسبت و تقویٰ تمہارے دل میں منتقل ہو کر تمہارا دیسی اور بے قیمت دل بھی قلمی بن جائے گا۔ شرط یہی ہے کہ شیخ کی تجویز کے سامنے اپنے کو بالکل مٹادے یعنی اپنی رائے کو فنا کرکے شیخ کی تجویزات پر عمل کرے۔

۲۱؍ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۳؍ فروری ۱۹۷۵ء، بعد ظہر

محبتِ شیخ کے حدود

یہ ملفوظ آج صرف احقر کی اصلاح کے لیے بیان فرمایا۔ صحبت اور محبتِ شیخ باعثِ فرح ہے، مگر یہ محبت حادث ہے اور اس کا فرح دائم نہ ہو گا، ہاں! اگر اس محبت للحق کا صحیح استعمال ہو یعنی دوام ذکر و فکر میں کوتاہی نہ کی جاوے تو یہ محبت للحق موجب و سبب محبت بالحق ہو جاوے گی کیوں کہ یہ محبت حادث بالشیخ معین لمحبت الحق القدیم ہے اور محبت بالحق کا سرور و فرح لازوال اور دائم ہو گا کیوں کہ وہ قدیم ذات ہے جو حدوث و تغیر سے پاک ہے۔ جنہوں نے شیخ سے محبت کی اور اس سے اللہ کی محبت حاصل نہ کی ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی وضو کرے اور نماز نہ پڑھے کیوں کہ محبت شیخ ذریعۂ مقصود تھی، مقصود نہ تھی۔ مقصود محبت حق تھی، تو ایسے لوگوں کی محبت للحق محبت بالحق نہ ہو سکی یعنی حق تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا نہیں ہو سکتا اور وہ صاحبِ نسبت نہیں ہو سکتا۔ اصلاحِ رذائل اور مقاومتِ نفس عطا ہونے سے محروم رہے گا۔

یہ ملفوظ آج احقرؔ کے لیے بیان فرمایا۔ احقرؔ اپنی نالائقی سے ذکر و معمولات چھوڑ دیتا تھا یہ ملفوظ بیان فرما کر فرمایا کہ آج میں نے اپنی امانت کا حق ادا کر دیا کوئی اور پیر ہوتا تو کہتا کہ بس میری ٹانگ دابتے رہو اور میرے لیے بازار سے سبزی اور گوشت وغیرہ لاتے رہو کام بن جائے گا لیکن محبت شیخ سے مقصود حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق حاصل کرنا ہے جب تک براہِ راست تعلق حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات قدیم سے نہ ہو گا تو سرور و فرح و سکون لازوال کا حصول بھی ناممکن ہے۔ پس اگر محبت شیخ محبت حق کا سبب ہو گئی تو مقصود حاصل ہو گیا ورنہ نہیں۔ اس ملفوظ سے محبت شیخ کے حدود کی نشاندہی ہوتی ہے۔

احقرؔ نے عرض کیا کہ ذکر وغیرہ میں کچھ مزہ نہیں آرہا ہے اور قلب میں

تعلق مع اللہ محسوس نہیں ہوتا تو فرمایا کہ ذکر کے لیے کیفیات و سرور وغیرہ کا انتظار نہ کرے کہ جب سرور وکیف ہوگا تب ذکر کروں گا۔ ذکر شروع کردو! اللہ کی عبادت سے مزدوری طلب نہ کرو۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن

مثل گداؤں کے تو مزدوری کی شرط پر عبادت نہ کر کہ اگر سرور وکیف ملے گا تو عبادت کروں گا بلکہ بندگی کیے جاؤ، مزدوری ملے نہ ملے، مزہ آئے نہ آئے، ہمارا کام تو ان کو یاد کرنا ہے اور اعمالِ اختیاریہ کو اختیار کرنا ہے، قرب و رضا حق کا مدار اعمالِ اختیاریہ پر ہے، کیفیات پر نہیں ہے۔

بعد عشا احقرؔ سے دریافت فرمایا کہ دوپہر کا مضمون نوٹ کیا یا نہیں؟ عرض کیا کہ آج نہ کر سکا، معمولات کرنے لگا تھا، فرمایا کہ جو مضمون تمہاری اصلاح کے لیے تمہارے لیے سرمایۂ حیات تھا کہ اگر اس کو آبِ زر سے بھی لکھتے تو بھی اس کا حق ادا نہ ہوتا اس کو نظر انداز کر دیا۔ جس وقت میں بیان کر رہا تھا تو میری روح پر وجد طاری تھا لیکن اس علم عظیم کا تجھ پر کوئی اثر نہ ہوا، معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اپنی اصلاح منظور نہیں، میرے مضامین جو اوروں کے لیے نوٹ کرتے ہو تاکہ اُمّت کو سنا کر واہ واہ حاصل کرے لیکن جہاں اپنے نفس کی اصلاح تھی اسے غیر اہم سمجھا، میں پھر کہہ رہا ہوں کہ دل میں جو بُت چھپے ہوئے ہیں خلافت اور جاہ وغیرہ کے نکال دو اور يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ کے مصداق بن جاؤ ورنہ محروم رہو گے۔ احقرؔ نے عرض کیا کہ نہ معلوم کیا بات ہے عقل پر گناہوں کا کیا عذاب ہے کہ بہت غلطیاں ہو رہی ہیں نہ معلوم کیا قسمت میں لکھا ہے۔ اس پر فرمایا کہ تنبیہ پر بجائے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کے مایوسی ہونے لگنا اور یہ سوچنے لگنا کہ کہیں میرا خاتمہ خراب نہ ہو جائے، زمین سے لوحِ محفوظ تک پہنچنے لگنا یہ شیطان کا دوسرا حربہ ہے وہ چاہتا ہے کہ یہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہو اور غیر اختیاری امور سے مایوس کر کے اعمالِ اختیاری سے غافل کر دے تاکہ مرنے کے بعد پھر اس کو خائب و خاسر دیکھوں پس اصلاح اور اعمالِ اختیاری میں مشغول ہونا چاہیے۔ جب غلطی پر تنبیہ کی جائے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے، اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، آئندہ

کے لیے حفاظت کی دعا مانگے اور تنبیہ پر مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے، ایک غلطی نہیں اگر ایک لاکھ غلطی ہو تب بھی مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ہے اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَانِ توبہ و استغفار دل کی گہرائی سے کر کے آگے بڑھے، کام میں لگے اور اگر دل میں مایوسی آنے لگے تو سمجھ لے کہ شیطان اب دوسرا حربہ استعمال کر رہا ہے۔ (نوٹ: اس کے بعد ظہر کے بعد والا مضمون اور مندرجہ بالا مضمون نوٹ کر کے حضرتِ والا کو سنایا تو حضرت خوش ہو گئے۔ جامع)

۲۲/ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ مطابق ۴/ فروری ۱۹۷۵ء

حالتِ قبض، حالتِ بسط سے بھی زیادہ مفید ہے

احقر نے اپنی مایوسی اور حالتِ قبض کا ذکر کیا تو فرمایا کہ عالمِ متغیر کا جز ہو کر تغیر احوال سے بَری ہونے کی ہوس، امکان محال کا مطالبہ ہے، لہٰذا سالک کو اپنی تبدیلیٔ احوال سے دلگیر نہ ہونا چاہیے جیسے کہ ظاہری تغیرات ہیں کہ کوئی شخص دن کا طالب ہو اور رات کو مضر سمجھتا ہو تو یہ نادانی ہے ایسے ہی ”قبض رات ہے“ اور ”بسط دن ہے“ اور لیل و نہار کا ربط ہے ایسے ہی قبض و بسط دونوں بندوں کو مفید ہیں، بلکہ قبض زیادہ مفید ہے کہ قبض بندے کو اقرب الی العبدیت کرتا ہے کہ بندے کا دل شکستہ ہو جاتا ہے اور اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ شکستگی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔

۱۳/ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۲/ فروری ۱۹۷۵ء

بجز فضلِ الٰہی کے اللہ کا راستہ طے نہیں ہو سکتا

احقر کے کبر و عُجب کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بیماری آئی جس سے دو ماہ تک احقر خود بے چین رہا اور حضرت شیخ دامت برکاتہم کے لیے باعث اذیت و تکلیف رہا۔ حق تعالیٰ نے حضرتِ اقدس کی دعاؤں کی برکت سے فضل فرمایا اور بیماری جاتی رہی اور طبیعت میں سکون ہوا۔ افسوس کہ احقر کی بیماری سے حضرتِ اقدس اذیت اور ذہنی کوفت میں مبتلا رہے حق تعالیٰ اس سیہ کار کو معاف فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ اس بیماری سے ایک بڑا راز یہ کھلا کہ ملفوظات کا نوٹ کرنا شیخ کا قرب، علوم و معارف و دینی

فہم اور طریق کے آداب کا علم سب معطل اور بے کار ہے اگر حق تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہو۔ اور آدمی جو یہ سمجھتا ہے کہ میں شیخ کی صحبت سے بڑے بڑوں کا راستہ طے کرا سکتا ہوں وہ خود راستے میں مارا جاتا ہے اگر میاں دستگیری نہ فرمائیں۔

گناہوں کی معافی کے ساتھ گناہوں سے پاکی کی دعا

ایک صاحب کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ یا اللہ! آپ ہمارے گناہوں کو معاف بھی کر دیجیے اور اپنی رحمت سے ہمیں پاک بھی کر دیجیے، کیوں کہ معافی مانگنے سے گناہ تو معاف ہو گیا لیکن اگر آیندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق نہ ہوئی تو پاکی نصیب نہ ہوئی۔ اس لیے ایسی دعا مانگو کہ معافی بھی سابقہ گناہوں سے ہو جائے اور پاکی بھی مل جائے یعنی طبیعت بھی پاک عطا ہو جائے مثلاً اگر کسی شخص کو گناہ کا تقاضا ہوتا ہے لیکن مجاہدہ سے ہلکا میلان باقی رہ گیا ہے، خیال آتا ہے اور یہ لاحول پڑھ کر مشغول نہیں ہوتا تو اس کی طبیعت پاک ہے، لیکن جو گناہ کا خیال آنے سے اپنے اختیار سے اس میں مشغول ہو اور دل مزہ لینے لگے تو اس کی طبیعت ابھی ناپاک ہے اس کی پاکی کے لیے دعا مانگنی چاہیے۔

حضرتِ والا کی محبت اور بشارتِ عظمیٰ

ارشاد فرمایا کہ دو ماہ آپ کو جو قبضِ باطنی کی تکلیف ہوئی وہ میری محبت ہی کی وجہ سے تھی۔ مجھ کو آپ سے اور آپ کو مجھ سے جو محبت ہے یہ چھپی نہیں رہے گی مشہور ہو کر رہے گی۔

ہماری تمہاری محبت کے قصے
رہے گا یہ افسانہ مشہور ہو کر

جب آپ کو شفاء ہو گی تو آپ اس واقعے کو بہت خاص انداز میں لکھیں گے۔ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ اس وقت آپ کے قلم میں ایک خاص جان ہو گی ان شاء اللہ۔ چاند بے نور ہوتا ہے لیکن آفتاب عکس ڈال دیتا ہے تو چاند نور سے جگمگانے لگتا ہے، اس وقت نورِ آفتابِ حق آپ کے قلم کے محاذات میں ہو گا جب اللہ تعالیٰ اپنے نور کا عکس ڈال دیتے ہیں تو تصنیف و تالیف ہو رہی ہے، تبلیغ ہو رہی ہے، ملفوظات لکھے جا رہے ہیں، اگر اس

آفتابِ نور کو ہٹالیں تو آدمی مٹی کا ڈھیلا ہے۔ کبھی آفتاب کرم کو دل کے محاذات سے ہٹا لیتے ہیں تاکہ اپنی حقیقت معلوم ہو اور گھٹ گھٹ کر نیستی پیدا ہو کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، پھر جب شعاع ڈالتے ہیں اور نفس کی زمین کی حیلولت کو ہٹاتے ہیں تو چاند میں پھر نور آجاتا ہے۔ میری محبت کی باتیں ان شاء اللہ آپ کے قلم سے اللہ تعالیٰ لکھوائیں گے۔

حضرتِ والا کی بے مثال محبت اور احقر کے لیے دعا

ایک صاحب مٹھائی لائے تو حضرتِ والا نے فرمایا کہ کھاؤ مٹھائی کھاؤ۔ پھر مزاحاً فرمایا کہ آپ میں مٹھائی بھی ہے اور نمکینیت بھی ہے یعنی محبت بھی ہے اور محبوبیت بھی۔ جس ناز سے میں نے تمہارے لیے دعا کی ہے کسی کے لیے نہیں کی کہ یا اللہ! میرے حسام الدین کو مجھ سے نہ چھینیے۔ اس کی قبولیت کی علامت یہ ہے کہ جس ناز سے تمہارے لیے دعا کی اس وقت میاں نے الفاظ بھی عطا فرمائے۔ میں کیا انبیاء علیہم السلام بھی ناز نہیں کر سکتے مگر جب ادھر سے اشارہ ہوتا ہے اس وقت وہ حالتِ ناز میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ میری روح پر ایسی کیفیت زندگی بھر میں ایک دو بار طاری ہوئی۔

حضرتِ والا کی دِلجوئی اور شفقت

آج بعد ظہر احقر کو یوں بلایا ؎

بیا بیا و فرود آں کہ ایں خانۂ تست

احقر کے پاس ایک روپیہ تھا اس خوشی میں احقر حضرتِ والا کے لیے ایک روپیہ کا کینو یا کچھ اور بطور ہدیہ دینے کا ارادہ کر رہا تھا کہ حضرتِ والا نے فرمایا کہ ٹٹراسائیکلین دوا منگوانا ہے دو روپے کی آتی ہے میرے پاس ایک ہی روپیہ ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ ایک روپیہ میرے پاس ہے جو میں ابھی حضرت کی خدمت میں ہدیہ دینے والا تھا حضرتِ والا نے ہنستے ہوئے فرمایا: ماشاء اللہ۔ میں نے آپ کا روپیہ ایک کروڑ کے برابر درج کر لیا۔

احقر نے عرض کیا کہ یہ وسوسہ آرہا ہے کہ اپنے فہم کی وجہ سے دو ماہ سے جو غلطیاں ہو رہی ہیں احقر کی وجہ سے حضرت کی بدنامی کا باعث نہ ہوں جس سے میں مردود نہ ہو جاؤں اور سوء خاتمہ نہ ہو جائے۔ فرمایا کہ جو غلطیاں ہو رہی ہیں میری

معیت میں ہو رہی ہیں جو میرے لیے اور تیرے لیے باعث نیک نامی ہیں باعث مقبولیت ہیں، نہ باعث مردودیت۔ جو خیال جم جاتا ہے وہ نکلتا نہیں، اس کا سبب دل کی کمزوری اور خشکی ہے، نہ مردودیت نہ سوئے خاتمہ۔

(۴۴/ سال پہلے کے ملفوظات یہاں ختم ہوئے، بقیہ ان شاء اللہ آیندہ طباعت میں پیش کیے جائیں گے۔ احقر میر غفرلہٗ)

۶/ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ مطابق ۸/ ستمبر ۱۹۸۹ء، بروز جمعۃ المبارک
مسجدِ اشرف، گلشنِ اقبال، کراچی

سنّت کے مطابق شادی بیاہ اور ولیمہ

ارشاد فرمایا کہ آج جنگ اخبار میں مسائلِ دینیہ کے سلسلے میں مولانا یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم نے ایک مسئلہ لکھا ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکی والوں کا برادری اور لڑکے والوں کو دعوت کھلانا خلافِ سنّت ہے۔ میرے ذمے بیان ہے، تحقیق آپ مولانا یوسف لدھیانوی سے جا کر کیجیے۔ لیکن عقل سے سوچیے کہ جس کی بیٹی جا رہی ہے اس کا دل تو غمگین ہے، ایسے وقت اس سے دعوت کھانا عقل کے بھی خلاف ہے۔ ولیمہ سنّت ہے جو بیٹے والے کے ذمہ ہے۔ لڑکی جب رخصت ہو کر چلی جائے اور شوہر کے ساتھ خلوت ہو جائے اس کے بعد دوسرے دن ولیمہ سنّت مؤکدہ ہے بشرطیکہ وہاں بھی کوئی خلافِ شریعت کام نہ ہو۔

علامہ شامی ابنِ عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ولیمہ سنّت مؤکدہ ہے لیکن اگر دسترخوان پر کوئی گناہ کا کام شروع ہو جائے مثلاً غیبت شروع ہو جائے تو روٹیاں اور بریانی اور شامی کباب چھوڑ کر وہاں سے اُٹھ جانا واجب ہے۔ اب یہ وقت امتحان کا ہوتا ہے کہ یہ نلیاں اور بوٹیاں محبوب ہیں یا اللہ کی رضا محبوب ہے۔ یہ کہنا کہ صاحب اگر چھوڑ کر جائیں تو میزبان ناراض ہو جائے گا نہایت کم ہمتی کی بات ہے۔ صاف کہہ دو کہ یہاں غیبت ہو رہی ہے، ریکارڈنگ ہو رہی ہے، فوٹو کشی ہو رہی ہے، فلم بن رہی ہے،

ویڈیو بن رہی ہے، کھانے والوں کی تصویریں بن رہی ہیں، کوئی بھی نافرمانی ہو رہی ہے لہٰذا اس نافرمانی کی مجلس میں شریک نہیں ہو سکتا۔

دوستو! یہی وقت امتحان کا ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موقع آئے اس وقت جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائے، وہ امتحان میں پاس ہو گیا۔ خالی تنہائی میں، مسجد میں عبادت کر لینے کا نام امتحان نہیں ہے۔ امتحان کا وقت وہ ہوتا ہے جب منہ اور بریانی کے لقمہ کے درمیان آدھے فٹ کا فاصلہ رہ گیا کہ دیکھا کہ فوٹو گرافر آ گیا، فلم بننے والی ہے، اب دیکھنا ہے کہ آدھا فٹ جو بریانی قریب ہو چکی ہے اس قریب شدہ مالِ غنیمت کو واپس کرتا ہے یا نہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اس وقت اس لقمے کو وہیں رکھ دو اور اُٹھ جاؤ اور کہہ دو چوں کہ یہاں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہے لہٰذا ایسی مجلس میں حاضری جائز نہیں ہے۔ محدث عظیم مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جو مکہ شریف میں مدفون ہیں، مشکوٰۃ کی شرح میں فرماتے ہیں:

لَا یَجُوْزُ الْحُضُوْرُ عِنْدَ مَجْلِسٍ فِیْهِ الْمَحْظُوْرُ[۱۵۸]

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایسی مجلس میں جہاں اللہ کی مرضی کے خلاف، شریعت کے خلاف کوئی کام ہو رہا ہو اس مجلس میں شرکت جائز نہیں چاہے ابّا کی مجلس ہو، چاہے امّاں کی مجلس، چاہے پیر کی مجلس ہی کیوں نہ ہو۔

مان لیں کسی کو غلطی سے غلط پیر مل گیا، اس کے یہ معنیٰ تھوڑی ہیں کہ اللہ اور رسول کے فرمان کو پیچھے چھوڑ دیں، اور اس کی بات مان لیں۔ اسی کا نام پیر پرستی ہے۔ اس سے صاف کہہ دو کہ چوں کہ آپ خلافِ شریعت و خلافِ سنّت کام کر رہے ہیں، بس میں آپ سے بیعت فسخ کرتا ہوں۔ محبت اللہ کے لیے ہے اور بغض بھی اللہ کے لیے ہے۔

تعجب ہے کہ قرضہ لے لے کر بیٹی والا برادری کو کھلا رہا ہے جو خلافِ سنّت ہے۔

آج اخبار میں پڑھ لیجیے گا، دینیات کا ایک صفحہ ہوتا ہے مولانا لدھیانوی اس میں مسائل کے جوابات لکھتے ہیں۔ میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے، اخبار بھی میرے پاس رکھا ہے، تقریر ختم

---

[۱۵۸] مرقاۃ المفاتیح: ۴/۲۰۷، باب البکاء علی المیت، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

ہونے کے بعد جس کا جی چاہے چل کر دیکھ بھی لے کہ لڑکی والوں کا کھانا خلافِ سنّت ہے۔ اصلاح الرسوم میں بھی ہے اور ہمارے اکابر نے اس کا اہتمام کیا۔ میرے مرشد اوّل مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامّت کے اکابر خلفاء میں سے تھے، اتنے بڑے خلیفہ تھے کہ مفتی اعظم پاکستان اور مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ظفر احمد عثمانی، قاری طیب صاحب رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے علماء ان کے سامنے شاگرد کی طرح بیٹھتے تھے، لیکن حضرت نے اپنی بیٹیوں کی شادی کی، نکاح پڑھا جو دو چار آدمی آئے کسی کو کچھ نہیں کھلایا اور بیٹی کو رخصت کر دیا، یہ نہیں کہ بارات میں ساری برادری کو جمع کیا جارہا ہے ہاں دو چار عزیز و اقارب آگئے مثلاً بیٹی کی شادی میں اس کی دوسری سگی بہنیں آگئیں اور سگے بھائی آگئے تو وہ گھر والے ہیں، خاندان والوں کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں جو دو چار آگئے، لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ لڑکی والوں کی طرف سے دعوت نامے کے کارڈ چھپ رہے ہیں۔ ہزار آدمی کھانا کھا گئے جس پر دس ہزار خرچ ہوئے یہ دس ہزار بالکل ضایع ہوئے، اس پر کوئی اجر نہیں بلکہ خلافِ سنّت عمل پر اندیشہ مواخذہ ہے۔

نکاح تو ایک عبادت ہے لیکن عبادت جب ہے جب سنّت کے مطابق ہو، جس طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، لہٰذا تمام حدیثوں سے ثابت ہے کہ ولیمہ سنّت ہے بشرطیکہ ولیمہ بھی شریعت کے خلاف نہ ہو اور حیثیت سے بھی زیادہ نہ ہو کہ پانچ ہزار تنخواہ پاتا ہے لیکن ولیمہ قرضہ لے کر ایک لاکھ کا کر رہا ہے یہ بھی نام و نمود اور فخر کے لیے ہے، اس میں بھی شرکت جائز نہیں۔ آج اُمتِ مسلمہ، اسی کی وجہ سے مقروض و پریشان ہے۔ دس دس ہزار، بیس بیس ہزار روپیہ کھانے میں جارہا ہے۔ حیثیت سے زیادہ خرچ نہ کرو، ارے امام اور مؤذن کو بلالو۔ دو آدمیوں سے بھی ولیمہ ہو جاتا ہے۔ چلو محلے کے کسی بڑے بوڑھے کو، دو چار دوستوں کو بلالو۔ آپ کسی مفتی سے پوچھ لیں کہ اگر دو چار آدمیوں کو بلالیں تو ہماری سنّت ولیمہ ادا ہو جائے گی یا نہیں اور باقی پیسے دینی مدارس میں، یتیموں پر، بیواؤں پر خرچ کر دیں یا بیٹی کو دیں یا داماد کو دے دیں۔

یہ کھا کھا کر پچاس پچاس ہزار روپیہ خرچ کرا کر مونچھوں پر تاؤ دے کر جو جاتے ہیں، کوئی خوش نہیں ہوتا۔ تعریف کے لیے جو کام انسان کرتا ہے، تعریف بھی

نہیں ملتی۔ جو وہ کہہ کر جاتے ہیں وہ الفاظ مجھ سے سنیے: ”ارے صاحب! گھی بہت ڈال دیا تھا۔“ ”اتنی چکنائی تھی کہ کھایا نہیں گیا۔“ ”میرے تو پیٹ میں درد ہوگیا۔“ ”یہ اس نے گوشت بچانے کے لیے ترکیب نکالی کہ گھی زیادہ ڈال دیا تاکہ کھانا نہ کھایا جائے۔“ دوسرے صاحب کہتے ہیں: ”صاحب! نمک تیز ہوگیا۔“ تیسرے صاحب کہتے ہیں: ”بکرا بڈھا تھا۔ گوشت میں بہت سختی تھی، جیسے چمڑے کھینچ رہے تھے۔“

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک قصہ سنایا کہ ایک بخیل بنیا تھا۔ پیٹ کاٹ کر پیسہ جمع کیا اور جب بیٹی کی شادی کی تو سارے گاؤں کو دعوت دے دی کیوں کہ کافر عزت و جاہ کا بھوکا ہوتا ہے، اس نے سب گاؤں والوں کو آلو پوری کھلائی، آلو پوری بہت مزیدار ہوتی ہے۔ اور ایک ایک اشرفی بھی انعام میں دی۔ اشرفی سونے کی ہوتی ہے۔ اور جب سب مہمان جانے لگے تو جلدی سے دوڑ کر گاؤں کے باہر ایک درخت پر بیٹھ گیا کہ آج ذرا تعریف سُن کر خوش ہوجاؤں۔ مال تو گیا، زندگی بھر میں نے چمڑی دے دی مگر دمڑی نہیں دی لیکن آج بیٹی کی شادی میں ذرا واہ واہ لینے کے لیے میں نے اتنا خرچہ کیا تو دیکھوں کہ آج میری کتنی تعریف ہوتی ہے۔ تو آلو کھا کر اور ایک اشرفی لے کر سب یہ کہتے ہوئے گزرے کہ بڑا ہی کنجوس مکھی چوس تھا۔ ارے! صرف ایک اشرفی دی۔ کمبخت کو پانچ اشرفی دینا چاہیے تھا۔ جب تین چار گالیاں سنی تو مارے غم کے اس کی دھوتی ڈھیلی ہوگئی اور جلدی سے درخت سے نیچے اُتر کر صدمہ سے گھر میں جا کر لیٹ گیا کہ اتنا پیسہ بھی چلا گیا اور تعریف بھی نہ ملی۔ مخلوق سے کہیں تعریف ملتی ہے!

اسی طرح غم کے موقع پر بھی انتہائی بے ہودہ رسمیں ہیں۔ غمی میں بریانیاں کھلائی جاتی ہیں، تیجہ کیا جاتا ہے جس کا نام قرآن خوانی ہے۔ بکرا کٹ رہا ہے، شامیانے لگ رہے ہیں اور بریانی پک رہی ہے۔ سوچو تو صحیح جس کا نانا، جس کا بابا مر گیا اس کے ہاں بریانی کھانے میں شرم بھی نہیں آتی۔

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نوجوان کی تربیت فرمائی جو زمیندار تھا۔ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صدقے اور ان کی صحبت کے فیض سے اس نے وعدہ کیا کہ حضرت! ان شاء اللہ تعالیٰ

میں اپنی پوری برادری سے یہ رسم مٹادوں گا، بس اس نے رسم کے مطابق باپ کے انتقال پر دو بکرے کاٹے اور شاندار بریانی پکوائی اور ساری برادری کو بلایا کہ آؤ! آج کھانا کھالو۔ جب دستر خوان بچھا کر گرم گرم بریانی پلیٹوں میں رکھی گئی اور ہاتھ دھو کر سب نے بریانی کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو اس نے فوراً کہا کہ صاحبو! ہاتھ بڑھانے سے پہلے میں ذرا ایک گزارش کرتا ہوں اس کو سُن لینے کے بعد آپ لوگ کھایئے، ایک نوجوان بچہ، بڑے بڑے چوہدری بڈھے زمینداروں سے خطاب کررہا ہے کہ آپ لوگ کس خوشی میں یہ بریانی کھانے جارہے ہیں۔ میرے دل سے پوچھو کہ باپ کے مرنے پر کیا صدمہ ہے۔ میرے غم اور صدمے میں آپ نے میرا یہ حق ادا کیا کہ آپ مجھ سے بریانی کھارہے ہیں۔ جس کا باپ یا بھائی مرگیا اس سے کس خوشی میں بریانی کھائی جاتی ہے۔ اس تقریر کے بعد کوئی بریانی کھا سکتا تھا؟ آخر سب بڑے زمیندار تھے، عزت و آبرو سے ہاتھ دھو کر تھوڑی آئے تھے، سب لوگ فوراً کھڑے ہوگئے اور کہا: اے نوجوان بچے! شاباش! آج تو نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔ ساری بریانی کو لے جاکر غریبوں میں تقسیم کردو۔ یہ غریبوں کا حق ہے ہم جیسے بڑے بڑے مال داروں کا حق نہیں ہے کہ اپنے نوجوان رشتے دار کے باپ کی غمی میں بریانی ٹھونس رہے ہیں، واقعی یہ بے غیرتی ہے۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب یہ خبر ملی تو حضرت نے خوش ہوکر وعظ میں یہ واقعہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ جس سے چاہتا ہے بڑا کام لے لیتا ہے۔ اللہ نے اس سے کتنا بڑا کام لیا کہ اس نے ایک بُری رسم کو مٹادیا۔

آج آپ سب حضرات سے میں اس مسجد میں ایک عہد لیتا ہوں کہ آپ لوگ وعدہ کیجیے کہ اپنی شادی بیاہوں کو میرج ہالوں میں نہیں کریں گے۔ اللہ کے لیے وعدہ کیجیے! اُمّت پر رحم کیجیے! اپنے خاندان پر رحم کیجیے! یہاں ہماری مسجد اشرف میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کی موجودگی میں دو نکاح ہوچکے ہیں۔ آپ لوگ شادی ہالوں کے کرایہ اور بجلیوں کے بِل سے جان چھڑا کر وہی پیسہ اپنی بیٹی کو دے دو۔ قرضہ لے لے کر اپنے دل کو کیوں پریشان کرتے ہو؟

میرے محترم بزرگو، بھائیو اور دوستو! شادی سنّت کے مطابق کرو، جمعہ کے

دن، عصر کے بعد نکاح پڑھو اور مغرب بعد رخصتی کر دو۔ نوشہ کے ساتھ جو آنے والے ہیں ان کو بھی پہلے ہی راضی کر لو کہ ہم سنّت کے مطابق سادگی کے ساتھ شادی بیاہ کریں گے۔ اس طرح یہ لعنت جہیز کی نکل جائے گی۔ کتنی بیٹیاں ہیں جو جہیز کی اس لعنت اور ان اخراجات کی لعنت سے بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کے دلوں میں خودکشی تک کے وسوسے آرہے ہیں۔ میرے دوستو! ان شادی ہالوں میں پیسہ ضایع کرنا اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو پریشانی میں مبتلا کرنا ہے جو اپنی غربت کی وجہ سے اس رسم کو نہیں کر سکتے۔ بیٹی والوں سے پوچھو کہ کیا مصیبتیں ہیں، لہٰذا جو شخص اپنی بیٹی کی شادی میں کھانا کھلائے گا اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن اس پر سنّت کی مخالفت کا مقدمہ دائر ہو گا۔ ساتھ ساتھ یہ کہ معاشرے میں اس نے ایک بری رسم جاری کر کے مسلمانوں کی جیب کٹوانے کا انتظام کیا اور ان کو کرب و غم میں مبتلا کرنے کا سامان کیا۔ چھوڑیئے! اس کو کوئی کچھ کرتا ہو۔ آپ یہی پوچھ لو کہ بیٹی والوں کا کھانا کس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اس لیے آج آپ حضرات یہ عہد کر لیں کہ ہمیں میرج ہالوں میں شادی نہیں کرنی ہے، بیٹی والوں کو کھانا نہیں کرنا ہے، بیٹی والوں سے جہیز نہیں مانگنا ہے، وغیرہ۔ یہ دس ہزار، پانچ ہزار جو ایک رات کا ہال کا کرایہ لگتا ہے نہیں دینا ہے، مسجد میں سنّت کے مطابق نکاح کرائیے۔

نکاح کے بعد چھوارے وغیرہ نہ اُچھالیے۔ خالی کتابوں کو دیکھ کر عمل نہ کیجیے۔ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے فرمایا کہ اس زمانے میں چھوارے قاعدے سے تقسیم کرو۔ کیوں؟ اس لیے کہ جس زمانے میں یہ کھجور اور چھوارے اُچھالے گئے تھے اس زمانے میں آنکھوں پر چشمے نہیں لگتے تھے۔ آج سے پچاس برس پہلے کے بزرگوں کو دیکھ لو، اپنے دادا، نانا کو کہ اکثر نے بڑھاپے تک چشمہ نہیں لگایا، خود میرے نانا نے آخر سانس تک چشمہ نہیں لگایا۔ اور اب نوجوانوں کے چشمے لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر آپ نے کھجوروں کو اُچھالا، اور ایک کھجور کسی کے چشمے پر گر گئی، اس کا تو تین سو کا چشمہ گیا اور آپ کی دو آنے کی کھجور اس کے نفع میں آئی، لہٰذا کھجوریں تقسیم کیجیے اور اس طریقے سے کہ مسجد میں بھی اس کا اثر نہ ہو کہ مکھیاں بھنکیں، اور مسجد کا فرش بھی نہ خراب ہو۔ اور مغرب بعد بیٹی کو رخصت کر دو اور بیٹی والا کھانا نہ کھلائے۔

ولیمے کے سلسلے میں بھی عرض کرتا ہوں کہ ولیمہ میں یہ کوئی ضروری نہیں کہ ساری برادری آئے۔ کسی کتاب میں نہیں لکھا ہے کہ ساری برادری کا کھانا کرو۔ جتنی اللہ توفیق دے اور قرضہ نہ لینا پڑے۔ یہی ہزار ہزار آدمیوں کو ولیمہ کھلانے والوں سے اگر کہا جائے کہ مسجد کی دری پھٹی ہے کچھ پیسہ دے کر نئی دری بچھوا دو تو کہتے ہیں مولانا! آج کل بڑی کڑکی ہے، کڑکی۔ کڑکی کے معنیٰ معلوم ہیں آپ کو؟ میمنوں کی زبان ہے۔ مرغی جب کُڑک ہو جاتی ہے اور انڈا نہیں دیتی، تو کہتے ہیں کہ یہ مرغی کی کڑکی کا زمانہ ہے اسی کُڑکی سے یہ کَڑکی بنایا ہے۔ میمن صاحب جب کہے کہ آج کل کَڑکی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میری دوکان کی مرغی انڈا نہیں دے رہی ہے یعنی پرافٹ (Profit) نہیں ہو رہا ہے، لیکن یہ پچاس ہزار میرج ہال کے لیے کہاں سے آگیا؟ کھانا کہاں سے آگیا؟ جو غریب ہیں وہ بھی بینکوں سے سودی قرضے لے رہے ہیں۔ ولیمہ کون سا فرض ہے اور اگر فرض بھی ہوتا تب بھی سودی قرضہ لینا جائز نہیں۔ ولیمہ سنّت ہے لیکن حسب گنجایش و توفیق۔ اگر پوری بکری کرنے کی کسی کے پاس گنجایش نہیں ہے تو بکری نہ کرے دال روٹی کھلا دے، اگر گنجایش ہے تو چلو ایک بکری کر لو۔ ایک بکری آٹھ نو سو کی مل جاتی ہے۔ ایک ہزار کے چاول بھی ڈال دو، دو ہزار میں ولیمہ کر لو۔ اور کوئی غریب ہے مؤذن ہے، امام ہے، بیچارہ اس کے پاس یہ بھی نہیں ہے تو میاں! آلو پوری کھلا دو، دہی بڑے کھلا دو۔ ولیمہ میں پلاؤ قورمہ کھلانا کوئی واجب نہیں ہے۔ غیر واجب کو واجب سمجھنا یہ بھی اسلام میں بہت بڑا جرم ہے، اس سے ضرر پہنچا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، دوستو! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو غور سے سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَئُوْنَۃً[۱۵۹]

سب سے بڑا برکت والا نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو۔ آپ سوچئے اگر آپ کم خرچ کریں گے تو نکاح میں برکت آجائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے۔

---

[۱۵۹] شعب الایمان للبیہقی: ۸/۵۰۱-۵۰۲ (۶۱۴۶)، مکتبۃ الرشد

اگر آپ کو اللہ نے بہت دولت دی ہے۔ مان لیجیے! بہت سی لانچیں چل رہی ہیں، موٹر چل رہی ہے، ٹیکسی چل رہی ہے، تو پیسہ بچا کر کسی غریب کی بیٹی کا نکاح کرادو، کہو کہ یہ دس ہزار روپے ہم سے تحفہ لے لو یا کسی اور ضروری کام میں خرچ کردو بھائی! دو چار بچوں کو حافظ بنوادو، ہزاروں نیک کام ہیں جن میں خرچ کرسکتے ہیں لیکن مال کو ان فضول رسموں میں خرچ کرنے سے یہ خرابی پیدا ہوگی جو خاندان میں غریب ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں بھی مال دار رشتہ دار کا مقابلہ کروں گا چاہے قرض ہی لینا پڑے۔ ایسا کوئی کام نہ کیجیے کہ جس سے پورے خاندان والے مجبور ہو کر حیثیت سے زیادہ خرچ کریں، اگر ایک بچے کو پیچش ہوتی ہے، تو اس کی رعایت سے ماں دوسرے تندرست بچوں کو بھی کباب نہیں دیتی کہ تمہارے کباب کو دیکھ کر میرا بیمار بچہ روئے گا۔ ایسے ہی امّت کا خیال کرو، نفسی نفسی نہ کرو۔

اسی طرح جہیز کی لعنت ہے آج کل لڑکے والا بابا کہتا ہے کہ میرا بیٹا امریکا پڑھنے جائے گا۔ جہیز میں امریکا تک پہنچنے کا خرچہ بھی دو، ایک کار بھی دو اور ٹیلی ویژن بھی دو اور میرے بیٹے کے لیے دوکان کھلوادو۔ اگر ڈاکٹر ہے تو اس کو میڈیکل اسٹور کھلوادو یا ہسپتال بنوادو۔ بیٹی والوں سے پیسہ مانگنا یہ رشوت ہے، حرام ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ بیٹی والے سے کہہ دیتے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو تنگ دستی ہے، کچھ مقروض بھی ہیں، آپ کچھ نہ دیجیے۔ میرے گھر میں سب کچھ موجود ہے ہمیں آپ کی بیٹی چاہیے دولت نہیں چاہیے اور کوئی طعنہ بھی نہیں دے گا۔ یہ عہد داماد کے باپ اور اس کی ماں لکھ کر دے دیں کہ تمہاری بیٹی کو کوئی طعنہ نہیں ملے گا۔ لیکن آج افسوس یہ ہے کہ کھاتے پیتے لوگ نمازی لوگ بھی طعنہ دیتے ہیں۔ اگر بیوی غریب ہے، کچھ نہیں لائی یا کم لائی، تو شوہر صاحب کہتے ہیں کہ ارے! تیرے باپ نے کیا دیا۔ تجھ سے نکاح کرکے میں تو پچھتا رہا ہوں، فلاں جگہ نکاح کرتا تو مجھ کو اتنا ملتا۔ کیا ہو رہا ہے دوستو! یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ اس لیے دل سیاہ ہو رہے ہیں اور گھروں میں لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں۔ دین اور اخلاق اور شرافت کا تقاضا ہے کہ یہ کہہ دو کہ آپ بیٹی دے رہے ہیں، اپنے جگر کے

ٹکڑے کو آپ دے رہے ہیں، اس کے مقابلے میں ہم کرسی اور صوفہ مانگیں۔ یہ ظلم ہے۔ وہ اپنی طرف سے آرام کے لیے اپنی بیٹی کے لیے کچھ دے دیں وہ ٹھیک ہے لیکن اگر اس کے پاس نہیں ہے، قرینے سے پتا چل جاتا ہے، کہ لڑکی کا والد مالی لحاظ سے کمزور ہے تو شریف داماد اور شریف سمدھی کا حق ہے کہ کہہ دے کہ آپ بالکل تکلف نہ کریں اور ان کو یقین دلاؤ کہ کوئی طعنہ نہیں دے گا بلکہ لکھ کر دے دو اور اس پر اس کی ساس کے بھی دستخط کرادو کیوں کہ اس وقت تو جوش میں کہہ دیں گی لیکن بعد میں ساری زندگی طعنے دیتی ہیں۔ جو مہمان آیا، ارے! آپ کی بہو کچھ لائی بھی ہے؟ ارے! کیا لائی ہے بس چند چیتھڑے اور کچھ ٹھیکرے لائی ہے، کپڑے کا نام چیتھڑے رکھ دیا، برتنوں کا نام ٹھیکرے رکھ دیا۔ اس لیے دل روتا ہے ایسے حالات سے۔ آپس میں آج اگر آپ اس مسجد کے اندر عہد کرلیں کہ ہم اپنی شادیوں میں بیٹی والے سے کہہ دیں گے کہ آپ پر کوئی جہیز کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اپنی بیٹی کو جو دل چاہے دیں نہ دیں اس پر کبھی طعنہ نہیں ملے گا، اس پر اپنی بیوی اور بیٹے کے علاوہ اس کی بہنوں کے بھی دستخط کراؤ، کیوں کہ بہنوں کی زبان بھی کبھی کڑوی ہو جاتی ہے۔ اس پر عمل کرو۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کتنا راضی ہوتا ہے۔ ذرا یہ عمل کرکے دیکھیے تو شادی بیاہ بالکل آسان معلوم ہو گا۔

آج کل کیا حالات ہیں؟ اسلام آباد میں ایک شخص کی چھ بیٹیاں ہو گئیں تو مجھ سے کہنے لگے کہ کوئی تعویذ دے دو کہ اب بیٹی نہ ہو کیوں کہ خاندان میں پچاس ہزار ایک بیٹی پر خرچہ آتا ہے اور چھ بیٹیوں کو پچاس ہزار پر ضرب کرو تو تین لاکھ بنتا ہے۔ تین لاکھ میں کہاں سے لاؤں گا۔ پانچ ہزار میری تنخواہ ہے۔ تین ہزار خرچ ہو جاتے ہیں۔ ایک ہزار بچاؤں بھی تو تین لاکھ کہاں سے آئے گا لہٰذا مجبوراً سود لینا پڑے گا۔ قرضہ لینا پڑے گا۔ یہ ہماری غلطی ہے کہ ہم نے معاشرے میں غیر اسلامی رسمیں رائج کی ہیں اس کے لیے خاص طور پر آپ لوگ ہمت کیجیے، نہی عن المنکر کی جماعت الگ بنانے کی ضرورت ہے، اور بُرائیوں کو مٹانے کے لیے آپ سب اس میں داخل ہو جائیں۔ یہ جتنے لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں سب بُرائیوں کے مٹانے میں ہمارے ممبر اور انصار ہیں۔

۱۸؍ شعبان المعظم ۱۴۱۵؁ھ مطابق ۲۰؍ جنوری ۱۹۹۵؁ء
بروز جمعۃ المبارک، بوقت دوپہر، ڈربن (جنوبی افریقہ)

ہدیہ کے بعض آداب

(ایک صاحبِ ثروت جو حضرتِ والا سے اصلاح کا تعلق تو نہیں رکھتے تھے لیکن محبت رکھتے تھے جنوبی افریقہ کے سفر میں ساتھ ہوگئے۔ ڈربن میں وہ بازار گئے اور کچھ سامان خریدا اور میزبان نے قیمت ادا کردی اور ان صاحب نے انکار نہیں کیا اور خاموشی سے قبول کرلیا۔ حضرتِ والا کو اطلاع ہوئی تو مندرجہ ذیل نصائح ارشاد فرمائے۔ جامع)

ارشاد فرمایا کہ جو دوست بھی میرے ساتھ چل رہا ہے وہ مجھ سے اس کی اجازت لے کہ آپ کے ساتھیوں کو ہدیہ دینا چاہتا ہوں۔ میری اجازت کے بغیر کوئی کسی ساتھی کو ہدیہ نہ دے اور نہ میرا کوئی ساتھی بغیر میری اجازت کے ہدیہ لے۔ اگر میرے ساتھیوں میں سے کسی کو ہدیہ دینا ہے تو پہلے مجھ سے اجازت لیں اور میرے ساتھی بھی مجھ سے اجازت لیں کہ کیا میں قبول کرلوں۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ مجھے اپنے ساتھ ایک جج صاحب کے ہاں لے گئے جب میری عمر اٹھارہ برس کی تھی اور فرمایا کہ میں یہاں مہمان ہوں۔ میں نے کہا کہ حضرت آپ مہمان ہیں، میں تو مہمان نہیں ہوں، میں طفیلی بن کر کھانا نہیں کھانا چاہتا، میں نے آپ سے اللہ کے لیے تعلق کیا ہے، دنیا کے مال اور دستر خوان پر مرغی اڑانے کے لیے نہیں کیا ہے۔ لہٰذا میں ہوٹل میں کھانا کھا کر ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا ہوں۔ میری اس بات سے شیخ کو وجد آگیا۔ فرمایا شاباش! حالاں کہ حضرت سے یہ میری پہلی ملاقات تھی اور میری اٹھارہ برس کی جوانی تھی۔ پھر فرمایا اچھا! ٹھہر جاؤ۔ اور جج صاحب سے الگ لے جا کر کہا کہ ان سے دعوت کی درخواست کرو۔ جج عبدالجلیل صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ صحبت تھے۔ انہوں نے مجھ سے بڑی لجاجت سے کہا کہ آپ دعوت قبول کرلیجیے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی دعوت ہرگز قبول نہیں کرسکتا جب تک میں اپنے شیخ سے اجازت نہ لے لوں۔ میں نے

حضرت سے عرض کیا کہ جج صاحب مجھے دعوت دے رہے ہیں کیا آپ کی اجازت ہے؟ حضرت نے اجازت دے دی اور میرے اس عمل سے حضرت بہت زیادہ خوش ہوئے۔

اگر آپ کو بھی کوئی دعوت دے یا ہدیہ دے تو میرے جتنے ساتھی ہیں وہ مجھ سے اجازت لیں کہ میں قبول کروں یا نہ کروں۔ اور مقامی حضرات بھی اجازت لیں کہ میں ہدیہ دینا چاہتا ہوں۔ لٰہذا مولانا عبدالحمید صاحب مہتمم مدرسہ آزاد وِل نے پہلے مجھ سے دوستوں کو ہدیہ دینے کی اجازت لی۔ میں نے اجازت قبول کرلی۔ پھر میں نے اپنے دوستوں کو ان کا ہدیہ دیا، کیوں کہ طریقت و سلوک کی عظمت بڑی چیز ہے۔ مومن کی آبرو کتنی بڑی چیز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے کعبہ! تیری عظمت سر آنکھوں پر ہے لیکن مؤمن کی آبرو تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ لٰہذا کوئی ایسا کام جو مؤمن کو بے آبرو کرے بہت سخت گناہ ہے، کبیرہ گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا یَنۡبَغِیۡ لِلۡمُؤۡمِنِ اَنۡ یُّذِلَّ نَفۡسَهٗ[۱۶۰] مؤمن کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے نفس کو کسی طرح سے ذلیل کرے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پیوند لگا ہوا کپڑا پہن کر سفر پر جارہے تھے۔ پیرانی صاحبہ نے فرمایا کہ اس سنّت کا یہ موقع نہیں ہے کیوں کہ سفر میں مریدین دیکھیں گے کہ میرے شیخ کے پاس پیوند لگے کپڑے ہیں تو یہ ایک قسم کا مانگنا ہے۔ یہ سن کر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وجد میں آگئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا سمجھدار بیوی دی ہے۔

کسی شیخ اور عالم کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی دکان پر یوں کہے کہ یہ چیز کیا بھاؤ ہے؟ ماشاء اللہ! کپڑا بہت اچھا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دوکاندار بے چارہ معتقد تھا، کہا حضرت! قبول کرلیجیے۔ اتنا قبول کیا کہ اس کی ساری دوکان خالی ہوگئی۔ پھر شیخ صاحب سارا مال اپنے خادم پر لاد کر چلے گئے۔ دوکاندار بے چارہ رونے لگا کہ شیخ میری دوکان کی جان نکال کرلے گیا۔

---

[۱۶۰] جامع الترمذی: ۲/۵۱، باب ما جاء فی النهی عن سب الریاح، ایچ ایم سعید

اس لیے ہمارے بزرگوں نے کچھ اصول بتائے ہیں کہ جو لوگ سفر پر ساتھ چلیں کسی کا ہدیہ قبول نہ کریں جب تک اپنے دینی مربی سے اجازت نہ لے لیں۔ اگر کوئی براہِ راست دیتا ہے تو ہرگز قبول نہ کریں کہ ہم بغیر امیر کی اجازت کے نہیں لے سکتے اور جہاں تک ہو سکے مارکیٹ مت جاؤ۔ پاکستان جہاں سے ہم آئے ہیں کوئی ایسی چیز نہیں جو وہاں نہ ملتی ہو، ہر چیز وہاں ملتی ہے۔ بال بچوں کی محبت میں دین کی عظمت کو نقصان مت پہنچاؤ۔ مال و اولاد قبر میں کچھ کام نہیں آئیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیٹ پر پتھر باندھ کر زندگی گزار لی اور ہم کو اللہ نے کیا کچھ نہیں دیا؟ وجاہت دی، پہننے کو کپڑے دیے، خوب اچھا کھانے کو دیا پھر کیا ضرورت ہے کہ دوسروں سے لے کر اپنی عزت کو خاک میں ملاؤ۔ جتنے ڈالر جیب میں ہوں اس کے لحاظ سے سودا خریدو۔ مارکیٹ میں یہ بھی ظاہر مت کرو کہ پیسے کم پڑ گئے کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کا سوال ہے کیوں کہ میزبان دیکھتا ہے کہ ان کو کوئی چیز پسند تھی، پیسوں کی کمی سے نہیں لے رہے ہیں تو وہ مجبوراً کہہ دیتا ہے کہ آپ خرید لیں پیسوں کی فکر نہ کریں۔ ہم اپنی عزت نفس کے خلاف کیوں رحم کی بھیک مانگیں۔ ہم ایسا سودا ہی نہیں لیتے جس کی استطاعت نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو دیکھیں کسی قسم کی صورتِ سوال ہو یا حقیقتِ سوال ارشاد فرمایا کہ اللہ اس میں برکت نہ دے۔ اللہ کے نبی کی بددعا والی چیز کو مت قبول کرو۔ آپ بتائیے کہ جس کو نبی کی بددعا لگ جائے تو اس کا کیا حال ہوگا! ایسے عیش پر لعنت بھیجو۔ کتنی ہی اچھی چیز ہو دوسروں سے اشارتاً یا صراحتاً مت مانگو، جو اللہ نے ہم کو دیا ہے اس کی حدود میں رہو۔ بس طریق کی عظمت یہی ہے۔ ان شاء اللہ پھر اس کا نور دیکھو گے۔

عزت نفس اور عظمتِ دین اسی میں ہے کہ ان اصولوں کو ہر وقت سامنے رکھو، ورنہ اگر آپ نے بغیر اجازت کسی کا ہدیہ قبول کر لیا تو ہدیہ دینے والے کے دل میں بھی آپ کی عزت نہ رہے گی۔ اس لیے میں کہتا ہوں اللہ کے نام پر جان و دل، آبرو فدا کر دو، دنیا کو قریب نہ آنے دو۔ اس سے اللہ کی عظمت، اللہ کے دین کی عظمت اور ہمارے بزرگوں کی عظمت قائم رہتی ہے۔

مولانا حسین بھیات صاحب میرے بچپن کے پالے ہوئے ہیں۔ جب بالغ

ہوئے تو نیو ٹاؤن میں پڑھ رہے تھے۔ میں نے ان کو اس طرح پالا ہے کہ یہ چھٹیوں میں میرے پاس باپ سمجھ کر رہتے تھے۔ انہیں مجھ سے کیسی محبت ہے لیکن ان سے پوچھ لو میں ان سے کوئی فرمایش کی بات بھی نہیں کہتا ہوں کہ مجھے یہ لا دو، وہ لا دو حالاں کہ میں کہوں گا تو ان کو خوشی بھی ہو جائے گی۔ اگر تعلقات کا بہت زیادہ اہم مسئلہ ہو تو کوئی معمولی سی چیز منگوالی جیسے ایک رین یا دو رین کا رومال منگوالیا یا موزے وغیرہ منگوا لیے۔

اللہ کے فضل سے اب مجھے کسی چیز کی کمی نہیں۔ لیکن جب میں بالکل غریب تھا اس وقت بھی میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اس وقت کا حال بتاتا ہوں۔ ایک بہت بڑے رئیس حبیب الحسن شیروانی صاحب تھے، میر صاحب نے ان کو دیکھا ہے، میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ان کے پاس بڑے بڑے گھوڑے، پستولیں، بندوقیں بھی تھیں، ایک طرح کے نواب تھے اور میں ان کے بالکل برعکس پیٹ کی روٹی اور جسم کے کپڑے پر شیخ کے ساتھ رہتا تھا۔

ایک دفعہ شیروانی صاحب ہندوستان سے کراچی آئے۔ پانچ آدمی تھے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ابرار الحق صاحب، حبیب الحسن شیروانی صاحب، شاہ عبد الولی صاحب اور اختر۔ نواب حبیب الحسن خان شیروانی نے مجھ سے کہا آپ ذرا چائے کی پیالیاں دھولیجیے۔ میں نے کہا میں آپ کی چائے پی کر پچھتا رہا ہوں، آیندہ میں آپ کی چائے نہیں پیوں گا، میں غریب تو ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے دو حرف علم کے دیے ہیں، میں اپنے نفس کو ذلیل نہیں کر سکتا۔ آیندہ سے میں آپ کی چائے نہیں پیوں گا اور چائے کی پیالی آپ خود دھولیجیے، آپ ایک پیالی چائے سے مجھے اپنا خادم بنانا چاہتے ہیں۔ شیروانی صاحب نے فوراً اپنی ٹوپی اُتار دی اور کہا جتنے جوتے یا جتنے چپل چاہیں میرے سر پر لگا دیجیے اور رونے لگے اور کہا کہ خدا کے لیے مجھ کو معاف کر دیجیے۔

دوستو! یہ عرض کرتا ہوں جہاں تک ہو اپنے بزرگوں کے طریقے پر چلو۔ بس مجھ سے اگر نیک گمان ہے تو میری باتوں پر عمل کرو اور میرے ساتھ رہو ورنہ اگر میری باتیں زیادہ معیاری معلوم نہ ہوں تو کسی دوسرے مربی کے ساتھ سفر کرو۔ جو

لوگ میرے ساتھ سفر کرتے ہیں میں ان سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اختر نے ایک دو برس بزرگوں کے ساتھ نہیں گزارا، عمر گزاری ہے۔ بالغ ہوتے ہی بزرگوں کا دامن پکڑا یہاں تک کہ میرے بال سفید ہوگئے۔

شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کبھی میزبان کے ساتھ بازار مت جاؤ، اگر اپنا پیسہ ہے تو اسی سے خریدو ورنہ مہمان کا بازار جانا یہ خود سوال ہے۔ اگر جانا ہی ہو تو اتنا پکا ہو کہ کسی طرح میزبان کا پیسہ قبول نہ کرے، صاف کہہ دے کہ ہم اپنے پیسوں سے خریدیں گے۔ دیکھیے! کتنا پیارا اُصول ہے۔

بہ حیثیت مربی کے پھر کہتا ہوں کہ میرے کسی ساتھی کو آپ کوئی ہدیہ نہیں دے سکتے جب تک کہ میں اجازت نہ دوں اور میرا کوئی ساتھی ہدیہ قبول نہ کرے جب تک کہ مجھ سے اجازت نہ لے۔ یہ دین کی عظمت ہے۔ ورنہ پھر کیا ہوگا؟ مولوی شبیر علی صاحب نے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید سے قرضہ لے لیا۔ مولوی شبیر علی حضرت کے سگے بھتیجے، متولی اور مہتمم خانقاہِ تھانہ بھون تھے، انہوں نے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب چھاپنے کے لیے قرضہ لے لیا۔ بعد میں حضرت کو پتا چلا۔ حضرت نے بلایا اور فرمایا کہ آپ نے جو قرضہ لیا مجھ سے پوچھا تھا؟ میری اجازت کے بغیر میرے مریدوں سے آپ نے کیوں مالی فائدہ اُٹھایا لہٰذا سب واپس کرو۔ جب لوگ یہاں آئیں گے تو کہیں گے کہ بھائی! یہاں تو جیب کو کافی خطرہ ہے، دیکھو! ان کا بھتیجا ایسا کرتا ہے۔

دوستو! پیٹ پر پتھر باندھ لو لیکن عزتِ نفس اور عظمتِ دین کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیٹ پر پتھر باندھے، نعمتیں کم کھائیں مگر نعمتوں کا شکریہ زیادہ ادا کیا۔ ہم نعمتیں زیادہ کھا رہے ہیں اور نعمتوں کا شکریہ ہمارا کم ہے۔ اس لیے عرض کرتا ہوں کہ اپنے نفس کو ہمیشہ عزت سے رکھو۔ چاہے سوکھی روٹی کھالو، مگر عزتِ نفس کے ساتھ رہو، کسی سے فرمائش نہ کرو کہ مجھے یہ چیز لا کے دو، وہ چیز لا دو۔ اللہ تعالیٰ نے بہت دیا ہوا ہے۔

ہاں! بعضے تعلقات مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ اس معاملے میں شیخ کی نقل مت کرو۔

بعض لوگ شیخ کی نقل کرتے ہیں۔ اگر شیخ کسی سے فرمایش کر دے تو وہ بھی فرمایشیں شروع کر دیتے ہیں حالاں کہ شیخ کی نیت دوسری ہوتی ہے کہ مرید کا دل خوش ہو جائے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس مرید کے دل میں شیخ کی اتنی زیادہ محبت ہے کہ اس کی فرمایش سے اس کا دل باغ باغ ہو جائے گا اور اس کی شیخ سے محبت اور بڑھ جائے گی جو اس کے لیے دین کے فائدہ کا سبب ہو گی۔ اس لیے شیخ کبھی ایسے طالب سے معمولی سا ہدیہ طلب کر لیتا ہے لیکن ہر شخص شیخ نہ بنے، اخلاص کے ساتھ اپنے کو مٹا کر رکھے۔ غرض ہر بات میں شیخ کی نقل نہ کرے، اس کو کیا معلوم کہ کسی کام میں شیخ کی کیا کیا نیت ہوتی ہے۔ اس پر تمام مشایخ کا اجماع ہے اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر شیخ دکھاوا بھی کر دے تو شیخ کی یہ ریا مرید کے اخلاص سے افضل ہے۔

اس کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میں نے حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک بہت اچھا خواب دیکھا۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سب مریدوں کو بلایا اور فرمایا کہ اختر! خواب بیان کرو تاکہ آپ کے دلوں میں شیخ کی عظمت اور محبت پیدا ہو، اس کے ساتھ نیک گمان پیدا ہو، اس میں ان کے دین کا فائدہ ہے۔ شیخ کا دکھاوا بھی اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کی ریا مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے، کیوں کہ اس کی ریا کا مقصد دین کی ترغیب ہوتی ہے۔

اس لیے بھائی! ان اصولوں پر سختی سے کاربند رہو، میری اجازت کے بغیر کسی سے کچھ نہ لو اور نہ اشارۃً نہ کنایۃً کچھ طلب کرو اور نہ یہاں کے مقامی حضرات بغیر میری اجازت کے کسی کو کچھ دیں۔ ورنہ پھر عام جعلی پیروں میں اور ہم لوگوں میں کیا فرق رہے گا؟ پھر تو ان کی طرح مانگتے کھاتے رہو اور چھپ چھپ کر مال اُڑاتے رہو۔

جیسے ہمارے میر صاحب ہیں۔ اب یہ قریب ہیں اگر خدانخواستہ چپکے چپکے سے تعویذات وغیرہ دے کر پیسے لینا شروع کر دیں اور کہیں کہ میں بہت زیادہ مقرب ہوں، تمہارے لیے حضرت سے خاص دعا کرا دوں گا، لاؤ! مجھے کچھ رین لا دو۔ بعض غیر مخلص اور دنیادار چیلے اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ گرو کو بھی بدنام کر دیتے ہیں اور اللہ کا راستہ بھی بدنام ہو جاتا ہے۔

دوستو! یہ بہت مہذب راستہ ہے۔ جتنا عظیم الشان اللہ ہے اتنا ہی اس کا راستہ عظیم الشان ہے اور راستے کے رہبر عظیم الشان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہماری نالائقیوں کو معاف فرمائے۔ میں اپنی کوتاہی کو بھی کہتا ہوں کہ اے خدا! اپنی رحمت سے اختر کو بھی کوئی کام ایسا نہ کرنے دے جس سے آپ کے دین کی عظمت کو ایک ذرّہ نقصان پہنچ جائے۔ جو آپ نے ہمیں دیا اس پر ہمیں قناعت نصیب فرما، حدیث پاک میں ہے کہ

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ[١٦١]

اے اللہ! جو آپ نے ہم کو دیا ہے اسی پر ہم کو قناعت نصیب فرما۔ بس دستِ مولیٰ سے جو ہم پا جائیں وہی ہماری چیز مبارک ہے۔ بندوں سے اپنی حاجت کو ہرگز مت ظاہر کرو اِلَّا یہ کہ اپنے پاس پیسہ بھی ہو، اپنی جیب سے پیسہ دو اور خرید و، ورنہ صبر کرو۔ جتنا اللہ نے دیا ہے اسی کی حدود میں رہو۔

بس کسی سے ایک فرمایش بھی مت کرو تا کہ یہ محسوس نہ ہو کہ اللہ والے چاہتے ہیں کہ ان کے چیلے چاپلوسی سے فرمایشیں کرتے پھریں۔ ایسا کرنے سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص عطا فرمائے۔ اللہ مل جانا ہی کیا کم ہے؟ پھر فرمایش کی کیا ضرورت ہے؟ جس کو اللہ مل گیا اس کو دونوں جہاں مل گئے۔ میں کہتا ہوں اگر اس سفر میں ہمیں اللہ مل جائے اور دردِ دل مل جائے اور اللہ والی حیات مل جائے تو اس سے بڑھ کر کون سی بادشاہت ہے۔

میرے ساتھیوں کو یہ یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سلطنت دے رہا ہے بلکہ سلطنت و تخت و تاج سے افضل چیز اللہ کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے اور قبول فرمائے۔

---

[١٦١] کنز العمال: ۲/۶۸۲ (۵۰۶۱)، الادعیۃ المطلقۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

۲۷؍ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸؍ نومبر ۱۹۹۷ء، بروز جمعہ
۲؍ بجے دوپہر بمقام خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشنِ اقبال، کراچی

آخرت کی یاد دلانے والا ایک مضمون

ارشاد فرمایا کہ آج کل آخرت کی یاد دلانے کے لیے ایک عنوان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے کہ دنیا سے مت چپکو اور اپنے گھر سے بھی مت چپکو، کیوں کہ اس گھر سے ایک دن آپ کا خروج نہیں ہوگا اِخراج ہوگا۔ خروج تو جب ہو جب اپنی مرضی سے نکلو، جب روح کا خروج ہوگا تو گھر والے ہی تم کو گھر سے نکالیں گے، اس کا نام اِخراج ہے۔ خروج اور ہے اخراج اور ہے۔ خروج کے معنیٰ نکلنا اور اخراج کے معنیٰ نکالنا۔ بیوی بچے ہی کہیں گے کہ بابا کو جلدی قبرستان لے جاؤ۔ لٰہذا دل کسی سے مت لگاؤ۔

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ہر اعضا کی غذا اللہ نے الگ رکھی ہے۔ کان کی غذا اچھی آواز ہے، آنکھ کی غذا اچھے نظارے ہیں، زبان کی غذا ذائقے دار کھانے ہیں، ناک کی غذا خوشبو ہے اور دل کی غذا محبت ہے۔ غذا ناقص ہوگی تو صحت خراب ہو جائے گی، اسی طرح اگر ناقص محبوب سے دل لگاؤ گے تو دل کی صحت خراب ہو جائے گی، دل بے چین رہے گا، اور سارے عالم کے محبوب ناقص ہیں کیوں کہ ان سب کو موت آنی ہے، بیماری آنی ہے اور جب بیماری آتی ہے تو حُسن کا جغرافیہ خراب ہو جاتا ہے تو یہ سب ناقص محبوب ہیں، بس حلال کی بیوی سے گزارا کرلو۔ جائز کاروبار، مکان، ماں باپ، بیوی بچے ان سب سے تو اللہ کے لیے محبت کرو لیکن اللہ کی محبت کو سب پر غالب رکھو۔ دنیا سے دل کو کاٹنے کا حکم نہیں ہے، بس دنیا کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو غالب رکھنے کا حکم ہے جیسے کشتی کے لیے پانی ضروری ہے مگر پانی نیچے رہے اور کشتی پانی کے اوپر رہے، اگر پانی کشتی میں داخل ہو جائے تو کشتی ڈوب جائے گی۔ اسی طرح دنیا تو رکھو، مکان بھی ضروری ہے، کپڑا بھی ضروری ہے، کھانا بھی ضروری ہے مگر ان سب کو دل کے باہر رکھو۔ کاروبار بھی دل کے باہر اور کار بھی دل کے باہر، دل میں بس یار ہو یعنی اللہ دل میں ہو مگر اس کے لیے مشق ہے، زبانی جمع خرچ کافی نہیں ہے۔ اہل اللہ کی

صحبت سے اس محبت کو غالب کرنا سیکھا جاتا ہے۔ اگر صحبت ضروری نہ ہوتی تو قرآن کافی ہو جاتا لیکن جب کتاب اللہ نازل ہوئی اس کے ساتھ رجال اللہ یعنی انبیاء بھی اللہ نے پیدا کیے کہ کتاب تو نازل کر دی لیکن کتاب پر عمل کرنے کی تربیت ہمارے پیغمبر دیں گے، اور جب پیغمبر دنیا سے چلے گئے تو اللہ نے ان کے نائبین یعنی علماء اور اولیاء اللہ بھیجے جیسے صدر چلا جاتا ہے تو نائب صدر دستخط کرتا ہے۔

حسینوں کو دیکھنا بھی بُت پرستی ہے

ارشاد فرمایا کہ ایک بات کہتا ہوں کہ جہاں دیکھنے سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوں ایسی صورتوں کو مت دیکھو چاہے کتنا ہی عمدہ ڈیزائن ہو اس کو فوراً ریزائن دو۔ ڈیزائن کو ریزائن کر دو تو اللہ تعالیٰ کے قرب کے خزائن برسیں گے۔ اور اگر تم نے ان کے ڈیزائن کو دیکھا تو رام نرائن ہو جاؤ گے۔ مطلب یہ کہ ان حسینوں کو دیکھنا بھی بُت پرستی ہے۔ اس کو میں نے قرآنِ پاک سے ثابت کیا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بُت پوجنے سے پتھر کے بُت پوجنا ہی مراد ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اپنی بری خواہش پر عمل کرتا ہے یہ بھی بُت پرست ہے، غیر اللہ پرست ہے، اس نے لا الٰہ کا حق ادا نہیں کیا۔ اب یہ آیت دیکھیے:

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ[۱۶۲]

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ انہوں نے اپنی نفس کی خواہش کو الٰہ بنایا ہوا ہے، اپنا معبود بنایا ہوا ہے، نفس کی وہ خواہش جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو وہ الٰہ ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے نفس کی خواہش کو الٰہ بنایا ہوا ہے ان کو ہمارے حکم کا خیال ہی نہیں اور میرا حکم ان کو یاد بھی نہیں آتا یعنی يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کا حکم جو قرآنِ پاک میں ہے، اس کو بھلا کر حسینوں کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے انتہائی انٹرنیشنل گدھا ہو جسے کچھ پتا ہی نہیں کہ میں کس کا بندہ ہوں، کس کی زمین پر کھڑا ہوں اور کس کے آسمان کے نیچے ہوں۔ اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ کیا یہ آیت میرے مدعا کو ثابت نہیں کر رہی ہے کہ جو لوگ اپنی

---

[۱۶۲] الجاثیة: ۲۳

خواہش کو خدا بنائے ہوئے ہیں یعنی جس طرح خدا کے حکم پر عمل کرنا چاہیے یہ اس طرح اپنی بری خواہشوں کی پیروی کرنے میں پاگل ہو جاتے ہیں، اُس وقت یہ ظالم اللہ کو یاد بھی نہیں کرتے اور یاد بھی کرتے ہیں تو اللہ کی محبت کو مغلوب اور معمولی رکھتے ہیں اور غلبہ اسی بُت کا رہتا ہے کہ اسی کو دیکھتے رہتے ہیں بلکہ قصداً مولیٰ کو بھلا دیتے ہیں۔ بعض لوگ گناہ کرنے کے لیے، قصداً اللہ کو بھلانے کے لیے دماغ سے نکالتے ہیں کہ ابھی اس وقت خدا یاد نہ آئے تا کہ میں اس گناہ سے حرام مزہ لوٹ لوں اور تسبیح بھی جیب میں رکھ لیتے ہیں اور جلد توبہ بھی نہیں کرتے کہ ابھی تو اور ٹیڈیوں کو دیکھنا ہے، دیر سے توبہ کرتے ہیں، دیر سے توبہ کرنے والے کی چالاکی یہی ہے کہ ابھی کچھ اور حرام مزے لوٹ لو ورنہ توبہ کے بعد دوسرا گناہ کیسے کریں گے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو دیر تک ناراض رکھنے پر یہ نالائق صابر ہے، یہ نفس پر صبر نہیں کرتا اپنے مولیٰ پر صبر کر لیتا ہے۔ صاحبِ قونیہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن
صبر چوں داری ز ربّ ذو المنن

تم کو اپنے بیوی بچوں پر صبر نہیں آتا اور احسان کرنے والا مولیٰ جس نے تم کو پیدا کیا اس کی جدائی پر صبر کرتے ہو۔ اور جس کے بیوی بچے نہیں ہیں وہ اپنے دوسرے مرغوبات کو سامنے رکھے، مولانا کا یہ شعر اس کے لیے کیسے مفید ہو گا جس کے پاس فرزند و زن نہیں ہے لہٰذا وہ اپنی ہری مرچ کو اور اپنے برف کے پانی اور دیگر مرغوباتِ طبعیہ کو سامنے رکھے کہ ان مرغوباتِ طبعیہ پر صبر نہیں تو اللہ پر کیسے صبر کرتے ہو۔

نفس کی چار تعریف

کسی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ نفس کی تعریف کیا ہے؟ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ نفس کا تذکرہ ہے اور بزرگ بھی کہتے ہیں کہ نفس کی اتباع مت کرو تو یہ نفس ہے کیا چیز؟ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مرغوباتِ طبعیہ غیر شرعیہ یعنی طبیعت کی وہ رغبت، وہ خواہش جس پر عمل کرنے کی اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہو

اسی کا نام نفس ہے۔ اور شرح مشکوٰۃ میں ملّا علی قاری محدثِ عظیم لکھتے ہیں کہ نفس نہ تو کثیف ہے نہ لطیف ہے، یہ روح اور جسم کے درمیان میں ہے، روح لطیف ہے اور جسم کثیف ہے ان کے درمیان میں نفس رہتا ہے۔ اگر نیک عمل کر لیے، روحانی اعمال کر لیے تو لطیف ہو جاتا ہے، روح جیسا ہو جاتا ہے، اور اگر گناہ کر لیا تو جسم جیسا کثیف ہو جاتا ہے، اللہ کی فرماں برداری سے نفس میں لطافت آجاتی ہے اور روح بھی ولی اللہ ہو جاتی ہے۔

نفس اور شیطان کی دشمنی کا فرق

انسان کے دو دشمن ہیں: ایک نفس، ایک شیطان۔ نفس داخلی دشمن ہے شیطان خارجی دشمن ہے۔ ان دونوں دشمنوں میں فرق کیا ہے؟ نفس وہ دشمن ہے جو اصلاح کے بعد ولی اللہ بھی ہو سکتا ہے لیکن شیطان وہ دشمن ہے جو مردودِ دائمی ہے، یہ کبھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ دونوں دشمنوں کا یہ فرق اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا، میں نے کتابوں میں کہیں نہیں دیکھا حالاں کہ دونوں دشمن نصِ قطعی سے ہیں، دونوں دشمنوں کا ثبوت قرآنِ پاک اور حدیثِ پاک میں ہے لیکن دونوں دشمنوں میں فرق یہ ہے کہ تھوڑی سی محنت کر لو تو نفس ولی اللہ ہو جاتا ہے اور شیطان پر کتنی محنت کرو یہ کبھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا یہ ہمیشہ مردود رہے گا، یہ فرق ہے دونوں دشمنوں میں۔

تو مشکوٰۃ شریف سے ملّا علی قاری کی شرح ہوگئی کہ نفس متوسط ہے، بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجِسْمِ[۱۶۳] ہے یعنی روح لطیف ہے اور جسم کثیف ہے، اگر عمل اچھا ہو تو اس میں لطافت آجاتی ہے یہاں تک کہ اسی نفس کے ساتھ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے یعنی ولی اللہ ہو گئے۔ عبادت یہ نفس ہی تو کرتا ہے، کام تو اسی ظالم سے لینا ہے، یہ تو مزدور ہے، گھوڑا ہے، اسی پر بیٹھ کر اللہ تک پہنچنا ہے، مگر ایسا گھوڑا جو سوار کو گرا دے وہ منزل تک نہیں پہنچنے دیتا لہٰذا نفس کو اتنا مسٹنڈا مت کرو، اتنا مرغ وماہی مت کھلاؤ کہ جس سے نفس تم پر سواری کر لے، سواری پر سوار ہونا چاہیے نہ کہ سواری ہی سوار پر سوار ہو جائے۔ تو جو نفس کی بات مانتا ہے اور اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یہ دلیل ہے کہ نفس کی سواری اس پر سواری کر رہی ہے۔

---

[۱۶۳] مرقاۃ المفاتیح: ۲۴۵/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، المکتبۃ الامدادیۃ

اگر آپ گھوڑے پر جارہے ہیں اور دو ہزار گز گہری کھائی آگئی اور نیچے ہری ہری گھاس ہے، سبزہ اُگا ہوا ہے تو اگر آپ نے نہ روکا تو گھوڑا گھاس کے لالچ میں کھائی میں کود کر جان دے دے گا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اگر آپ روکتے ہیں تو چوں کہ گھوڑا بھوکا ہے اور ہری گھاس کا عاشق ہے، لگام کھینچنے کے باوجود بے تابی سے کھائی میں کودنے کی کوشش کرے گا، سوار کو چاہیے کہ اس وقت پوری طاقت سے لگام کھینچے چاہے گھوڑے کا گال پھٹ جائے، اگر سوار پوری طاقت سے اسے روکنے کی کوشش نہیں کرے گا تو گھوڑا بھی مرے گا اور سوار بھی مرے گا، لہٰذا ہمت سے کام لو اور لگام پوری قوت سے کھینچو، زیادہ سے زیادہ گھوڑے کا گال پھٹ جائے گا، اس کی اصلاح آسان ہے، مویشی کے ڈاکٹر کے یہاں لے جاؤ، وہ مرہم پٹی کر دے گا، انجکشن وغیرہ لگادے گا لیکن اگر تم نے اس کے گالوں کی فکر کی تو تمہارا کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو گا، تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ تو جو لوگ گناہ میں نفس کی لگام ہلکی رکھتے ہیں وہ گناہ کر بیٹھتے ہیں اور اللہ کے قہر اور عذاب کے گڑھے میں نفس بھی گرتا ہے اور خود بھی گرتے ہیں، لہٰذا جسم کی فکر نہ کرو کہ گناہ چھوڑنے سے اس کو غم پہنچے گا بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے نام کی برکت سے اللہ تعالیٰ جسم کو صحت مند کر دیں گے۔ تو یہ مثال کیسی ہے! اب کوئی پاگل ہی ہو گا جو کہے گا کہ گھوڑے کو گھاس کھانے کے لیے کھائی میں کود جانے دو، عقل مند سوار گھوڑے کو پوری طاقت سے روکے گا۔ بس گناہ سے بچنے میں بھی دانت پیس کے پوری طاقت سے ارادہ کرلو کہ گناہ نہیں کرنا ہے۔

نہ دیکھیں گے نہ دیکھیں گے انہیں ہرگز نہ دیکھیں گے
کہ جن کے دیکھنے سے رب مرا ناراض ہوتا ہے
نہیں ناخوش کریں گے رب کو اے دل تیرے کہنے سے
اگر یہ جان جاتی ہے خوشی سے جان دے دیں گے

اور پھر یہ شعر پڑھیں۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نفس کی تیسری تعریف علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں بیان کی ہے:

فَاِنَّ النَّفْسَ کُلَّھَا ظُلْمَۃٌ وَسِرَاجُھَا التَّوْفِیْقُ[۱۶۴]

نفس ابتدا تا انتہا پورا پورا اندھیرا ہے اور نفس کے اندھیروں کے لیے روشنی کا چراغ کیا ہے؟ توفیقِ خداوندی۔ اور توفیق کی تین قسمیں ہیں:

۱- تَسْہِیْلُ طَرِیْقِ الْخَیْرِ وَتَسْدِیْدُ طَرِیْقِ الشَّرِّ

بھلائی اور نیکی کے راستے سامنے آجائیں اور برائیوں کے راستوں کو اللہ بند کردے۔

۲- تَوْجِیْہُ الْاَسْبَابِ نَحْوَ الْمَطْلُوْبِ الْخَیْرِ[۱۶۵]

بھلائی اور نیکی کے اسباب سامنے آجائیں۔

جیسے کوئی مصیبت آگئی اب کسی اللہ کے ولی سے دعا کرانے گیا اور وہاں اس کا دل لگ گیا اور اس کی صحبت سے ولی اللہ ہو گیا تو یہ مصیبت جو کسی اللہ والے تک لے گئی یہ اس کے لیے مصیبت نہیں نعمت ہے جس نے اسے اللہ سے ملا دیا۔

آپ تک لائی جو موجِ رنج و غم
اُس پہ قرباں سینکڑوں ساحل ہوئے
دردِ عشقِ حق بھی تم حاصل کرو
لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے
اخترِ بسمل کی تم باتیں سنو
جی اٹھو گے تم اگر بسمل ہوئے

مولانا رومی فرماتے ہیں۔

بر سر مقطوع اگر صد خندق است
پیشِ دردِ او مزاح مطلق است

---

[۱۶۴] روح المعانی:۱۳/۸۷، یوسف(۹۶)، دار إحیاء التراث، بیروت

[۱۶۵] شرح مقامات للشیخ اعزاز علی:۴۲، مطبوعہ دیوبند

اللہ کے عشق سے جن کی روح بسمل ہوئی وہ مجاہدات سے نہیں ڈرتے، جس مرغ کی گردن کاٹ دی گئی ہو اور اس کے سامنے سینکڑوں خندقیں ہوں تو وہ بھی اس مرغ کے درد کے سامنے کچھ نہیں ہیں۔ جب اللہ کی محبت دل میں آجاتی ہے تو پھر نافرمانی کی جتنی بھی خندقیں ہیں سب اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، وہ ہر وقت اللہ کو راضی کرتا ہے۔ جب تک اللہ کو راضی کرنے کا جذبہ عطا نہ ہو تو ایسا شخص مٹی کا ڈھیلا ہے، کیوں کہ یہ ڈِھیلا ہے۔ واہ! یہ حکیم الامت کا جملہ ہے کہ جو ڈِھیلا ہے تو سمجھ لو کہ یہ مٹی کا ڈھیلا ہے۔

اور توفیق کی تیسری تعریف ہے:

۳-خَلْقُ الْقُدْرَةِ عَلَى الطَّاعَةِ[۱۶۶]

اللہ عبادت کی طاقت پیدا کر دے اور سُستی اور کاہلی دور کر دے یعنی فرماں برداری کی طاقت دے۔ پست ہمتی، ضعف ہمتی اور لومڑیت ختم ہو جائے۔

اللہ کے راستے میں شیرانہ چال چلو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تک تم لومڑی رہو گے تم کو استقامت نصیب نہیں ہو گی، لومڑی بے وفا ہوتی ہے، وقت پر راہِ فرار اختیار کرتی ہے، جب مصیبت آتی ہے یا جب شکاری شکار کے لیے کہتا ہے تو وہ بھگنے لگتی ہے لہٰذا **وَلَا يَرُوْغُ رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ**[۱۶۷] لومڑیوں کی طرح اللہ کے راستے میں مت چلو، شیرانہ چال چلو، مالک کی مرضی پر جان دینا سیکھو۔ یہ کیا کہ ذرا سا نمک سامنے آیا اور پاگل ہو گئے، تم کیوں پاگل ہوتے ہو؟ تمہیں اس وقت خدا یاد نہیں رہتا؟ ابھی کوئی غنڈہ تمہیں دس جوتے مار دے اس وقت تمہیں کیوں ہوش آجاتا ہے؟ ایک جوتا کس کے پڑے تو وہاں سے بِلبلا کر بھاگو گے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجھ میں نظر بچانے کی ہمت نہیں ہے، صاحب میں حسینوں کو دیکھ کر پاگل ہو جاتا ہوں لیکن سوچ لو کہ ایک بس اسٹاپ پر کوئی شخص کسی لڑکے

---

[۱۶۶] شرح مقامات للشیخ اعزاز علی: ۴۲، مطبوعہ دیوبند

[۱۶۷] روح المعانی: ۱۲۰/۲۴، حٰمٓ السجدۃ (۳۰)، دار احیاء التراث، بیروت

یا لڑکی کو دیکھ رہا ہے اچانک وہاں کالا سانپ نکل آیا، اب کیوں دُم دبا کے بھاگتے ہو؟ تو معلوم ہوا کہ سانپ کا خوف ہے کیوں کہ جان کی محبت ہے۔ جب اللہ کی محبت ہو گی تو ان شاء اللہ گناہ سے اسی طرح بھاگو گے اور روؤ گے کہ اے خدا! ہمیں لومڑیانہ مزاج سے نجات عطا فرما، ہم ایک لمحہ بھی آپ کو ناراض کرنے سے پناہ چاہتے ہیں، پھر ان شاء اللہ زندگی میں زندگی آجائے گی، جو زندگی خالقِ زندگی پر فدا ہوتی ہے اس کی زندگی پر بے شمار زندگی برستی ہے اور جو خالقِ حیات کو ناراض کر کے حرام لذتِ حیات کو درآمد کرتا ہے اس کی حیات پر بے شمار موت برستی ہے۔ کسی کے جسم کے لباس کو مت دیکھو، اس کے منہ میں کباب کو مت دیکھو۔ جو گناہوں میں مبتلا ہے اس کے منہ میں کباب ہے لیکن دل پر عذاب ہے، اس نے چین کا خواب بھی نہیں دیکھا۔ اس وقت پوری دنیا بے چین ہے، جو حسینوں کو دیکھتا ہے اسی وقت اس کے قلب پر عذاب آتا ہے، جیسے ہی وہ گناہ کی طرف ایک اعشاریہ (زیرو پوائنٹ) آگے بڑھا تو گناہ کا نقطۂ آغاز اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔

پُر لطف حیات پانے اور مُعذب حیات سے بچنے کا نسخہ

دیکھیے! فرماں برداروں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً[۱۶۸]

جو ہم کو ایمان و اعمال صالحہ سے خوش رکھتے ہیں ہم ضرور بالضرور ان کو بالطف زندگی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی طرف نسبت کی اور واحد نہیں فرمایا کہ ”میں دوں گا“ بلکہ فرمایا کہ ”ہم دیں گے“ کیوں کہ قرآنِ پاک شاہانہ کلام ہے، بادشاہ کبھی ”میں“ نہیں کہے گا، وہ کہے گا کہ ہم یہ کریں گے، ہمارا حکم یہ ہے، ہم نے یہ نازل کیا، ہم نے یہ حکم نافذ کیا۔ اگر اس نے ”میں“ کہا تو سمجھ لو کہ یہ بادشاہ نہیں ہے، اسے اچانک کہیں سے بادشاہت مل گئی ہے، خاندانی بادشاہت نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جو مٹی کے انسانوں کو سلطانیت بخشتا ہے اس کا مزاج سلطانیت کیسا ہو گا، لہٰذا فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ جمع نازل فرمایا کہ ہم ضرور بالضرور حَيٰوةً طَيِّبَةً دیں گے۔ اور جو میری نافرمانی کر کے حرام لذت چرائے گا، نمک چور،

---

[۱۶۸] النحل: ۹۷

کام چور نوالہ حاضر، دستر خوان پر فوراً بیٹھے گا اور نماز میں سستی کرتا ہے اس کے لیے فرمایا:

فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا[۱۶۹]

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہم ضرور بالضرور ان کی زندگی تلخ کر دیں گے بلکہ فرمایا کہ ان کی زندگی تلخ کر دی جائے گی۔ یہ شاہانہ کلام ہے۔ اس میں عظمتِ الٰہی ہے کہ جو سارے عالم کو شکر دیتا ہے وہ کڑوی بات کی نسبت اپنی طرف نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اختر کو یہ علمِ عظیم عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں زندگی کو کڑوی کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں کی، یہ عظمتِ کلامِ شاہی ہے۔ جیسے ابّا اگر عظیم الشان ہے تو بچوں سے یہ نہیں کہے گا میں ڈنڈے ماروں گا بلکہ یہ کہے گا کہ اگر تم نے نافرمانی کی تو تمہاری پٹائی کی جائے گی، تمہیں ڈنڈے مارے جائیں گے۔

نفس کی تین تعریفیں یاد کر لو۔ پہلی تعریف حکیم الامت کی ہے یعنی مرغوباتِ طبعیہ غیر شرعیہ یعنی نفس کی وہ خواہشات جن پر عمل کرنے کی اللہ نے اجازت نہ دی ہو۔ دوسری ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اَلنَّفْسُ مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجِسْمِ نفس جسم اور روح کے درمیان میں ہے۔ نہ کثیف ہے نہ لطیف ہے۔ انسان نیک عمل کرتا ہے تو نفس لطیف ہو جاتا ہے اور گناہ کرتا ہے تو کثیف ہو جاتا ہے۔ نیک عمل سے روحانیت بڑھے گی، گناہ کرنے سے کثافت بڑھے گی۔ اور تیسری تعریف علامہ آلوسی کی کہ نفس از ابتدا تا انتہا اندھیرا ہے اس کا چراغ توفیقِ خداوندی ہے۔

تو نفس کی تین قسمیں ابھی پیش کر دیں۔ اب اختر کی تعریف سنیے: میں نے بھی نفس کی تعریف کی ہے مگر میری تعریف ذرا انگلش کی ہے کیوں کہ یہ میں نے لندن اور امریکا میں پیش کی تھی جب لوگوں نے پوچھا تھا کہ نفس کیا ہے؟ نفس کا مزاج کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ نفس کا مزاج ہے انٹرنیشنل پنچنگ ماسٹر یعنی گناہ کرنے سے جس کا پیٹ کبھی نہ بھرے، جو دوزخ کا مزاج ہے وہی نفس کا مزاج ہے۔

---

[۱۶۹] طٰہٰ: ۱۲۴

نفس کا مزاج دوزخ کا سا ہے

دوزخ میں سارے دوزخی ڈال کے اللہ پوچھے گا کہ تیرا پیٹ بھر گیا؟ هَلِ امْتَلَئْتِ وہ کہے گی هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ اے اللہ! کیا اور بھی کچھ مال ہے؟ اللہ تعالیٰ بے گناہوں کو دوزخ میں تھوڑی ڈالیں گے لہٰذا دوزخ پر اپنا قدم رکھیں گے یعنی اپنی ایک خاص تجلی نازل کریں گے تب دوزخ کہے گی قَطْ قَطْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَطْ قَطْ قَطْ[۱۷۰] یعنی بس بس اے خدا! میرا پیٹ بھر گیا۔ ایک روایت میں دو دفعہ ہے اور ایک روایت میں تین دفعہ ہے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خدا تو جسم سے پاک ہے وہ دوزخ پر اپنا قدم کیسے رکھیں گے؟ لیکن حدیثِ پاک میں ہے فَلَمَّا يَضَعُ قَدَمَهٗ جب اللہ اپنا قدم رکھے گا تب دوزخ کا پیٹ بھرے گا تو علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ یہاں قدم سے مراد خاص تجلّی ہے[۱۷۱] ایسے ہی جب انسان اللہ والوں کے پاس رہتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے تو اس کے نفس پر اللہ تعالیٰ کی تجلی بِبَرَكَةِ ذِكْرِ اللهِ نازل ہوتی ہے پھر اس کے نفس کا پیٹ بھر جاتا ہے، پھر گناہ کے تقاضے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اس پر اختر کا شعر ہے ؎

وہ مالک ہے جہاں چاہے تجلی اپنی دکھلائے
نہیں مخصوص ہے اس کی تجلی طورِ سینا سے

حکیم الامّت نے فرمایا کہ ساری دنیا کی حسینوں سے کوئی بد نظری کرلے پھر اس کے کان میں کوئی کہے کہ ابھی ایک حسین باقی ہے تو وہ کہے گا کہ وہ بھی دکھا دو۔ تو نفس کا مزاج یہ ہے۔ نفس کی خواہش قبر کی مٹی ہی ختم کرے گی۔ جب مٹی میں دفن کیا جائے گا تو مٹی ہی اس کا پیٹ بھرے گی، لیکن اللہ والوں کا مزاج دنیا ہی میں اللہ کی تجلیات اور اللہ کے انوار و برکات سے بدل جاتا ہے ؎

اُف کتنا ہے تاریک گناہ گار کا عالم
انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم

---

[۱۷۰] صحیح البخاری: ۹۸۵/۲ (٦٧٠١)، باب الحلف بعزة اللہ وصفاته وكلامه، المكتبة المظهرية

[۱۷۱] ارشاد الساری للقسطلانی: ۳۵۳/۷، باب قوله تقول هل من مزيد، المطبعة الكبرىٰ الاميرية

اِنسان کا مقصدِ حیات کیا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ دیکھو! ایک ریل جارہی ہے، اس ریل میں ہتھکڑی لگے ہوئے مجرمین بھی ہیں اور اسی ریل کے فرسٹ کلاس میں وزیر اعظم بھی جارہا ہے تو دنیا بھی ایک مسافر خانہ ہے، اسی دنیا میں پیغمبران اور اولیاء بھی رہتے ہیں اور اسی دنیا میں ایک سے ایک خبیث الطبع بدمعاش بھی ہے۔ یہ دنیا بھی ریل ہے جو خاموشی سے چل رہی ہے، سورج، چاند، سیارات سب چل رہے ہیں مگر کسی کو احساس نہیں ہے۔

جنہوں نے امپورٹ ایکسپورٹ آفس کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھا ہے کہ کھائے جا، گو بنائے جا، یہ لوگ نہیں جانتے کہ ہم کس لیے پیدا ہوئے۔ رات کو امپورٹ کیا، صبح لیٹرین میں ایکسپورٹ کیا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کے سب امپورٹ ایکسپورٹ آفیسر ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تم کو امپورٹ ایکسپورٹ آفیسر نہیں بنایا میں نے تم کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ جو کھاتے پیتے ہو یہ وسیلۂ حیات ہے لیکن مقصدِ حیات میری عبادت ہے، تم نے وسائل کو مقاصد سمجھ لیا، کپڑا مقصدِ حیات نہیں ہے وسیلۂ حیات ہے، مکان بنانا وسیلۂ حیات ہے، روٹی کا انتظام کرنا وسیلۂ حیات ہے اور مقصدِ حیات اللہ کی فرماں برداری پر جان دینا ہے۔ اور فرماں برداری دو قسم کی ہے: ایک تو اللہ پاک جس سے خوش ہوں اس کام کو کرو اور جس سے ناخوش ہوں اس کام سے بچو۔ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتے ہیں ان سے نہ بچنا جرمِ محبت ہے، غداری ہے، وفاداری نہیں ہے۔ کیا وفاداری کے یہ معنیٰ ہیں کہ اپنے محبوب کو صرف خوش کرو اور اس کی ناخوشی سے نہ بچو؟ ایک ہی تار سے روشنی چاہتے ہو، اگر منفی اور مثبت دونوں تار نہ ہوں تو بجلی کا بلب نہیں جلتا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان کی روشنی کے لیے دو تار دیے ہیں، نماز، روزہ اور دیگر عبادات یہ مثبت تار ہے اور گناہ سے بچنا، حسین لڑکوں اور لڑکیوں سے بچنا، غیبت سے بچنا، یہ منفی یعنی مائنس تار ہے، دونوں تاروں پر عمل کرو پھر بھول جاؤ گے ان سب مرنے والے حسینوں کی لاشوں کو۔

عشقِ مجازی سے بچنے کا ایک عجیب و غریب مراقبہ

جمعہ کو میں نے بیان کیا تھا کہ جن لوگوں کو حسینوں سے عشق بازی لڑاتے ہوئے ایک زمانہ ہوگیا مگر ابھی تک سچی توبہ نہیں کی، کبھی کبھی چوری چھپے کچھ حرام لذّت کی امپورٹنگ کی عادت پڑی ہوئی ہے تو میں نے کہا کہ دیکھ لو حسینوں کا انجام۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک جغرافیہ، ایک فیچر عطا فرمایا کہ پورے عالم سے زیادہ نہیں صرف سو حسین منتخب کیے جائیں، پچاس حسین لڑکیاں پچاس حسین لڑکے۔ شیطان تو ان کے گُو موت کا سارا سسٹم چُھپا دیتا ہے اس لیے لوگ ان کے حُسن پر پاگل ہو رہے ہیں، ان پر پاگل ہونے والے بھی گُوخور ہیں۔ جو حسینوں کے پیشاب پاخانے کے مقامات سے مستفید ہونا چاہتا ہے آپ خود سوچیے کہ اس شخص کا کیا مقام ہے اور یہ شخص کس قدر نمک حرام ہے۔ بتاؤ اگر اسے دس دن کھانا نہ ملے تو دیکھنے کی طاقت رہے گی؟ تو جس کا نمک کھاتے ہو اس کی مرضی کے خلاف کیوں چلتے ہو؟

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دمشق میں حُسن پرستی عام ہوگئی تھی، ہر آدمی ایک ایک معشوق لیے چمّا چاٹی کر رہا تھا، اللہ کا غضب نازل ہوا، بارش روک دی، غلّہ ختم ہوگیا، جب پندرہ دن کھانا نہیں ملا تو لوگوں نے ان عاشقوں سے پوچھا کہ میں اس وقت آپ کے لیے روٹی لاؤں یا آپ کا معشوق لاؤں؟ تو سب نے کہا کہ معشوقوں کے گالوں پر جھاڑو پھیرو، روٹی لاؤ، مجھے تو اتنی بھوک لگی ہوئی ہے کہ اب آنکھ سے نظر بھی نہیں آرہا۔ اس پر سعدی شیرازی نے فرمایا۔

چناں قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

دمشق میں ایسی قحط سالی ہوئی کہ یاروں نے عشق بازی بھلا دی۔ یاد رکھو! جوتوں کا انتظار مت کرو، جلد توبہ کرو، واللہ! اللہ کا عذاب جب آئے گا تو اس کے مقابلے میں جوتے کچھ نہیں، ایسا عذاب آتا ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ بڑے بڑے صحت مندوں کو میں نے دیکھا کہ سوکھ کے کانٹا ہوگئے، چارپائی سے لگ گئے۔

اُذْكُرُوا اللهَ فِي الرَّخَاءِ يَذْكُرْكُمْ فِي الشِّدَّةِ[۱۷۲]

تم عافیت میں اللہ کو یاد کرو، دکھ میں اللہ تعالیٰ تم کو یاد کریں گے، ابھی غنیمت ہے سُکھ میں اللہ کو یاد کرلو قبل اس کے کہ تمہاری آنکھیں نابینا ہوجائیں، قبل اس کے کہ تمہارے معدے میں کینسر پیدا ہوجائے، قبل اس کے کہ تمہارے گردوں میں پتھریاں ہوجائیں، قبل اس کے کہ تمہارے پیشاب روک دیے جائیں، تم پر فالج گر جائے، تمہارے منہ پر لقوہ گر جائے اور تمہاری آنکھوں میں موتیا اُتر جائے، موتیا ایک کالا پانی ہوتا ہے پھر نظر بھی نہیں آتا، اُس وقت نہ دیکھنے کا کوئی ثواب ملے گا؟

تو میں فیچر پیش کررہا تھا کہ دنیا کے پچاس حسین لڑکے لو جن کی داڑھی مونچھ نہ ہو اور پچاس لڑکیاں لو جو دنیا میں حُسن میں اوّل نمبر آئی ہوں اور ایک ہزار مربع گز کے پلاٹ میں ان کو مقفل کردیا جائے تو جن حسین لڑکیوں پر، جن حسین لڑکوں پر تم ایمان ضایع کرتے ہو، زندگی ضایع کرتے ہو، اپنی مٹی کو مٹی کے کھلونوں پر مٹی کرتے ہو یہ تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے، ابھی تمہارے گردے میں کینسر ہوجائے یا بلڈ کینسر ہوجائے یا پھیپھڑوں میں کینسر ہوجائے اور ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوجاؤ تو بتاؤ کوئی حسین یا حسینہ کام آئے گی؟ ہے کسی لیلیٰ کے اختیار میں ہماری شفاء اور صحت اور رزق کی برکت اور سلامتی؟ جیسے فقیر مانگتا ہے کہ اللہ کے نام پر روٹی دو اور ایک بے وقوف اسی فقیر سے کہتا ہے کہ مجھے دو روٹی دو تو فقیروں سے کیا مانگتے ہو؟ حسینوں کا حُسن تو اللہ تعالیٰ کی بھیک ہے، جس نے ان کو حُسن دیا ہے اس سے تعلق قائم کرو، بھیک منگوں سے کچھ مت مانگو، بھیک منگوں سے بھیک مانگنے والا ایسا ہے جیسے ایک اندھا دوسرے اندھے کی لاٹھی پکڑ لے کہ بھئی سہارا دو۔ تو دونوں گریں گے یا نہیں؟

اسی لیے میں اس فانی حُسن کی حقیقت کا ایک فیچر پیش کررہا ہوں کہ فرض کرلو ایک ہزار مربع گز کا احاطہ ہو اور پچاس حسین لڑکیاں جو دنیا میں حُسن میں اوّل آئی ہیں اور پچاس حسین لڑکے جن کے داڑھی مونچھ نہیں ہے اور بلا کے حسین ہیں، ان

---

[۱۷۲] مصنف ابن ابی شیبة: ۳۷۵/۱۳، باب کلام الضحاك بن قیس، مؤسسة علوم القرآن

حسینوں کے لیے چھوٹے چھوٹے سو خیمے لگا دیے گئے اور ان کے عاشقین نے ان کے لیے اعلیٰ درجے کی بریانی کباب کا انتظام کر دیا، اب ہر وقت دیگیں چڑھی ہوئی ہیں اور یہ حسین ایک ہزار مربع گز احاطے میں مقید ہیں اور تالا بند ہے تاکہ باہر نہ نکل سکیں اور دیوار بھی ایسی اونچی ہے کہ اس سے کود کر باہر نہ نکل سکیں۔ اب کھانے کا انتظام تو اعلیٰ سے اعلیٰ ہے مگر بیت الخلا نہیں ہے۔ تمام حسین خوب بریانی کباب کھا کر اس بڑے رہائشی احاطے کے گوشوں اور کناروں میں جا جا کے رات کو اندھیرے میں پاخانہ کریں گے، لازمی ہے کہ جب کھائیں گے تو ہگیں گے بھی، جب امپورٹ ہو گا تو ایکسپورٹ بھی ضروری ہے، در آمد ہو گی تو بر آمد بھی ضروری ہے۔ اب رات کو جب بریانی کھائیں گے تو جب صبح تقاضا ہو گا تو بیچارے ہگنے کی جگہ تلاش کریں گے، ادھر ادھر دیکھیں گے تو معلوم ہو گا یہاں عاشقوں نے بیت الخلا تو بنایا ہی نہیں، اب جگہ جگہ ہگ رہے ہیں۔ جب وہاں روزانہ سو آدمیوں کا گو جمع ہو گا تو جب عاشق لوگ وہاں جائیں گے تو معلوم ہو گا کہ بدبو خانہ ہے، ہر جگہ ایک ایک فٹ پر پاخانے کا ایک ڈھیر لگا ہوا ہے اور دو چار مہینے کے بعد ایک دن ایسا آئے گا کہ ہگنے کے لیے کوئی زمین ہی نہیں رہے گی، گو پر گو اور پاخانے پر پاخانہ کریں گے، کوئی زمین خالی نہیں ملے گی، پھر عاشق لوگ وہاں سانس لے سکتے ہیں؟ ایسی بدبو آئے گی اور پھر حسینوں کا انجام معلوم ہو گا کہ پیٹ میں یہ سب بھرا ہوا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ ان مرنے والوں پر اپنی آخرت مت خراب کرو۔ خواجہ صاحب کو اللہ جزائے خیر دے، فرماتے ہیں ؎

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پر مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

اچھا یہ تو موجودہ فیچر ہے کہ ایک ہزار مربع گز میں سب حسینوں کا گو نظر آیا، ناک بند کرو گے تب بھی بدبو گھس جائے گی، لیکن اس کے بعد ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ سب کا جغرافیہ بدلا ہوا ہو گا۔ ہر پانچ سال کے بعد حُسن کے جغرافیہ میں تبدیلی آتی ہے۔ پانچ سال کے بعد حکومت بدلتی ہے یا نہیں؟ پانچ سال کے بعد حسینوں کے حُسن کی حکومت بھی بدلتی ہے، کچھ نہ کچھ فرق آجائے گا، اور پندرہ سال کے بعد بیس سال کے لڑکے لڑکیاں چالیس سال کے ہو جائیں گے، اب وہی لڑکا سات بچوں کا دادا اور نانا

بن جائے گا اور لڑکی بھی سات بچوں کی نانی بن جائے گی اور جن پر جان و مال قربان کرتے تھے ان کو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہے گا۔

ایک مرتبہ لندن کی سڑک پر چلتی موٹر میں میر صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

کمر جھک کے مثل کمانی ہوئی
کوئی نانا ہوا کوئی نانی ہوئی

تو ایک صاحب زور سے چیخ مار کر روئے۔ میں نے پوچھا کہ بھئی آپ چیخ مار کر کیوں روئے؟ انہوں نے کہا کہ میں بچپن میں بہت حسین تھا اور اب گیارہ بچوں کا نانا ہوں تو میں اپنے جغرافیے پر رو رہا ہوں کہ اب کوئی سلام کرنے بھی نہیں آتا۔

عشق مجازی کا انجام ذلت و رسوائی ہے

مسلمان کو اسلام پھیلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، خالی مسلمانی کرانے سے تھوڑی مسلمان ہوتا ہے کہ بس سنّت ادا ہو گئی۔ بھئی مسلمانی کی حفاظت بھی کرو تاکہ تمہارا اسلام محفوظ رہے۔ بتاؤ! اسلام میں سلامتی ہے یا نہیں؟ تو اپنے کو ہر برائی سے سلامت رکھو اور اللہ کی مخلوق کی آبرو بھی مت ضایع کرو۔ جو لوگ کسی حسین کو یوز (Use) کرتے ہیں تو اس کو ذلیل کرتے ہیں یا نہیں؟

اب ایک فیچر اور سن لو! ایک عاشق نے ایک معشوق کے حُسن سے متأثر ہو کر اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور عاشق صاحب رو بھی رہے ہیں، آخر میں وہ بے وقوف حسین پھنس گیا اور عاشق صاحب نے اس کے ساتھ بد فعلی کر لی، اس کے بعد اس معشوق نے کہا کہ آپ نے تو میرے قدموں میں سر رکھا تھا، کیا حسینوں کا یہی اکرام ہے کہ ان کے ساتھ بد فعلی کی جائے، آج آپ نے مجھ کو کیا بنا دیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ حُسن و عشق کی دنیا والے نہایت احمق اور پاگل ہیں۔

دنیاوی معشوقوں کی بے وفائی کا حال

ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا تو ریل میں بیٹھا تھا اور بی اے، ایم اے کے دوسرے اسٹوڈنٹ بھی تھے،

توسب نے ایک دوسرے سے کہا آج سب اپنے اپنے معشوق کی وفاداری پیش کریں۔ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے خود سنا کہ ہر ایک نے اپنے اپنے معشوقوں کی بے وفائیاں پیش کیں کہ یہ بڑے طوطا چشم ہوتے ہیں، کوئی زیادہ پیسہ دیتا ہے تو پہلے عاشق کو چھوڑ کر ان کی گود میں پہنچ جاتے ہیں یہاں تک کہ معشوقوں نے دوسرے عاشق سے پھنسنے کے لیے پہلے عاشق کو زہر تک کھلوادیا۔ اس لیے مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

مار ڈالا تماش بینوں نے
زہر کِھلوادیا حسینوں نے

یہ شعر اتنے بڑے اللہ والے سے میں نے بارہا سنا کہ جب دوسرے عاشق نے زیادہ رقم دِکھائی اور کہا کہ پہلے عاشق سے کیسے نجات پاؤ گے؟ تو معشوق نے کہا کہ میں زہر دلوادیتا ہوں، ہوٹل کے بیرے سے کہوں گا کہ لے دس ہزار روپیہ اس کی چائے کی پیالی میں سنکھیا ملادے۔

تو ڈاکٹر عبد الحی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ جب میری باری آئی تو انہوں نے مجھ سے بھی پوچھا۔ اُس وقت ڈاکٹر صاحب کا لقب عارف باللہ تھوڑی تھا، اس وقت کالج کی زندگی تھی، ڈاکٹر بھی نہیں تھے، تو لڑکوں نے ڈاکٹر صاحب کا نام لے کر کہا کہ آپ کا معشوق باوفا ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ سب لوگوں نے کہا کہ سب کے معشوق بے وفا ہیں، ان کا کوئی بھروسہ نہیں، آج ہماری گود میں، کل دوسرے کی گود میں اور کبھی زہرِ کھلوا کے ہمیں مار ڈالیں گے اور دوسروں کی گود میں چلے جائیں گے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میرا معشوق تو بہت باوفا ہے۔ اب سب کو حیرت ہوئی۔ سب نے کہا کہ صاحب بتایئے! آپ کا معشوق کیسے باوفا ہے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میرا معشوق تجارت ہے، میں تجارت کروں گا اور جب پیسہ میرے ہاتھ میں ہوگا تو جس لڑکی سے چاہوں گا شادی کرلوں گا۔ جب خوب مال ہوگا، پیسہ ہوگا تو لڑکیوں کے ماں باپ مجھ کو سلیکٹ کرنے کے لیے میری خوشامد کریں گے، میرے سامنے ہاتھ جوڑیں گے کہ آپ میری لڑکی سے شادی کرلیجیے لہٰذا میرا معشوق تجارت ہے اور تجارت بہت وفادار چیز ہے۔

حُسن و عشق کی دنیا کی بے چینیاں

اگر کسی کے پاس پیسہ نہیں ہے صرف عشق ہے، کسی حسین پر عاشق ہے اور اس نے اس کے والدین سے کہا کہ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیجیے کیوں کہ میں آپ کی بیٹی کا عاشق ہوں تو وہ کہیں گے کہ آپ کے پاس مکان ہے؟ آپ کہیں گے کہ مکان تو نہیں ہے، وہ کہیں گے روٹی کپڑے کا انتظام ہے؟ آپ کہیں گے کہ روٹی کپڑا ابھی نہیں ہے، تو وہ کہیں گے کہ روٹی، کپڑا اور مکان یہ تین چیزیں تو بہت ضروری ہیں۔ تب آپ کہیں گے کہ میرے پاس یہ تینوں چیزیں نہیں ہے مگر میرے پاس ایک بہت قیمتی چیز ہے، میرے پاس آہ وفغاں ہے، اختر شماری ہے، میں رات بھر جاگتا ہوں، تارے گنتا ہوں، تمہاری بیٹی کے لیے اختر شماری، بے قراری، آہ وزاری، اشکباری کرتا ہوں، کیا تمہارے یہاں ان سب چیزوں کی کوئی قدر نہیں ہے؟ کیا میرے آنسوؤں کی تمہارے پاس کوئی قیمت نہیں ہے؟ میں جو رات بھر آہ کرتا ہوں، اس کی کوئی قیمت نہیں ہے؟ تو باپ کہے گا کہ ان چیزوں سے میری بیٹی کا پیٹ نہیں بھرے گا، آپ بے شک روتے رہو، اختر شماری، بے قراری، آہ وزاری کرتے رہو، آپ کی اشکباری سے کھانا تو نہیں ملے گا، کپڑا تو نہیں ملے گا۔ یہ حُسن و عشق کی دنیا دیکھیے! یہاں سب کچھ ہے، بے چینیاں، تڑپنا مگر کچھ کام نہیں آتا۔ اللہ حلال روزی دے تو جہاں بھی پیغام دو گے تو وہ اللہ کا شکر ادا کریں گے، باقی کسی کو کچھ نہیں ملتا۔

لہٰذا تم لیلاؤں کے چکر میں نہ رہو، تمہارے لیے مولیٰ کافی ہے۔ کیا آپ لوگوں نے قرآنِ پاک میں نہیں پڑھا:

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ[۱۷۳]

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟ بس اس آیت کا مراقبہ کرو اور اپنے مولیٰ ہی سے دل لگاؤ۔ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ وہ ہم کو خوش رکھنے پر بھی قادر ہے۔

---

[۱۷۳] الزمر: ۳۶

۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق ۹؍ جولائی ۲۰۰۰ء، بروز اتوار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں۔ ان کی شادی حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ وہ ایک باندی تھیں ان کے آقا نے انہیں آزاد کر دیا تو حضرت بریرہ نے کہا کہ اب میں آزاد ہو چکی ہوں، میں حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو چھوڑتی ہوں کیوں کہ مجھ کو ان سے مناسبت نہیں ہے اور آزادی کے بعد خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق دیتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیں، لہٰذا میں اپنا حق استعمال کرتی ہوں۔ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے اتنے آنسو بہے کہ داڑھی بھیگ گئی اور مدینہ شریف کی گلیوں میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی یاد میں رویا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے ارشاد فرمایا کہ مغیث تمہاری وجہ سے بہت غمگین ہے تم اس کو نہ چھوڑو، اس پر رحم کرو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے؟ فرمایا کہ یہ مشورہ ہے، میرا حکم نہیں ہے۔ مشورہ اُمّت کے لیے واجب العمل نہیں ہے۔ اللہ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم چاہو تو اپنے شوہر کو باقی رکھو یا چھوڑ دو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کے باوجود حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کو فسخ کیا، آزادی لی اور جان چھڑا لی۔ بظاہر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن درحقیقت خلاف ورزی نہیں کی کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمادیا کہ یہ مشورہ ہے جو واجب العمل نہیں۔ لہٰذا اس حدیث کو سامنے رکھنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ تھا کہ حضرت مغیث پر رحم کرو جو مدینہ کی گلیوں میں روتے پھر رہے ہیں، لیکن انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر آپ کا حکم ہو تو جان دے دوں گی اور آپ کا حکم بجالاؤں گی، لیکن یہ مشورہ ہے جس پر عمل کرنا واجب نہیں۔ اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ مشورہ واجب العمل نہیں ہوتا۔

مشورہ کرنے کی سنّت پر عمل کر کے اپنی صوابدید پر عمل کرنا

یہ بڑے بوڑھوں کے کان کھڑے کرنے والے مضامین ہیں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مشورہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کو مشورہ دیا لیکن ان میں مشورہ پر عمل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، مشورہ پر عمل نہیں کرتے، لہٰذا میں ان کی صحبت میں نہیں جاتا۔ حالاں کہ مشورہ پر عمل واجب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ[۱۷۴]

اے نبی! آپ صحابہ سے مشورہ کرلیں مگر جب عزم کرلیا تو اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ یعنی توکلاً علی اللہ اپنے عزم پر عمل کریں خواہ مشورہ کے خلاف ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ مانگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اس وقت جہاد کا موقع نہیں ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوچکا ہے اور نبی کے انتقال سے ہمارے دل پاش پاش ہیں، اس وقت ہم جہاد کے اہل نہیں ہیں۔ اگر آپ کو مدینہ شریف کی عورتوں کو بیوہ کرکے اُن کو خطرے میں ڈالنا ہو تو آپ جہاد کریں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں امیر المؤمنین ہوں، میں تنہا اللہ کے راستے میں جنگ لڑنے کا مکلف ہوں۔ امیر المؤمنین پر فرض ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں مشورہ کرنے کی سنّت پر عمل تو کرے لیکن فَاِذَا عَزَمۡتَ الخ جب عزم کرلے تو اللہ کے بھروسے پر اپنی صوابدید پر عمل کرے اور کسی کے مشورہ کی پروانہ کرے، لہٰذا میں اکیلے جہاد کروں گا اور جان دے دوں گا۔ صدیق کی جان اور نبی کی جان ایک ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عزمِ مصمم کے بعد تمام صحابہ کو شرح صدر ہوگیا اور سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر جہاد لڑیں گے۔

---

[۱۷۴] اٰل عمرٰن:۱۵۹

شہادت کے درجے سے صدیقیت کا درجہ افضل ہے

جنگِ اُحد میں جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سے خون بہتا ہوا دیکھا تو بے چین ہوگئے اور کافروں کی طرف جھپٹے اور اپنی جان دینا چاہتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جان نہیں دینے دی اور فرمایا اے صدیق! شِمْ سَيْفَكَ لَا تَفْجَعْنَا بِنَفْسِكَ[۱۷۵] اپنی تلوار کو میان میں رکھ لے اور اپنی جان کو ہلاک کر کے مجھ کو اپنی جدائی کا غم نہ دے۔ یہ صدیق کی شان ہے کہ نبی صدیق کی زندگی کا مشتاق ہوتا ہے کیوں کہ صدیق کارِ نبوت کو انجام دیتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کو حق حاصل ہے کہ وہ جس کو چاہے جہاد کرنے کا حکم دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ صدیق آئینۂ نبوت ہوتا ہے۔ اور صدیق کے معنیٰ ہیں کہ جو نبی کے کام کو انجام دے۔ لہٰذا شہادت کے درجے سے صدیقیت کا درجہ افضل ہے جیسا کہ آیت پاک کی ترتیب بتارہی ہے:

مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ[۱۷۶]

صدیقیت کے بعد شہداء کا درجہ ہے۔ صدیق کی زندگی شہید کی زندگی سے افضل ہے کیوں کہ صدیق زندہ رہ کر نبوت کے کام کو انجام دیتا ہے۔ اپنے شیخ کو بھی صدیق سمجھنا چاہیے کہ ان کی زندگی موت سے بہتر ہے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ زندگی بچا کر زندہ رہے اور مرے بھی تو بھی زندہ رہے یعنی شہید کا درجہ بھی ملا۔

مشورہ دینے والوں کے بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجیے

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جمہوریت باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی آپ صحابہ سے مشورہ کریں لیکن جب آپ عزم کرلیں تب آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ پھر آپ مشورہ دینے والوں پر بھروسہ نہ کریں، آپ خدا پر بھروسہ کیجیے اس سے معلوم

---

[۱۷۵] کنزالعمال:۵/۶۵۸(۱۴۱۵۸)، کتاب الخلافۃ مع الامارۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

[۱۷۶] النسآء:۶۹

ہوا کہ امیر المؤمنین کے لیے مشیروں کے مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں، جب وہ عزم کر لے تو اللہ کے بھروسے پر اپنے عزم پر عمل کرے، خواہ مشیروں کے مشوروں کے خلاف ہو، کیوں کہ بعض ایسے نادان لوگ ہوں گے کہ ان کے مشورہ پر اگر فتح ہوئی تو عجب میں مبتلا ہوں گے کہ ہمارے مشورہ کی وجہ سے فتح ہوئی اور اگر شکست ہوئی تو مذاق اُڑائیں گے کہ ہمارے مشورے پر عمل نہیں کیا اس لیے شکست ہوئی، حالاں کہ فتح وشکست اللہ کی طرف سے ہے اور امیر المؤمنین جو فیصلہ کرے وہ اللہ کے یہاں حق پر ہے۔ ورنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اکیلے جہاد کے لیے نہ نکلتے جبکہ پوری قوم ساتھ نہیں تھی اور سب لوگ جہاد کے لیے منع کر رہے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا کہ غار ثور میں جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا[۱۷۷] تو اس وقت اے صحابہ! تم میں سے کوئی وہاں نہیں تھا، صرف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا، لہٰذا میرے ساتھ خدا ہے، میں تنہا لڑ کر جان دے دوں گا، جب اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی نصِ قطعی سے اللہ میرے ساتھ ہے تو مجھے کسی کی پروا نہیں، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اے صدیق اکبر! ہم پر حق واضح ہو گیا اور حق کو ہم نے تسلیم کر لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان یہ ہے کہ جب حق واضح ہو گیا تو اپنی رائے کو فنا کر دیا اور حضرت صدیق اکبر کے ساتھ ہو گئے کہ جب امیر المؤمنین اللہ کے راستے میں مشورہ نہ لے تو سمجھ لو کہ وہ بات اللہ کی طرف سے ہے، ایسے وقت میں امیر المؤمنین کا حکم خدا کا حکم ہے، اس کے خلاف کرنا اللہ کی نافرمانی ہوگی، لہٰذا ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اور جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تنہا تلوار لے کر نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ اے صدیق ٹھہریئے! ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ سب نے کہا کہ ہم تنہا امیر المؤمنین کو نہیں چھوڑ سکتے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہیں۔

واقعی جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا پڑھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو محسوس ہوا کہ گویا وہ آیت ابھی اُتری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں مَعَنَا جمع کا صیغہ نازل فرمایا، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

---

[۱۷۷] التوبۃ: ۴۰

صدیق سے فرمایا تھا کہ گھبر اؤمت اللہ ہمارے ساتھ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جمع کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا تھا بلکہ فرمایا تھا کہ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ[۱۷۸] میرا پروردگار میرے ساتھ ہے۔ اور یہی آیت نازل ہوئی۔ کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نافرمان تھی اس لیے وہاں جمع کا صیغہ نازل نہیں ہوا۔ یہودی ایسے بے وفا اور نافرمان تھے کہ جہاد کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ[۱۷۹]

آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جایئے اور دونوں لڑ بھڑ لیجیے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔

اور صحابہ کیسے جان نثار تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر ہر وقت جان دینے کو تیار رہتے تھے۔ چناں چہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد کا عزم فرمایا تو صحابہ نے فوراً اپنی رائے اور مشورہ سے رجوع کر لیا اور دل و جان سے امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں شریک ہو گئے۔

سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے ایک مخلص کے مشورے کا جواب

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے عشاء کی نماز پڑھی اور جہاد کا کام سرگرم ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور سکھوں کی طرف سے ایک مسلمان کا خط آیا ہے اور وہ بہت مخلص معلوم ہوتا ہے، اس نے لکھا ہے کہ میں سید صاحب کو اخلاص کے ساتھ آگاہ کرتا ہوں کہ سکھوں کی بہت بڑی فوج حملہ کے لیے آرہی ہے، آپ روپوش ہوجائیں۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس وقت شہادت کے لیے تلوار اٹھا چکے تھے اور سپاہی کا لباس پہن چکے تھے جواب لکھا کہ مسلمان کی شان یہ نہیں ہے کہ جب اللہ کے راستے میں نکل پڑے تو پھر روپوش ہو جائے۔ روپوشی اور منہ چھپانا مجاہد کا کام نہیں ہے، اس لیے میں آج لڑتے لڑتے اگر شہید ہو جاؤں گا تو اللہ سے ملوں گا یا شہر لاہور پر قبضہ کروں گا اور لاہور پر اسلامی سلطنت قائم ہو گی۔ مسلمان کے دو کام ہیں

---

[۱۷۸] الشعرآء:٦٢

[۱۷۹] المائدۃ:٢٤

یا غازی یا شہید۔ اور جب مؤمن ہتھیار سنبھال لیتا ہے تو اُس کی شان کے خلاف ہے کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے، وہ روپوش نہیں ہو سکتا۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی لاش کا بھی پتا نہیں چلا۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تو مزار ہے لیکن سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی لاش کو اللہ نے لاپتا کر دیا۔

مشورہ دینے کے تین درجے

مشورہ دینے کے تین درجے ہیں:

۱) ایک تو یہ کہ مشورہ دے کر بھول جائے اور سمجھ لے کہ میرا مشورہ واجب العمل نہیں ہے اور بے فکر ہو جائے۔ مشورہ کا فریضہ بھی ادا کر دیا اور اپنی مشورہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا۔ یہ درجہ شریعت کا ہے، شریعت میں یہی مطلوب ہے۔

۲) دوسرا یہ کہ جو مشورہ دے کر انتظار کرے کہ میرے مشورہ پر عمل کیا جائے تو سمجھ لیجیے ایسا شخص مشورہ دینے کا اہل نہیں ہے۔

۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ مشورہ دے کر اس پر عمل کیے جانے کا انتظار کرے اور اگر اس پر عمل نہ ہو تو ناراض ہو جائے اور ڈانٹ ڈپٹ بھی لگا دے، یہ شخص بھی مشورہ دینے کا بالکل اہل نہیں ہے کیوں کہ یہ تَصَدِّی بالغیر ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ ''تَصَدِّی بالغیر'' ہے یعنی غیر کے درپے ہو جانا۔ غیر کی اصلاح کے درپے ہو جانا یہ حرام ہے اور ناجائز ہے اور دوسروں کی جوتیوں کے لیے اپنا دوشالہ گنوانا ہے۔

مشورہ دینے کے بعد انتظار کرنا اپنے دین کی بربادی ہے

اب اس میں مختلف بندے ہوتے ہیں۔ بعض بندے مغلوب الحال ہوتے ہیں۔

وہ محبت میں مشورہ دیتے ہیں اور محبت میں اُن پر حال غالب ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میرے مشورہ پر عمل ضرور ہو گا۔ عمل نہیں ہوا تو طبیعت وہاں سے کھٹی ہو گئی، پھر وہاں سے بھاگ نکلتے ہیں۔ یہ مغلوب الحال کا درجہ کامل درجہ نہیں ہے، کامل درجہ یہ ہے کہ مغلوب الحال نہ ہو، حال پر غالب رہے یعنی مشورہ بھی دے دے اور پھر ذہن کو فارغ کر

لے، یہ انتظار نہ کرے کہ میرے مشورہ پر عمل ہوا۔ اگر مشورہ پر عمل کا انتظار کرتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ اپنا دین برباد کرتا ہے اور دین کی بڑی شخصیتوں سے بھی اس کو فیض نہیں مل سکتا۔ وہ کہے گا کہ یہ عجیب آدمی ہے، اس نے ہمارا مشورہ نہیں مانا۔ پھر اس کو بڑی شخصیتوں پر بھی اعتراض اور بدگمانی پیدا ہوگی اور اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور محروم ہوجائے گا۔ پہلے مجلس میں آکر دین کی چار باتیں سن لیتا تھا، اب وہ بھی نہیں سن پائے گا۔ اس لیے کہتا ہوں کہ حدودِ شریعت میں رہو، غیروں کی تربیت اور سرپرستی میں اتنا مصروف ہونا کہ اپنا نقصان ہوجائے۔ دین کے ہیرے وجواہرات اور سونا چاندی پر نظر نہ ڈالی جو بزرگوں سے حاصل کررہا تھا بلکہ اپنے چند مشوروں میں رہ گیا یعنی اُس کو اپنا مشورہ اتنا قیمتی معلوم ہوا کہ اس پر عمل ضروری سمجھا۔ پس ایسا شخص مشورہ دینے کا اہل نہیں۔ مشورہ دے کر اس پر عمل کیے جانے کا انتظار کرنا خود رائی، خود بینی اور خود نفسی ہے۔

مشورہ دینے کا اہل کون شخص ہے؟

یاد رکھو! وہی شخص مشورہ دینے کا اہل ہے جو مشورہ دے اور اس کے بعد بھول جائے کہ مشورہ پر عمل ہوا یا نہیں۔ اس کو دماغ ہی سے نکال دے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو اس کو ایسی محفل میں یا ایسے بزرگوں کے پاس نہیں جانا چاہیے کہ جن کو مشورہ دینے کا خیال پیدا ہو۔ ورنہ مشورہ دینے کا خیال اتنا ستائے گا کہ وہ پریشان ہوجائے گا اور مشورہ دینا شروع کردے گا، اور جب اپنے مشورے پر عمل نہ دیکھے گا تو ان کا معتقد بھی نہ رہے گا، اور اپنے مشورے پر عمل نہ ہونے سے اس کو اتنا رنج پہنچے گا کہ اپنے رَنج و غم سے مغلوب ہوکر وہاں سے بھاگ نکلے گا اور بزرگوں کے فیوض وبرکات سے محروم رہ جائے گا۔ میں یہ وہ باتیں نہیں کہہ رہا ہوں جو ایک مبتدی کہتا ہے یا جو متوسط کہتا ہے۔ یہ باتیں وہی بتا رہا ہوں جو منتہی اور کاملین کہتے ہیں۔ اور جو میں نے اپنے بزرگوں سے سنی ہیں جو منتہی اور کامل تھے۔

مشورہ پر عمل واجب نہیں

آپ اس کو سمجھ لیجیے کہ جہاں دیکھیے کہ میرے مشورے پر عمل نہیں ہوتا، خاموش ہوجائیے اور سمجھ لیجیے کہ میرے مشورے پر عمل واجب نہیں ہے اور یہ سوچیے

کہ ہم کو یہاں جو فائدہ ہو رہا ہے وہ لینا چاہیے، اس کے سامنے مشورہ کیا چیز ہے۔ کیوں کہ جب نبی کا مشورہ صحابی اور صحابیہ کے لیے واجب العمل نہیں ہے تو تمہاری کیا حیثیت ہے!

مشورہ پر عمل نہ ہونے کے باوجود اپنی عبدیت کا توازن قائم رکھو

اور آج کل کیا حال ہے کہ اگر کوئی کسی بزرگ کو چند رقمیں اور چندہ دے دے یا کوئی اور نیک کام کر دے تو اپنے مشورے کو واجب العمل سمجھتا ہے۔ اور جب اس کے مشورے پر عمل نہیں ہوتا تو سمجھتا ہے کہ یہاں تو دال ہی نہیں گلتی، یہاں تو مشورہ دینا اپنے مشورہ کو ضایع کرنا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے پر عمل نہیں کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناگواری بھی ظاہر نہیں فرمائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو آپ نہیں ہیں۔ ہر شخص اپنی عبدیت کو قائم رکھے، اپنی عبدیت اور بندگی کا توازن ایک ذرّہ برابر بھی حضورِ حق سے الگ نہ ہونے پائے۔ یہ دیکھو کہ اگر میرا مشورہ نہیں مانا گیا تو میرا مشورہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ یہ سوچو کہ میرے مشورے میں کوئی شر ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بچالیا۔ بس اپنی بندگی کے دائرے کو قائم رکھو، اپنے مشورہ کو اتنی اہمیت مت دو کہ نعوذ باللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم سے ہٹ جاؤ۔ اکثر چندہ دینے والے تمام علمائے دین کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی مولوی صاحب ان سے مشورہ نہ کریں تو سیٹھ صاحب ناراض ہو جاتے ہیں۔ علماء کو چاہیے کہ ایسے متکبرین کا چندہ قبول ہی نہ کریں اور سیٹھ صاحب کو بتادیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ نہیں مانا گیا تو تم کون ہو؟ تم کیا نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہو؟ تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم مشورہ دو۔

مشورہ کی حقیقت کو جانو

مشورہ دے کر بھول جائے اور سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ کو جو دولت دی ہے ہم کو اُسے حاصل کرنے کا محتاج بنایا ہے اور ابھی میرے پاس وہ دولت نہیں ہے اور ہمارے بڑے بھی زندہ نہیں ہیں کہ اُن سے یہ دولت مل سکے۔ اس لیے اس سے رجوع کرو۔ جس نے شیخ کے ساتھ زیادہ زمانہ اُٹھایا ہے، زیادہ ساتھ رہنے سے اس کو سمجھ بھی

زیادہ ہوگی۔ جب زیادہ سمجھ ہوگی تو زیادہ سمجھ کی باتیں کرے گا۔ اس لیے میں سیٹھ لوگوں کو ہوشیار کرتا ہوں کہ اپنی بندگی کو قائم رکھو، سنّت نبوی کی پونجی اپنی نادانی اور ناسمجھی سے ضایع نہ کرو۔ مشورہ کا کیا درجہ ہے؟ جب مشورہ کا درجہ سمجھ لوگے جو ابھی بیان ہوا تب کبھی غلطی نہیں کروگے۔

مشورہ کا حق کس کو ہے؟

اور یہ سمجھ لیں کہ مشورہ دینے کا حق صرف بالغ کو ہے نابالغ کو مشورہ دینے کا حق نہیں۔ اور بالغ کون ہے اور کون نابالغ ہے؟ اس کو مثنوی مولانا روم سے سمجھاتا ہوں۔ کوئی بچہ پیدا ہوا اور بچہ ہی رہا تو بچپن میں وہ بلوغ کی کیفیت کو جان ہی نہیں سکتا کہ جوانی کیا چیز ہے اور عاشقی و معشوقی کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے اُس کا بالغ ہونا شرط ہے۔ بالغ آدمی کو حُسن کی ہر نوک پلک اور ناک نقشوں کے نکتوں کی تفصیل معلوم ہوگی، مگر جو شخص نابالغ ہے، حسن کی تفسیر کیا کرے گا؟ لیکن اصل بالغ کون ہے؟ جو تقاضائے معصیت سے خلاصی پاگیا اور اُس کے تقاضائے معصیت مغلوب ہوگئے وہ بالغ ہے۔

نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا
خلق اطفال اند جز مست خدا

اور وہ بالغ ہی نہیں ہے جو خواہشاتِ نفس سے مغلوب ہے اگرچہ وہ ظاہری طور پر بالغ ہو اور پچاس سال کا بڈھا ہو وہ نابالغ ہے۔ تمام مخلوق بچے ہیں سوائے مست خدا کے۔ جو خدائے تعالیٰ کے مست ہیں وہی بالغ ہیں، اور جو خدائے تعالیٰ کے مست اور عاشق نہیں ہیں، اپنی نفسانی خواہشات میں مبتلا ہیں وہ نابالغ بچے ہیں۔ نابالغ آدمی مٹی کے کھلونوں سے کھیلتا ہے، مٹی کے کھلونوں کو دیکھ کر واہ واہ کرتا ہے۔ اسی طرح یہ حُسنِ فانی کے کھلونوں کو دیکھ کر واہ واہ کرتا ہے، جب جوانی چلی گئی تب آہ آہ کرتا ہے۔ تو نابالغ ہونے کی علامت یہی ہے کہ اُس کو آہ آہ کرنا پڑتا ہے اور حُسنِ فانی کے کھلونوں میں اس کی جوانی ختم ہوجاتی ہے اور سوائے پچھتانے کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اِنتظامی اُمور میں مشورہ دینے کی شرط

اب بتاؤ! میں نے بالغین کے ساتھ اپنی عمر گزار دی تو میں نابالغوں کی بات کیسے مانوں؟ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بالغین کے بھی استاد تھے۔ اُن پر اللہ کی محبت اس قدر غالب تھی کہ کچھ نہ پوچھو۔ مشورہ دینے کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے لیکن بالغین کو نابالغ لوگ سمجھانے لگیں تو کیا ہوگا؟ نابالغ کو سمجھنا چاہیے کہ ہم مشورہ دینے کے قابل ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں، غور سے سن لو! نابالغ آدمی یعنی جو ہوائے نفس سے مغلوب ہے اور سنّت و شریعت کا پابند نہیں وہ مشورہ دینے کا اہل نہیں ہے اور جو اہل ہے وہ انتظامی اُمور میں مشورہ دے سکتا ہے مگر یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ مشورہ واجب العمل نہیں ہے، دل میں سمجھ لے کہ میں نے مشورہ دے دیا، اب جو اُن کے سمجھ میں آئے وہ کریں، مجھے اس سے سروکار نہیں۔ اگر اس کا مشورہ قبول نہ کیا جائے تو نہ شکایت ہو، نہ غیبت ہو، نہ تنقید کرے اس قسم کے الفاظ بھی کبھی زبان پر نہ آئیں۔ خصوصاً شیخ کا معاملہ تو بہت نازک ہے، اگر اس سے بدگمانی ہوگئی یا اعتراض پیدا ہوگیا تو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھو

میرے جتنے مال دار دوست ہیں اور چندہ دیتے ہیں ان کو میری طرف سے مبارک باد ہے اور مبارک بادی کا اعلان ہے لیکن اپنے مشورے کو درجۂ عمل میں لانے کا انتظار کبھی نہ کریں، یہ مشورہ دینا قرآن پاک کی آیت سے مستند ہے۔ لیکن مشورہ واجب العمل نہیں ہے یہ بھی قرآن پاک کی آیت سے ثابت ہے فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ جس نے مشورہ دیا ہے اس پر واجب ہے کہ ہشاش بشاش رہے اور ظاہر کردے کہ میرے مشورے پر عمل نہ کرنے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو پھر عقل کو مغلوب اور طبیعت کو حاکم بنانا ہے۔ عقل کو طبیعت پر غالب رکھو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھو۔ جو شخص عقل پر شریعت کو غالب رکھے گا اس کو ان شاء اللہ کوئی وسوسہ نہیں آئے گا۔ یہ بہت قیمتی جملہ ہے۔ مشورہ کے خلاف ہونے کے باوجود طبیعت کو ویسے ہی راضی رکھتا ہے تو خدا کے یہاں اُس کا اَجر مستند ہے کیوں کہ طبیعت پر عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھتا

ہے۔ بس یہ فارمولا بتادیا۔ اگر آپ اس فارمولے پر رہیں گے تو کبھی ضایع نہیں ہوں گے اور شیطان کبھی برباد نہیں کر سکے گا۔

مشورہ پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ عقل کیا چیز ہے۔ شریعت کا یہ حکم ہے، بس چپ چاپ دُم دبا کر بیٹھو، اگرچہ دُم نہیں ہے مگر دم دبا سکتے ہیں۔ کیسے دبا سکتے ہیں کہ خاموش رہیں۔ اور طبیعت کو عقل پر اور عقل پر شریعت کو غالب رکھیں، اور ہنستے بولتے رہیں، تعلقات پہلے جیسے ہی خوشگوار رہیں۔ ذرّہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے۔ اور اگر دل جل رہا ہے کہ میرے مشورے پر عمل نہیں کیا تو کام خراب ہوگیا اگر میرے مشوروں پر عمل کرتا تو اس طرح نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ یہ نفسانیت ہے اور اسی وجہ سے یہ ملولِ خاطر ہوا، ایسا کرنے سے اُس کی طبیعت اس کی عقل پر غالب آگئی۔ اور یہ کہہ بھی دیا کہ میرے مشورے پر عمل نہ کرکے آپ نے مجھ کو غمگین اور رنجیدہ کیا۔ رنجیدگی ظاہر کرنا، منہ پھلانا، غصہ کرنا یا لوگوں کو ڈانٹنا سب شریعت کے خلاف ہے۔

۵؍ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۴؍ اگست ۲۰۰۲ء

پی۔ آر۔ ایف ہسپتال کے افتتاح کے موقع پر نصیحت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، أَمَّا بَعْدُ

ارشاد فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ایک علم الابدان اور دوسرا علم الادیان۔

علم الابدان جس کی بنیاد پر یہ میڈیکل سینٹر قائم ہوا ہے، یہاں بدن کی بھی حفاظت رہے گی اور دین کی بھی حفاظت رہے گی۔ علم الابدان علم الادیان کے تابع ہے کیوں کہ علم الابدان اگر علم دین کے تابع نہ ہو تو وہ آخرت میں وبال ہے کیوں کہ جس کام کا نتیجہ مرنے کے بعد اچھا نہ ہو وہ کام بالکل بے کار ہے۔ یہاں دنیا میں بہت واہ واہ ہوئی اور مرنے کے بعد پٹائی شروع ہوگئی تو ایسا کام کس کام کا ہے۔ علم وہ ہے جو دنیا میں بھی عزت دے اور آخرت میں بھی عزت دے۔ ہر جگہ علم الادیان قائم ہورہے ہیں۔ بہت کم ایسا ہے کہ علم الادیان

اور علم الابدان کا جوڑ ہو۔ دیوبند میں اس کا اہتمام کیا گیا تھا کہ علم الادیان کے ساتھ ساتھ کچھ علم الابدان کا بھی انتظام تھا۔ ہر کام میں آخرت کو دیکھنا چاہیے، جو کام یا قدم اٹھائے سب سے پہلے آخرت کو دیکھے کہ ہماری آخرت اس سے بنے گی یا بگڑے گی۔ ایسا کرنے والا عقل مند آدمی ہے۔ عقل کی بین الاقوامی تعریف یہ ہے کہ انجام پر نظر رکھے۔ چاہے دین ہو چاہے دنیا ہو، سب میں یہی دیکھنا ہے کہ اس کام کو کرنے سے ہمارا آخرت میں کیا بنے گا۔ اس کام کے بعد ہماری آخرت بنے گی یا بگڑے گی۔ اگر ہم اپنی نیت درست کرلیں تو دنیا بھی ہماری دین ہو جائے گی۔ اگر ہم نیت درست کرلیں کہ اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچائیں گے، دوسروں کو دیندار بنائیں گے اور اللہ سب کو دیندار بنائے، تب سمجھ لو کہ ایسا کام اچھا ہے۔ ایسا کام اچھا نہیں ہے کہ آپ یہاں دنیا میں تو بہت بڑے بڑے کام کر رہے ہیں، سب کچھ کر رہے ہیں، مگر آخرت میں آپ کو کچھ نہیں ملا۔ ہر کام میں دیکھنا ہے کہ یہ مطلوبہ کام آخرت کے لیے بھی ٹھیک ہے یا نہیں، مگر دونوں میں نیت درست ہو۔ علم الادیان کے ساتھ اب یہاں علم الابدان کا بھی انتظام ہو رہا ہے۔ اگر یہاں دین سیکھیں تو اللہ کے لیے سیکھیں اور علم الابدان میں بھی نیت درست ہو کہ بدن کی خدمت کریں تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو۔

اگر اللہ ایسی خدمت سے ناراض ہوتا ہے تو ایسی خدمت سے باز آجاؤ، ہر صورت سے ہمارا مقصود آخرت ہے، لہٰذا ہر طرح سے دیکھنا چاہیے کہ ہماری آخرت بھی صحیح ہے یا نہیں۔

لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ ہے جو قدم اُٹھائیں اس میں دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے یا نہیں۔ جس کام سے اللہ ناراض ہو اس کام سے آپ بھی راضی نہ ہوں، جس کام سے اللہ راضی ہو اس سے آپ بھی راضی ہوں لہٰذا اپنی آخرت کو مقدم رکھیے۔ جو کام بھی کیجیے یہ دیکھیے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو ہم ہرگز نہیں کریں گے، مر جانا پسند کرلیں گے لیکن ناجائز کام نہیں کریں گے۔ دیر سویر سب کو مرنا ہے، لاکھ ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہوں، ڈاکٹر خود کیوں اس دنیا سے چلے جاتے ہیں، دل کے ڈاکٹر بھی اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ بہر حال مسلمان کو ہر قدم پر یہی سوچنا چاہیے کہ ہم جو قدم

اٹھا رہے ہیں کیا ہمارا مولیٰ اس سے راضی ہے یا نہیں؟ یہ نہ دیکھو کہ دنیا کا فائدہ ہے یا نہیں۔ سب سے پہلے نظر اس پر جائے کہ اللہ کو پسند بھی ہے یا نہیں۔ دنیا تو تعریف کرے گی، اس کو فائدہ پہنچے گا لیکن وہ انسان بے وقوف ہے جو دنیا کی تعریف کو اہمیت دے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کو معمولی سمجھے۔

بس یہ ہسپتال اس بنیاد پر قائم ہو رہا ہے کہ سب کام شریعت کے مطابق ہوں۔ عورتوں کو عورتیں دیکھیں گی، مردوں کو مرد دیکھیں گے۔ اس لیے ہم کو خوشی بھی ہے۔ اب اس کے بعد دعا کر لیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جس نیت سے بنایا ہے اس نیت کے مطابق کام لیں۔

اے اللہ! اس ادارے میں علم الادیان تو تھا ہی اب علم الابدان بھی اپنی رحمت سے قبول فرما لیجیے اور اپنی مرضی کے مطابق سب کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اپنی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھنے دیجیے۔ ہر قدم آپ کی مرضی کے مطابق اُٹھے۔ ہم کو زندگی بھی عزیز ہے اور آپ کی مرضی کے خلاف زندگی موت ہے۔ جس بات سے آپ ناخوش ہوں اس کے بدلے ہم کو موت عزیز ہے۔ ایک روز مرنا تو ہے ہی، ایسی زندگی لعنتی زندگی ہے جو اللہ کو ناراض کرے۔ اتنا ہی کماؤ جس میں اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوں اور اتنا ہی رفاہی کام کرو جس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں۔

اگر علمائے کرام بتاتے ہیں کہ فلاں کام میں فائدہ نہیں ہے کیوں کہ اس کام سے اللہ ناراض ہے تو اس سے بہتر ہے کہ موت کو قبول کرو۔ موت سے کیوں گھبراتے ہو؟ ایک دن تو جانا ہی ہے، لاکھ انتظام کر لو لیکن جو دنیا میں آیا کیا وہ جانے سے بچ گیا؟ دیر سویر سب کو اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ قبول فرما لے۔ اپنی رحمت سے کچھ کوتاہیاں ہوں تو اس کو معاف فرما دے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

دعائے صلوٰۃِ حاجت کی عجیب عاشقانہ تشریح

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری نظروں کو مجاریٔ قضا کی طرف متوجہ کیا ہے یعنی جہاں سے فیصلے ہوتے ہیں عطاؤں کے، سزاؤں کے وہاں نظر رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ لہٰذا حکیم الامت تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں:

مَنْ يَّنْظُرُ اِلٰى مَجَارِی الْقَضَاءِ لَا يُفْنِیْ اَيَّامَهٗ فِیْ مُخَاصَمَةِ النَّاسِ[۱۸۰]

یعنی جس کی نظر مجاریٔ قضا پر ہوتی ہے وہ لوگوں کے لڑائی جھگڑے میں اپنی زندگی کو ضایع نہیں کرتا۔ مجاریٔ قضا کے معنیٰ ہیں جہاں سے فرمان جاری ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو فوراً معاف کر دیا، کیوں کہ ان کی نظر مجاریٔ قضا پر تھی۔ لہٰذا فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ[۱۸۱] کہ تم پر کوئی الزام نہیں حالاں کہ دل میں سمجھ رہے تھے کہ وہیں سے سب کچھ ہوا ہے جو ہونا تھا۔ خواجہ صاحب کا شعر یاد آیا ؎

نہ گھبرا کوئی دل میں گھر کر رہا ہے
مبارک کسی کی دل آزاریاں ہیں

اور جو شخص مجاریٔ قضا پر نظر نہیں رکھتا وہ ہمیشہ انسانوں سے لڑتا ہے کہ اس نے ہمیں یوں کہہ دیا اس نے ہمیں یوں کیوں کہا ارے انسانوں سے کیا لڑتے ہو، مجاریٔ قضا پر نظر رکھو جہاں سے قضا جاری ہوئی، اس سے رجوع کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی غم یا پریشانی آتی تو آپ صلوٰۃِ حاجت پڑھتے لہٰذا جب کوئی غم یا پریشانی آئے تو پہلے دو رکعت صلوٰۃ حاجت پڑھ لیں، پھر حمد و ثنا کریں جیسے سورۂ فاتحہ یا تیسرا کلمہ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پھر درود شریف پڑھیں، پھر یہ دُعا پڑھیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

---

[۱۸۰] بیان القرآن: ۵/۹۵، یوسف (۹۲)، ایچ ایم سعید

[۱۸۱] یوسف: ۹۲

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْاَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَاۗئِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَّا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ[۱۸۲]

نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے جو حلیم و کریم ہیں۔ (حلیم وہ ذات ہے جو سزا دینے میں جلدی نہ کرے اور کریم وہ ذات ہے جو بدون استحقاق اور قابلیت عطا کرے) پاک ہے اللہ جو عرشِ اعظم کا ربّ ہے، ہر قسم کی تعریف اللہ ربّ العالمین کے لیے خاص ہے۔ اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں آپ کی رحمت کے موجبات کا اور آپ کی مغفرت کے ارادوں کا اور ہر نیکی کے مالِ غنیمت کا اور ہر بُرائی سے سلامتی کا، ہمارے کسی گناہ کو نہ چھوڑیے مگر بخش دیجیے اور نہ ہمارا کوئی غم باقی رکھیے مگر اُس کو دور فرمادیجیے اور ہماری ہر حاجت کو جس سے آپ راضی ہوں اس کو پوری کردیجیے، اے ارحم الراحمین۔

ہر دُعا کے قبل اور بعد درود شریف پڑھ لینا دُعا کی قبولیت کا نہایت قوی ذریعہ ہے۔

اس دعا کا شروع کا جملہ دیکھیں لَآ اِلٰهَ غیر اللہ سے نفی سکھلادی کہ پہلے غیر اللہ سے دل کو کاٹو پھر ہر طرف اِلَّا اللہ ہی اِلَّا اللہ پاؤ گے۔ پھر حلیم سکھلایا کہ حلیم وہ ذات ہے اَلَّذِیْ لَا یُعَجِّلُ بِالْعُقُوْبَةِ[۱۸۳] جو سزا دینے میں جلدی نہ کرے یعنی کس سے مانگ رہے ہو جو ہم سے بدلہ نہیں لیتا۔ پھر کریم سکھلایا کہ کریم اَلَّذِیْ یُعْطِیْ بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّةِ[۱۸۴] حلیم اور کریم سکھلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ گاروں کی مایوسی کو دور کردیا کہ کیوں مایوس ہوتے ہو تمہارا پالا ایسے مالک سے ہے جو تم سے بدلہ نہیں لیتا اور جو نااہلوں پر ان کی نااہلی کے باوجود عطاؤں کی بارش کرتا ہے، پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندوں کی نظر کو مجاریٔ قضا تک لے گئے۔ کیا لفٹ تھی، کیا راکٹ تھا کہ زمین سے اٹھایا اور عرشِ اعظم تک پہنچایا سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اپنی امت کو تعلیم دے کر زمین والوں کو عرشِ اعظم تک پہنچادیا

---

[۱۸۲] جامع الترمذی: ۱/۱۰۸-۱۰۹، باب ما جاء فی صلٰوۃ الحاجة، ایچ ایم سعید

[۱۸۳] مرقاۃ المفاتیح: ۳/۳۷۱(۱۳۲۷)، باب التطوع، دار الکتب العلمیة، بیروت

[۱۸۴] مرقاۃ المفاتیح: ۳/۲۱۲، باب التطوع، المکتبة الامدادیة، ملتان

کہ تم مجاریٔ قضا پر نظر رکھو، جہاں سے فیصلے جاری ہوتے ہیں وہیں سے تمہارا کام بنے گا۔ آگے فرمایا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اور تعریف کرو تم اللہ کی کیوں کہ مضمونِ درخواست عرض کرنے سے پہلے بادشاہوں کو کچھ القاب سے خطاب کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ تو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے القاب خود ان کے سکھائے ہوئے ہیں وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سب تعریف اللہ کے لیے جو رب ہے تمام عالم کا۔ آگے ہے اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ ہم آپ سے رحمت کے موجبات کو مانگتے ہیں یعنی جن اعمال سے آپ کی رحمت ملتی ہے ان کو مانگتے ہیں یعنی جن اعمال سے عطا ملتی ہیں ان کو مانگو اور جن اعمال سے سزا ملتی ہے ان سے پناہ مانگو وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ اور اپنی بخشش کے عزائم ہمیں عطا کیجیے یعنی ہمارے عزائم ایسے ہوں جو ہمیں آپ کی مغفرت دلوائیں نہ کہ آپ کے غضب کا موجب ہوں۔ اس کے بعد ہے وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ اور ہر نیکی کا غنیمت عطا فرمائیے۔ محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت کب ملتا ہے؟ جب جہاد میں فتح ہوتی ہے یعنی نفس کے جہاد میں ہمیں ایسی فتح دیجیے کہ ہر وقت ہم اپنے نفس پر غالب رہیں اور مالِ غنیمت کی نیکیاں ہمیں ملتی رہیں یعنی ہم تہجد، اشراق، اوّابین، تلاوت اور ذکر میں غرق رہیں، نفس ہم کو سستی میں مبتلا نہ کرنے پائے تاکہ ہم فاتحانہ مالِ غنیمت لوٹتے رہیں۔ مالِ غنیمت کا لفظ لانے کی وجہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بتائی کہ مالِ غنیمت جہاد میں فتح ہو جانے پر ملتا ہے یہاں غنیمت کے لفظ سے نفس پر فتح حاصل ہونے کی بشارت ہے کہ تم اللہ سے مانگو کہ نفس پر مجھے فتح دے دیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ میرا نفس آپ کی نافرمانی میں مبتلا کر کے مجھے آپ کی رحمتوں سے محروم کر دے۔ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ اور مجھے تمام گناہوں سے سلامتی عطا فرمائیے، کیوں کہ جب گناہوں سے محفوظ رہوں گا تو نیکیوں کا مالِ غنیمت باقی رہے گا اور آپ کی رحمتوں سے محروم نہ ہوں گا۔ اس کے بعد ہے لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ اِلٰى يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ آخر میں ہے کہ ہمارے سب گناہوں کو معاف کر دیجیے، ہمارے تمام غموں کو دور کر دیجیے، ہماری ہر وہ حاجت جس سے آپ راضی ہوں پوری کر دیجیے اور يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ آخر میں لگوایا، اور یہ کیوں لگوایا؟

کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سے پتا چل گیا کہ جب بندہ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ کہتا ہے تو ایک فرشتے سے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میرے بندے سے کہو کہ ارحم الراحمین تمہاری طرف متوجہ ہے مانگو کیا مانگتے ہو؟ یہ حدیث پاک ہے۔ تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس وحی کے پیشِ نظر صلوٰۃِ حاجت کی دعا کے آخر میں یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ لگوا دیا تاکہ ارحم الراحمین کی رحمت میرے اُمتی کی طرف متوجہ ہو۔ اس نبی رحمت اور اس نبی احسان و کرم پر، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر، بے شمار صلوٰۃ و سلام نازل ہوں آپ کی شانِ رسالت کے مطابق اور حق تعالیٰ کی شانِ رحمت کے شایانِ شان غیر محدود رحمتیں نازل ہوں۔

لہٰذا یہ عرض کرتا ہوں کہ کوئی حاجت پیش ہو کوئی اضطراری کیفیت ہو تو تین مرتبہ صلوٰۃ الحاجت پڑھو کسی مخلوق سے کوئی کام اٹکے تو یہی دعا کرو جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ سے اسی انداز سے مانگا ہے۔ خود نبی نے مانگا اور اُمت کو سکھایا کہ ان الفاظ سے مانگو۔ اب آپ سوچئے کہ ان الفاظ میں کیا معجزہ ہے ان شااللہ تعالیٰ زندگی میں کوئی حاجت نہیں رکے گی، کوئی مصیبت ایسی نہیں جو نہ ٹلے، کوئی گناہ ایسا نہیں جو نہ چھوٹے۔ رو کر تو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کی دستگیری ہوگی، غیب سے مدد آئے گی اور جتنی ذلتیں اور خواریاں ہیں اللہ اپنی شانِ کرم کے شایانِ شان ان کی تلافی کرتا ہے جیسے بیٹا اگر باپ کو راضی کرلے اور بیٹے سے کچھ خطائیں ہوگئی ہوں جس سے اس کی ذلت کا چرچہ ہورہا ہو تو باپ کوشش کرتا ہے کہ میرے بیٹے کی ذلت نہایت اعلیٰ شان سے عزت میں تبدیل کردی جائے۔ تو اپنے ربّا کو جو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی خطاؤں کی ذلتوں کی اپنے شانِ کرم کے شایانِ شان تلافی فرمادیتے ہیں۔ چاہیں تو اس سے کوئی کرامت صادر کرادیں گے یا کوئی عظیم الشان کام لے لیں گے جس سے امت قیامت تک اس کا چرچا ذکرِ خیر سے کرے گی۔ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنی عظیم خطا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مسیلمہ کذاب کو قتل کروایا اور ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اور

مفسرّین نے لکھا ہے کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے جب مسیلمہ کو قتل کیا تو فرمایا کہ **قَتَلْتُ فِیْ جَاهِلِیَّتِیْ خَیْرَ النَّاسِ وَقَتَلْتُ فِیْ اِسْلَامِیْ شَرَّ النَّاسِ** کہ میں نے اپنے جہالت کے زمانے میں یعنی کفر کی حالت میں بہترین انسان کو قتل کیا **وَقَتَلْتُ فِیْ اِسْلَامِیْ شَرَّ النَّاسِ** اور میں نے حالتِ اسلام میں اس کو قتل کیا جو انسانوں میں سب سے بڑا شر تھا۔ **تِلْكَ بِتِلْكَ**[۱۸۵] اس شر کی تلافی میں اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان خیر کا کام لے لیا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ہماری آبرو کو کون سنوارے گا۔

چلی شوخی نہ کچھ بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زُلف اس کی بنا کی

شیطان تو ہم سے خطائیں کرا کے ہمیں ذلیل کرنا چاہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے اگر ہم ندامت کے ساتھ توبہ کریں تو ہماری زلفوں کو بکھیرنے کے لیے شیطان نے جو ہوائیں چلائی تھیں حق تعالیٰ ہماری ذلتوں کے بکھرے ہوئے بالوں کو پھر سے سنوار دیتے ہیں۔

چلی شوخی نہ کچھ بادِ صبا کی

میں کہتا ہوں۔

چلی شوخی نہ کچھ اس بے حیا کی

یعنی شیطان نے تو کوشش کی تھی کہ اس کو ذلیل کر دو مگر۔

بگڑنے میں بھی زُلف اس کی بنا کی

بس یہ عرض کرتا ہوں کہ تین مرتبہ دو دو رکعت پڑھ کر یہ دعا کرو کیوں کہ حدیث پاک میں آیا ہے:

مَا مِنْ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْهِ دُمُوْعٌ الخ[۱۸۶]

یعنی جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے بوجہ خشیتِ الٰہی جو آنسو نکلتے ہیں اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر دوزخ کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔ تو

---

[۱۸۵] روح المعانی: ۶/۱۶۱، المائدۃ (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

[۱۸۶] سنن ابن ماجۃ: ۴۴۶ (۴۱۹۷)، باب الحزن والبکاء، المکتبۃ الرحمانیۃ

محدث عظیم ملّا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ کم سے کم تین آنسو تو گراؤ کیوں کہ حدیث میں جمع کا لفظ **دُمُوْعٌ** آیا ہے اور عربی کا جمع کم از کم تین ہوتا ہے، اس لیے کم از کم آنسو کے تین قطرے تو گراؤ[۱۸۷] حدیث میں ہے کہ خواہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر چھوٹے ہی ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جائے گا۔ اور کبھی زمین پر آنسو گراؤ، سجدے میں رو لو ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ غرض کوئی بہانۂ رحمت نہ چھوڑو۔ آنسو پر تین روایتیں ہیں: ایک تو یہ کہ مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آئے تو دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ نمبر دو جہاں جہاں آنسو لگتے ہیں وہاں آگ حرام ہو جاتی ہے تو آنسوؤں کو مل بھی لینا چاہیے، چہرے پر پھیلا لو، داڑھی میں خوب لگا لو تاکہ زیادہ سے زیادہ حصے پر جہنم کی آگ حرام ہو جائے۔ اور پھر جب وہ جُز کو جنّت کے لیے اُٹھائیں گے تو کُل بھی لے لیں گے کیوں کہ کریم کی شان کے خلاف ہے کہ ہمارے جُز کو جنّت میں داخل کر دے باقی کو جہنم میں پھینک دے۔ نمبر تین یہ کہ ایک روایت میں ہے کہ کچھ آنسو زمین پر گر جائیں، لہٰذا کبھی کبھی بغیر مصلّٰی کے زمین پر نماز پڑھ کے آنسو گرا لو۔ اور زمین کے حکم میں موزیک کا فرش بھی داخل ہے کیوں کہ جس پر تیمم جائز ہو وہ سب زمین کی جنس ہیں اور سیمنٹ کے پکے فرش پر اور موزیک کے فرش پر تیمم جائز ہے۔ لہٰذا قالینوں سے ہٹ کر کہیں ایسی جگہ رو لو۔ اور اگر اتنا آنسو نہ نکلے تو سجدے میں رو لو تاکہ ایک قطرہ بھی گر جائے۔ اور اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی شکل بنا لو۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں نابینا ہو گئے تھے، آپ کی والدہ صاحبہ کثرت سے دعا کرتی تھیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ **قَدْ رَدَّ اللّٰہُ بَصَرَ وَلَدِكِ بِكَثْرَةِ دُعَائِكِ** تیرے بچے کی بینائی کو اللہ نے واپس کر دیا تیری دعاؤں کی کثرت کی وجہ سے۔ تو معلوم ہوا کہ کثرتِ دعا سے کام بنتا ہے۔ بس دو چار دن دعا کر کے چھوڑنا نہیں چاہیے، دعا میں لگے رہو۔ جو شخص کثرت سے دعا کر کے پھر مایوس ہو جاتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے کہ ارے! اتنے دن مانگتے ہوئے ہو گئے ابھی تک

---

[۱۸۷] مرقاة المفاتیح: ۵۴۲/۹ (۵۳۵۹)، باب البکاء والخوف، دار الکتب العلمیة، بیروت

میری دعا کو قبول نہیں کیا۔ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے ناراض ہو جاتے ہیں کیوں؟ کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ گویا اس شخص نے اعتراض کیا کہ ہمارا کام اتنے دن میں بن جانا چاہیے تھا، آپ نے اتنے دن میں نہیں بنایا۔ یہ اللہ پر اعتراض ہے، ایسا شخص نادان ہے، عارف نہیں ہے، اسے پتا ہی نہیں کہ یہ مانگنا کیا کم نعمت ہے۔

امید نہ بر آنا امید بر آنا ہے
اک عرضِ مسلسل کا کیا خوب بہانہ ہے

اگر دعا میں ہماری امید پوری نہیں ہو رہی یا دیر سے پوری ہو رہی ہے تو تم کو تو دعا کی توفیق سے اللہ تعالیٰ سے گفتگو کا شرف مل رہا ہے۔ روزانہ کہہ رہے ہو اے اللہ! یا اللہ! یہ کیا معمولی نعمت ہے؟

امید نہ بر آنا امید بر آنا ہے
اک عرضِ مسلسل کا کیا خوب بہانہ ہے

دیکھیے! اپنے موقع پر اشعار کی فٹنگ، یہ میرا رب مجھے عطا کرتا ہے۔ اس لیے دعا کرتے رہیں۔ بندے کی کوئی حاجت، کوئی پریشانی ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ دفع کرنے پر قادر نہ ہوں۔ دیر ہو تو گھبراؤ مت۔ لگے رہو اور اس صبر پر اجر الگ ملے گا۔ بچے کو تکلیف ہے تو اس کو بھی اجر ملے گا، باپ کو غم ہو رہا ہے اس کو بھی اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو، ایک دن ایسا آئے گا کہ اچانک کام بن جائے گا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ڈاکٹروں نے مجھے مایوس کر دیا ہے کہ تمہاری یہ بیماری اچھی نہیں ہو گی۔ میں نے کہا ڈاکٹروں نے مایوس کیا ہے نا! اللہ تعالیٰ نے تو مایوس نہیں کیا۔ کہا: پھر کیا کروں؟ میں نے کہا: روزانہ تین مرتبہ نماز حاجت پڑھ کر یہی دعا پڑھو، تین مرتبہ روزانہ پڑھو۔ چند مہینے پڑھا، اس کے بعد ایک دن آئے اور کہنے لگے کہ بغیر دوا کے میرا مرض اچھا ہو گیا، اس مرض کا پتا ہی نہیں چلا کہ کہاں گیا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، ہماری ہر حاجت کا یہی علاج ہے۔

ایک دفعہ میرا پوتا اسماعیل بیمار ہو گیا۔ میں ان دنوں ڈھاکہ میں تھا۔ مولانا مظہر میاں نے مجھے فون کیا کہ آپریشن تجویز ہے، میں نے ہسپتال میں اس کے لیے کمرہ

لے لیا ہے۔ میں نے کہا ایک ہفتے کے لیے مہلت دو، مجھے اللہ سے مانگنے کا موقع دو، ایک ہفتے کے بعد تمہیں اختیار ہے، تمہارا بچہ ہے جو چاہو کرو، لیکن ہمارا بھی تو کچھ ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کے عرض کیا کہ یا اللہ! میرے بچے کو آپریشن کے بغیر اچھا کر دیجیے۔ آج چار پانچ سال ہو گئے آپریشن نہیں ہوا، بالکل مرض ہی غائب ہو گیا۔ اللہ سے مانگ کر کے تو دیکھو۔ اگر اپنے ربّا کے اوپر ہم ناز نہیں کریں گے تو کس پر ناز کریں گے اور کوئی ہے کیا؟ کیا کوئی اور دروازہ بھی ہے جس پر ہم جائیں؟

نہ پوچھے سوا نیکو کاروں کے گر تو
کہاں جائے بندہ گناہ گار تیرا

کوئی بھی مرض ہو، چاہے جسمانی ناسور ہو یا روحانی ناسور ہو، پرانے سے پرانا پاپی اور مجرم ہو، مجرمانہ عادت رکھتا ہو اللہ سے رو رو کر مانگے، نہ ٹھیک ہو تو کہنا اختر کیا کہہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اسباب پیدا کریں گے۔ جیسے کہ ماں دیکھتی ہے کہ میرا بچہ مٹی کھاتا ہے اور اس نے چھپ کر کے مٹی کھا لی اور ماں کو پتا چل گیا تو حلق میں انگلی ڈال کر مٹی نکال دے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ گناہوں کا لیا ہوا مزہ آنکھوں سے آنسو نکلوا کر اگلوا دیتے ہیں اور اگر مٹی بچے کے پیٹ میں پہنچ گئی تو ماں آپریشن بھی کراتی ہے۔ اسی طرح جو گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں گے جس سے اس کے دل کے ذرّے ذرّے میں اضطراری کیفیت پیدا ہو جائے گی، یہ اضطرار غیبی آپریشن ہے۔ ایسے مسائل آجائیں گے جس سے گھبرا کر وہ توبہ کرے گا، اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے گا۔ نمبر تین: گھر میں جہاں کہیں مٹی ہوتی ہے تو ماں اس کو جھاڑو سے صاف کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو اپنا مقبول بناتے ہیں اس سے اسبابِ معصیت دور فرما دیتے ہیں۔ نمبر چار: اگر محلّے کا کوئی لڑکا مٹی چھپا کر لائے اس کے بچے کو کھلانے کے لیے تو ماں اس لڑکے کو تھپڑ مارتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں کو ہلاک اور برباد کرتے ہیں جو ان کے خاص بندوں کے لیے گناہوں کے اسباب پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں اس کے یہ چار طریقے میں نے عرض کر دیے اور یہ حدیث اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ[۱۸۸] کی شرح ہے۔

---

[۱۸۸] مجمعُ الزوائد: ۱۰/۲۹۰-۲۹۱ (۱۷۴۱۹)، باب الادعیۃ المأثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم، دار الفکر

دوسری شادی کے متعلق ملفوظات

(ماخوذ از تربیت عاشقان خدا)

ارشاد فرمایا کہ چار شادی کی اجازت ہے، حکم نہیں ہے، اور یہ اجازت مطلق نہیں اس شرط سے مقید ہے کہ شوہر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کمالِ ایمان اور تقویٰ کے ساتھ یہ شرط نازل ہوئی اور آج کل تو ایمان کا کیا حال ہے۔ اس لیے اس زمانے میں ایک ہی پر صبر ضروری ہے ورنہ دو شادی کرکے اگر دونوں میں برابری نہ کی تو سخت گناہ گار ہوگا۔ پھر اس زمانے میں صحت اور قوّت بھی کمزور ہے۔ اُس زمانے میں خون نکلوانا پڑتا تھا اور اب خون چڑھوانا پڑتا ہے۔ اور موجودہ زمانے میں جس نے بھی دو شادی کی دل کا چین و سکون غائب ہوا۔ لیلیٰ کی تعداد بڑھا کر مولیٰ کی یاد کے قابل نہ رہے۔ نظر کی حفاظت نہ کرنے کا یہ وبال ہے کہ ایک لیلیٰ پر صبر نہیں۔

☆ایک صاحب نے دوسری شادی کی اجازت مانگی کہ میں فتنۂ نساء سے محفوظ رہنے لیے دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ جب بیوی موجود ہے تو کیا یہ فتنۂ نساء سے اسبابِ حفاظت میں سے نہیں ہے؟ اس زمانے میں دو بیویوں میں عدل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا کہ زندگی تلخ ہوگئی، اور آخرت کے مواخذہ کا اندیشہ الگ۔ اس زمانے میں ایک ہی بیوی کا حق ادا ہوجائے تو غنیمت ہے۔

☆ایک صاحب نے مستورات میں خانقاہی کام اور مدرسے کی ترتیب کے لیے دوسری شادی کی اجازت مانگی۔

ارشاد فرمایا کہ مستورات میں خانقاہی کام اور مدرسے کی ترتیب بھی نفس کا بہانہ معلوم ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ دوسری شادی کا پیغام بھیجنے کے لیے مشورہ بھی نہیں کیا شاید اس لیے کہ مشورہ میں احتمال تھا کہ آپ کی رائے کے خلاف ہوتا۔ مشائخ کا کام دین کا کام کرنا ہے، لوگوں کو اللہ والا بنانے میں اپنے اوقات کو صَرف کرنا ہے نہ کہ

شادیاں کرنا۔ مشورہ تو پہلے کیا جاتا ہے، موجودہ صورت میں یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا، خود کو فتنے میں نہ ڈالیں یعنی دوسری شادی ہرگز نہ کریں۔

☆ایک صاحب نے خط لکھا کہ مجھے شدت کے ساتھ الہام ہورہا ہے کہ دوسری شادی کرلوں۔

ارشاد فرمایا کہ دوسری شادی کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے کہ لگتا ہے یہ اللہ کا الہام ہے تو آپ کا خیال غلط ہے یہ الہام شیطانی ہے۔ غالباً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سنّت پر عمل کرنا عام سنّتوں کی طرح مستحب ہے، لیکن اس سنّت پر عمل مقید ہے ایک بہت سخت شرط کے ساتھ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً[۱۸۹] پس اگر تم کو غالب احتمال ہو کہ کئی بیویاں کرکے عدل نہ رکھ سکوگے بلکہ کسی بیوی کے حقوق واجبہ ضایع ہوں گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو۔ (بیانُ القرآن) اس زمانے میں ایک ہی بیوی کے حقوق ادا نہیں ہوپاتے چہ جائیکہ دوسری بیوی کے بھی ادا ہوں۔ یہ صحابہ ہی کا ایمان تھا جو چار چار بیویوں میں عدل اور برابری کرسکتے تھے ہم لوگوں میں اب نفس ہی نفس ہے، جس میں حُسن زیادہ ہوگا اس کے ساتھ کم حسین کے حقوق میں عدل کرنا آسان نہیں۔ اندیشہ ہے کہ آخرت میں گردن نپ جائے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دوشادیاں کی تھیں۔ کسی نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ نے دوشادیاں کرکے مریدوں کے لیے دو شادیوں کا دروازہ کھول دیا۔ فرمایا کہ نہیں! میں نے دروازہ بند کردیا۔ دیکھو یہاں دروازے پر ترازو لٹکی ہوئی ہے کوئی پھل آتا ہے تو یہ نہیں کہ ترازو میں صرف ہم وزن کرکے دونوں بیویوں کو دوں بلکہ مثلاً اگر دو تربوز ایک ہی وزن کے آئے تو ہر تربوز کو کاٹ کر آدھا آدھا کرکے دیتا ہوں کیوں کہ اگر آدھا نہ کروں تو ڈر ہے کہ ایک کے پاس میٹھا چلا جائے اور دوسری کے پاس کم میٹھا جو خلافِ عدل ہے۔ اسی طرح اگر کپڑا دینا ہو تو دونوں کو بالکل ایک طرح کا دیتا ہوں اور کسی بیوی کے پاس اگر چھ گھنٹہ رہا ہوں تو دوسری کی باری پر چھ گھنٹہ گھڑی دیکھ کر اس کے پاس رہتا ہوں وغیرہ۔ اتنا عدل کوئی کرسکتا ہے؟ اس عدل کے باوجود فرمایا کہ دوشادیاں کرنا آسان نہیں۔ دوشادیاں اتنی مشکل محسوس

---

[۱۸۹] النساء:۳

ہوئیں کہ بعض وقت خودکشی کا وسوسہ آگیا۔

ارشاد فرمایا کہ دوسری شادی سے بیوی بچوں کے جدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور صرف اندیشہ ہی نہیں اس زمانے میں یہ جدائی یقینی ہے، زندگی تلخ ہوجائے گی۔ ہمارے سامنے بہت سے واقعات ہیں کہ جن بیویوں نے خوشی سے اجازت بھی دی شادی کے بعد اپنی اولاد کے ساتھ شوہر کے خلاف محاذ قائم کردیا۔ اگر دل میں کوئی عورت سمائی ہوئی نہیں ہے، ہونا نہ ہونا برابر ہے تو دوسری بیوی کی چاہت کا اتنا سخت تقاضا کیوں؟ جبکہ قضائے شہوت کا محل (بیوی) موجود ہے، نفس سے ہوشیار رہیں، اس کے کید بہت باریک ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ دو بیویاں رکھنا اور ان میں برابری کرنا خصوصاً اس دورِ نفس پرستی اور ہوس انگیزی میں سخت دشوار بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بشرطِ مساوات اجازت دی ہے، حکم نہیں دیا کہ کئی کئی شادیاں کرو۔ پس اگر مساوات نہ کرسکے جس کا قوی امکان ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب مول لینا ہے۔ اس لیے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس اقدام سے باز رکھے کہ ان کے لیے بڑی آزمایش اور بڑا امتحان ہوگا جس میں مواخذہ کا اندیشہ زیادہ ہے۔

ارشاد فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت حسین تھے، مگر ان کی شادی ایسی عورت سے ہوئی جس پر حُسن کا اطلاق ممکن نہ تھا۔ پہلے زمانے میں بچے اتنے شریف ہوتے تھے کہ ماں باپ جہاں رشتہ لگادیں وہ ماں باپ سے لڑتے نہیں تھے کہ میں کیسا ہوں اور آپ نے انتخاب کیسا کیا؟ خون کے رشتوں کی وجہ سے ترجیح دے دی کہ خون کا رشتہ ہے، اس کا حق ادا ہوجائے گا، صلہ رحمی ہوجائے گی، ایک لڑکی کا گھر بس جائے گا۔ ایک دن ایک شاگرد سے کھانا منگوایا، تیز ہوا سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی کا نقاب ذرا سی دیر کو ہٹ گیا تو دیکھا کہ بیوی امام صاحب کے بالکل برعکس ہے۔ کھانا تو لے آیا، مگر الگ بیٹھ کے رونے لگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کی قسمت پر رورہا ہوں۔ آپ جس قدر حسین ہیں آپ کی بیوی اتنی ہی غیر حسین

ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہنس پڑے اور فرمایا کہ اے بیٹے! میں اس وقت فقہ پر چھ کتابیں لکھ رہا ہوں زیادات، مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر اور تم لوگوں کو پڑھا بھی رہا ہوں۔ اگر بیوی حسین ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس بیٹھا ہوتا اس کے حُسن کا مشاہدہ، معاینہ اور ملاحظہ کرتا۔ تم کہتے کہ استاد کنزالدقائق کا گھنٹہ ہوگیا، میں کہتا کہ میں حُسن الدقائق میں مشغول ہوں۔ پھر جوش میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنے دردِ دل کے لیے منتخب فرماتے ہیں اس کو فانی کھلونوں میں ضایع نہیں کرتے۔

بیوی کے لیے ناک بھوں مت چڑھاؤ کہ ایسی ناک چپٹی ہے، اس کا منہ کالا ہے، مجھے حسین بیوی ملنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کے پیٹ سے کوئی عالم، حافظ، ولی اللہ پیدا کردے جو قیامت کے دن تمہارے کام آئے، اس لیے ان کو حقیر مت سمجھو۔ صورت کو مت دیکھو۔ بعض وقت زمین کالی ہوتی ہے، مگر غلہ بہت بڑھیا نکلتا ہے۔ بعض وقت کالی کلوٹی عورت سے ولی اللہ پیدا ہوتے ہیں اور گوری چٹیوں سے شیطان پیدا ہوتے ہیں، اس لیے بیویوں کو حقیر مت سمجھو، ان کے رنگ و روغن کو مت دیکھو۔

کئی مرتبہ لوگوں نے حضرتِ والا سے عرض کیا کہ اگر کسی کو دوزخ کا عذاب چکھنا ہو تو دوسری شادی کرلے۔

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندیوں کے لیے سفارش نازل کی عَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ[١٩٠] کہ ان کے ساتھ اچھے سلوک سے رہنا۔ یہ بتاؤ کہ اگر شیخ کہہ دے کہ میری بیٹی کا خیال رکھنا، تم میرے داماد بھی ہو اور میرے خلیفہ بھی ہو، اگر تم نے میری بیٹی کو ستایا تو خلافت چھین لوں گا۔ تو بتائیے وہ خلیفہ شیخ کی بیٹی کو ستائے گا؟ وہ تو روزانہ ہاتھ جوڑتا رہے گا کہ اپنے ابّا سے کچھ مت بتانا، اگر کبھی خطا ہو بھی جائے تو اس کو منالے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم نے دوسری شادی کی تو میری بیٹی فاطمہ کو غم ہوگا اور اگر فاطمہ کو غم ہوگا تو مجھ کو غم ہوگا لہٰذا میں حقِ ضابطہ سے نہیں کہتا حقِ رابطہ سے کہتا ہوں کہ تم دوسری شادی مت کرنا۔ معلوم ہوا

---

[١٩٠] النساء:١٩

کہ ہر جگہ قانون بازی نہیں چلتی، خشک ملائیت ٹھیک نہیں ہے، حقِ رابطہ سیکھو اور حقِ رابطہ سے اللہ سے رابطہ ملتا ہے، اللہ کا دین محبت کا راستہ ہے خشک قانون کا راستہ نہیں ہے مگر اہلِ رابطہ اور اہلِ محبت کی صحبت میں رہنے سے یہ خشکی دور ہو جاتی ہے جیسے کسی کو نیند نہیں آتی، دماغ میں خشکی بڑھ جاتی ہے تو اطباء لکھتے ہیں کہ اس کی کشتی دریا میں ڈال دو اور رات بھر وہاں سلاؤ تاکہ پانی کی رطوبت اس کی ناک سے داخل ہو کر اس کے دماغ کی خشکی دور کر دے تو اہل اللہ کے دریاؤں کے پاس رہو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے قلب میں جو اللہ کی محبت ہے وہ آپ کے قلب میں منتقل ہو جائے گی۔

ارشاد فرمایا کہ اسلام میں بیوی کا دل خوش کرنا اور خوش رکھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے متعلق قرآن پاک میں سفارش کی عَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ یعنی اپنی بیویوں سے نیک برتاؤ کرو۔ ایک شخص نے کھانے میں نمک تیز کر دینے پر بیوی کو معاف کر دیا، مرنے کے بعد ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اِسی عمل کی برکت سے بخش دیا کہ میں نے اپنی بیوی کے نمک تیز کرنے کو معاف کر دیا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو چالیس سال کی تھیں شادی کی اور آپ کی ۵۲ سال کی عمر مبارک تک زندہ رہیں مگر اُن کی تکلیف کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی کہ بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تکلیف ہو گی۔

شیخ کے ادب کی تعلیم

حضرتِ والا دامت برکاتہم کے ایک مُجاز نے عرض کیا کہ جب میں خانقاہ آتا ہوں تو بہت سے احباب اور جاننے والے اور مریدین گھیر لیتے ہیں اور مصافحہ شروع کر دیتے ہیں اور بعض ہاتھ چومنے لگتے ہیں اور ایک مجمع سالگ جاتا ہے جو خانقاہ میں مجھے خلافِ ادب معلوم ہوتا ہے، بہت منع کرتا ہوں لیکن لوگ نہیں مانتے۔ مجھے اس معاملے میں بہت تشویش ہے۔

ارشاد فرمایا کہ شیخ کا ادب یہ ہے کہ خانقاہ میں جانے کے بعد اپنا وجود ہی نظر نہ آئے کہ ہم کیا ہیں۔ سب مریدین اور معتقدین کو سمجھا دو کہ شیخ کے سامنے میں شیخ نہیں ہوں، شیخ کے سامنے میں شیخ کا غلام ہوں۔ لہٰذا یہاں کوئی میرا ہاتھ چومے گا یا نصیحت سننے کے لیے مجمع لگائے گا یا جوتے اُٹھائے گا تو میں سختی سے پیش آؤں گا، چاہے کوئی مرید ہو یا غیر مرید ہو سب کو ڈانٹ دو کہ مجھے برباد مت کرو اور بدنصیب مت بناؤ کیوں کہ اگر میں بے ادب ہوں گا تو بے نصیب ہو جاؤں گا کیوں کہ باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ کے ساتھ سفر میں جاؤ تو خادم بن کر جاؤ، مخدوم بن کر مت جاؤ کہ مریدوں کے مجمع کو لے گئے، کوئی ہاتھ دبا رہا ہے، کوئی پاؤں دبا رہا ہے، جب مخدوم بنو گے تو شیخ کی خدمت کیسے کرو گے اور نفس کیسے مٹے گا؟ نفس کی چالیں بہت باریک ہوتی ہیں، مخلوق میں عزت دکھا کر نفس اندر اندر خوش ہوتا ہے۔ نفس بہت مشکل سے مٹتا ہے۔ شیخ کے سامنے ذلیل ہو جاؤ، اس کے پاؤں میں خود کو خوب رگڑوا لو۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ حُبِّ جاہ صدیقین کے سر سے بھی سب سے آخر میں نکلتی ہے۔

شیخ کے انتقال کے بعد بھی اس کا اور اس کی اولاد کا، اس کے بیٹوں کا، اس کے پوتوں کا ادب لازم ہے۔ خصوصاً اس کی اولاد، بیٹے پوتے اگر عالم اور حافظ بھی ہوں تو سونے پر سہاگہ ہے کہ ان کو شیخ کی نسبت بھی ہے اور علمِ دین کی نسبت بھی ہے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جہاں بیٹھتے تھے تو پہلے ایک کپڑا بچھاتے تھے لیکن اپنے شیخ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر حاضر ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ادب کی وجہ سے بغیر کچھ بچھائے زمین پر بیٹھ گئے اور رو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی اور آپ کو بھی اور سب کو باادب بنادے اور بے ادبی سے بچائے، آمین۔ آخر میں فرمایا کہ شیخ کے ادب کا یہ مضمون کبھی کبھی مجلس میں سنوا دیا کرو۔

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ چند سال پہلے حضرتِ والا نے ایک صاحب کو اجازت بیعت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنی مجلس کا وہی وقت رکھا جو رات کو حضرتِ والا کی مجلس کا وقت ہوتا ہے اور مجلس میں نہیں آئے۔ حضرتِ والا نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں؟ معلوم ہوا کہ ان کے گھر پر ذکر کی مجلس ہو رہی ہے۔

حضرتِ والا نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ جو میری مجلس کو چھوڑ کر اپنی مجلس کو گرم کرے گا اس کی گرمیاں بھی سردیاں ہوں گی۔

ایک اجازت یافتہ نے عرض کیا کہ سخت عذر و معذرت کے باوجود اور علم و عمل کے اعتبار سے بے مائیگی کے باوجود لوگ حُسنِ ظن کی وجہ سے احقر کو بیانات پر مجبور کرتے ہیں۔ اس وقت یہ ہفتہ واری سلسلہ شہر کی مختلف مساجد میں جاری ہے، پتا نہیں یہ سلسلہ مجھے جاری رکھنا چاہیے یا نہیں؟

ارشاد فرمایا کہ غور کریں کہ ”لوگ مجبور کرتے ہیں“ کوئی چیز آپ کو اپنے شیخ کی مجلس میں آنے پر مجبور نہیں کرتی؟ ہمارے بزرگوں کا کیا طریقہ رہا ہے؟ اپنے بیانات کی مجالس سجانا یا شیخ کی مجلس میں خود کو مٹانا؟ بیانات کے لیے وقت نکل آنا اور اپنے شیخ کے پاس آنے کی فرصت نہ ملنا قلت محبت کی علامت ہے۔ اولیاء اللہ کی تاریخ شاہد ہے کہ جنھوں نے اپنے مشایخ کی قدر کی اللہ نے ان ہی سے دین کا کام لیا۔

چندے سے متعلق حضرتِ والا دامت برکاتہم کی نصیحتیں

واللہ! اختر اپنے بزرگوں کے اعتماد پر، حرم کے اندر کہتا ہے کہ جس کے دل میں اللہ آتا ہے کائنات اس کی نگاہوں سے گر جاتی ہے، اس کے سامنے سلاطین کیا بیچتے ہیں۔ یہ ملّاؤں کو حقیر سمجھنے والے ہوش کے ناخن لیں۔ ان کو خبر ہی نہیں کہ اللہ والوں کے قلب میں کیا نعمت ہوتی ہے۔ ورنہ تجربہ کر لو آج کسی کو گورنری مل جائے تو وہ صدر مملکت کے جوتوں پر پالش کرے گا اور اللہ والے ہیں کہ خاطر میں نہیں لاتے سلاطین کے تخت و تاج کو۔ اپنے مولیٰ کی یاد میں مست ہیں۔

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا
صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

جس کو اللہ ملتا ہے تو وہ ساری کائنات پر غالب ہوتا ہے اور اگر یقین نہ آئے تو بزرگوں کے اس ادنیٰ غلام کے ساتھ ایک سفر کر کے دیکھو کہ کیسے کیسے رئیس اور مال دار اس فقیر کے سامنے اور بڑے بڑے علماء عزت کرتے ہیں۔ کل جنہوں نے مجھ پر بیت العلوم میں پڑھنے پر طنز کیا تھا اور مذاق اڑایا تھا کہ ”ارے تم کو کون پوچھے گا؟ بیت العلوم کو کون جانتا ہے؟“ آج علمائے دیوبند اس فقیر کی بات نوٹ کر رہے ہیں خوب سمجھ لو اللہ والوں کی غلامی معمولی بات نہیں ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہوتا ہوں تو میں آسمانوں پر ناز کرتا ہوں، ستاروں پر حکومت کرتا ہوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اصل میں کچھ غیر تربیت یافتہ دنیادار مولویوں نے امیروں کے دروازے پر جا جا کر چندہ مانگ کر مال داروں کا دماغ خراب کر دیا، ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ والوں کی دولت کا اگر پتا چل جائے تو یہ ساری دنیا کے بادشاہ اپنے تخت و تاج ان کے قدموں میں رکھ دیں اور کہیں کہ یہ دولت جو آپ کے اندر ہے ہمیں بھی دے دو ورنہ ہم تلوار سے ابھی حملہ کر دیں گے۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تلواروں سے یہ دولت نہیں ملتی، یہ تو ان کی جوتیاں اٹھانے سے ملے گی۔ جو لوگ کہتے ہیں ان بزرگ پیروں سے کیا ملتا ہے؟ میں کیا کہوں اپنے بزرگوں کی غلامی کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش دیکھ رہا ہوں ایک لاکھ قسمیں کھالوں تو بھی حق ادا نہیں کر سکتا۔

جو دل پر ہم ان کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سرکاری مولوی رام پور ریاست کا ملازم آیا۔ شاہ صاحب اس وقت بخاری شریف

کا درس دے رہے تھے اس کی بے ادبی دیکھو کہ شاہ صاحب کی تقریر کے درمیان فوراً بول پڑا کہ آپ کو نواب صاحب نے بلایا ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ تشریف لائے تو نواب صاحب آپ کو ایک لاکھ اشرفی نذرانہ دیں گے۔ اب مولوی سمجھا کہ جیسا میں ہوں ویسے ہی ابھی شاہ صاحب کے منہ سے بھی پانی بہنے لگے گا۔ لیکن شاہ صاحب نے کیا فرمایا او مولوی صاحب! سن لاکھ روپے پر ڈالو خاک اور سنو میری بات، اور پھر یہ شعر پڑھا؎

جو دل پر ہم ان کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتے ہیں

وہ مولوی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کو لوگوں نے پہچانا نہیں؎

اشقیا را دیدۂ بینا نبود
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبختوں کے دل کی آنکھیں اندھی تھیں، ان کو اچھے اور بُرے ایک سے نظر آئے۔ میرا بھی ایک اردو شعر ہے؎

لب ہیں خنداں جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

یہ دردِ دل معمولی نعمت ہے؟ اگر ایک کروڑ کی سلطنت بھی شاہ صاحب کو نذر کرتا تو ان کے دردِ دل کی قیمت ادا نہ کر سکتا۔ آج بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد اللہ والوں کی جوتیوں کے صدقے میں ملتا ہے، پھر مولوی مولوی ہوتا ہے مولیٰ والا، پھر اسے خود بھی احساس ہوتا ہے کہ میں رئیس الکائنات ہوں۔ اللہ والا حافظ قرآن ہے، عالم ہے، گھر میں چٹنی روٹی ہے، کپڑوں پر پیوند لگے ہیں مگر اس کا دل مست ہوتا ہے کہ میں رئیس الکائنات ہوں کہ مولائے کائنات میرے دل میں ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم شاہ صاحب بنے ہوئے ہو، شاہوں کے پاس تو خزانہ ہوتا ہے تمہارے پاس کتنا سونا ہے؟ اس نے کہا؎

بخانہ زر نمی دارم فقیرم
ولے دارم خدائے زر امیرم

میرے گھر میں سونا نہیں ہے، میں فقیر ہوں لیکن میرے دل میں سونے کا خالق ہے میں ایسا امیر ہوں۔

حضرتِ والا دامت برکاتہم کا طرزِ عمل اور سلسلے کی برکات

ارشاد فرمایا کہ میرے سفر افریقہ، امریکا، کینیڈا، نیویارک، شکاگو، ڈیے ٹو رائٹ اور ایڈ منٹن میں ہو رہے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے آج سارے عالم میں مجھے یہ توفیق اور سعادت اللہ پاک کی رحمت سے اور بزرگوں کی دعاؤں کے صدقے میں حاصل ہو رہی ہے کہ میرا سفر ہو رہا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے میرے ساتھ سفر کیا ہے ان سے پوچھو کہ میری تقریر کا رنگ مال داروں کے سامنے کیا ہوتا ہے اور علماء کے سامنے کس طرح تقریر کرتا ہوں۔ جن کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ وہ کمپیوٹر سے اپنا پیسہ معلوم کرتے ہیں گن نہیں سکتے۔ جو مجھے جنوبی افریقہ بلاتا ہے اس نے خود ہی بتایا کہ میرے پاس اتنی دولت ہے کہ مجھے خود پتا نہیں، کمپیوٹر سے معلوم کرتا ہوں۔ لیکن اس نے میرا پیر دبایا، تو سارے علمائے جنوبی افریقہ نے کہا کہ اس کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مولوی کا پیر دبایا ہو، لیکن آپ کے پیر کیوں دبا رہا ہے؟ میں نے کہا اس نے میرا اس لیے پیر دبایا کہ میں اس کی جیب نہیں دباتا ہوں، وہ مجھے اپنی دوکان پر لے گیا تھا جو اتنی بڑی تھی جیسے ایئرپورٹ۔ اس نے مجھ سے کہا جو چیز آپ کو پسند ہو وہ لے لیں، مجھے بہت خوشی ہوگی۔ میں نے کہا کہ مجھے تو آپ پسند ہیں، اگر آپ میری مجلس میں آئیں اور اللہ کی محبت کی بات سنیں تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے ساری دوکان میرے نام لکھ دی۔ مولانا حسین بھیات بھی ساتھ تھے۔ آپ بتائیے کہ سفر میں میں نے کسی مدرسے کا نام لیا؟ کسی مسجد کے منبر پر، کسی جلسے میں میں نے اپنے مدرسے گلشن اقبال کا نام نہیں لیا، اس لیے کہ کہیں ان کے دلوں میں یہ وسوسہ نہ آجائے کہ اچھا ”آمدم بر سرِ مطلب“۔ میں نے کہا کہ یہ اللہ کی محبت ہے اگر میرے پاس مدرسہ بھی نہ ہو اور بالفرض عمارت بھی خانقاہ کی نہ ہو تو ان شاء اللہ اختر جنگل میں بھی بیٹھ جائے گا تو دیکھنا وہاں کیا عالم ہو گا اور دیکھ لیا جنگل میں آپ نے۔ بتاؤ مولوی حسین! جب میں تالاب و دریا کے کنارے جنگل گیا ہوں تو کیا مخلوق کا ایک جم غفیر نہیں پہنچا؟

چوں بنالم چرخ ہا نالاں شوند
چوں بگریم خلقہا گریاں شوند

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ہے اس کو میرے شیخ سناتے تھے اکثر مال میرا میرے شیخ شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جب میں اللہ کی محبت میں روتا ہوں تو ایک مخلوق میرے ساتھ روتی ہے اور جب میں آہ و نالہ کرتا ہوں تو آسمان میرا ساتھ دیتا ہے اور ایسی جگہ پہ آہ کرتا ہوں کہ جہاں کوئی مخلوق میرے ساتھ نہیں ہوتی ۔

آہ را جز آسماں ہم دم نبود
راز را غیر خدا محرم نبود

جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو! جلال الدین جب اللہ کی محبت میں آہ کرتا ہے تو پوری کائنات وہاں نہیں ہوتی میری آہ کا ساتھی صرف آسمان ہے اور میری محبت کے راز کو سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں جانتا۔

ہمارے اکابر کا طریقہ

میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی صاحبِ باطن چندے کے لیے دروازے دروازے نہیں پھر سکتا۔ اگر اس کے قلب میں مولیٰ ہے تو اسے غیرت آتی ہے، بتائیے! آپ نے مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ دروازے دروازے پھر رہے ہوں؟ مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو: زکوٰۃ کا دس ہزار چندہ آیا تھا۔ مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے واپس کر دیا کہ اس سال جتنے طلباء ہیں ان کے لیے جتنی رقم سال بھر کے لیے چاہیے وہ میرے پاس ہے اس لیے کسی اور مدرسے میں دے دو جہاں ضرورت ہو۔ مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، مفتی محمود الحسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے بانی، ہمارے جتنے اکابر گزرے ہیں آپ بتاؤ یہ رسید بک لے کر دروازوں پر گئے ہیں؟ کراچی کے ایک مشہور مولانا جن کی مسجد کراچی میں مشہور ہے، انھوں نے ہمیشہ قربانی کی کھالیں جمع کرنے کے لیے میٹرک پاس لڑکوں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگ پتلون پہنتے ہو پتلون ہی میں جانا تاکہ عربی پاجامے اور لمبے کرتے کی توہین نہ ہو کیوں کہ تمہارا تو لباس ہی یہی ہے۔

تو انہوں نے کبھی کسی مولوی کو قربانی کی کھال کے لیے نہیں بھیجا، مسٹروں کو بھیجا کہ تم لوگ مسٹر ہو تم جاؤ گے تو تم کو حقیر بھی نہیں سمجھیں گے۔ کیوں کہ داڑھی والے کو تین چیزیں جمع کرنا بعض اہلِ فتاویٰ کے نزدیک مکروہ ہے۔ داڑھی، رمضان اور وہ بیگ جس میں رسید بک ہوتی ہے، کیوں کہ اسے دیکھ کر اہلِ مال گھبرا جاتے ہیں اور ظاہر بات ہے کسی مومن کو پریشان کرنا منع ہے۔ ایک لطیفہ بھی ہے کہ ایک مولوی صاحب نے ایک سیٹھ صاحب سے کہا کہ مدرسے میں چندہ دو تو اس نے کہا کہ بھئی دیکھو! آپ ہی لوگوں سے سنا ہے کہ کسی مؤمن کو اذیت دینا حرام ہے اور پیسوں کی گفتگو سے مجھے اذیت ہوتی ہے۔ یہ حرام کام مولانا کیوں کر رہے ہو آپ؟ آیندہ مال کی بات مت کیا کرو۔

رنگون کے ایک مولوی صاحب کا واقعہ

ایک مولوی صاحب رنگون گئے تھے، ان کو چندہ نہیں ملا تو حکیم الامّت رحمۃ اللہ علیہ سے رو رہے تھے کہ حضرت اہلِ رنگون نے میرے ساتھ بہت ہی بے وفائی کی کہ چندہ نہیں دیا۔ فرمایا: مولانا! رنگون کیوں گئے تھے؟ رنگین ہونے؟ حجرے میں دو رکعت پڑھ کر روتے تو اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام کرتے اور اگر عزت نفس اور عظمت دین سے کام نہ ہو تو ہرگز دین کا کام مت کرو۔ ہم اس کے مکلف نہیں ہیں، ہم جھونپڑی میں اللہ کی محبت سکھائیں گے، آسمان کے نیچے سکھائیں گے، درخت کے نیچے سکھائیں گے، جنگل اور پہاڑوں کے دامن میں دین سکھائیں گے۔ اختر کو جغرافیائی اعتبار سے تین چیزیں عزیز ہیں: لبِ دریا، دامنِ کوہ اور سکوتِ صحرا۔ الحمد للہ! کوئی یہ بات ثابت نہیں کر سکتا کہ اختر یا اس کی اولاد کسی کی دوکان پر گئے ہوں۔ بتاؤ دین کا کام ہو رہا ہے یا نہیں؟ یہ میں نے اپنے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل

ہمارے شیخ کی مسجد پھولپور میں آج بھی نور میں ڈوبی ہوئی ہے۔ جہاں حضرت کئی کئی گھنٹے روزانہ کبھی پانچ پارے کبھی دس پارے، قصیدہ بردہ مکمل، مناجات مقبول کی ساتوں منزلیں زبانی پڑھا کرتے تھے۔ حضرت نے مسجد کے ایک حصے پر چھت ڈالی تھی

دوسرے حصے میں چھت نہیں تھی، تہجد عموماً اسی حصہ میں پڑھتے تھے پوری زندگی اس میں گزار دی اور وہیں سے پاکستان ہجرت کی۔ مگر کبھی کسی سیٹھ سے نہیں کہا کہ یہ چھت خالی ہے اس پر چھت ڈالنا ہے۔ اپنی زندگی میں میں نے حضرت کو دیکھا بڑے بڑے نوابوں نے بلایا ریاست رام پور کے نواب ہوں یا نواب چھتاری ہوں، حضرتِ والا سب سے مستغنی رہے۔ میں نے خود دیکھا کہ حضرت کے رعب کی وجہ سے نواب چھتاری کے ہونٹوں پر لرزش تھی۔ زندگی اسی درویشی میں گزار دی، بڑے بڑے مال دار بھی آتے تھے، مگر واہ رے میرے شیخ عجیب و غریب حالات تھے یہاں تک کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑا کہ اے پھولپور والو! مولانا کے مدرسے کو چندہ دو، ان کا نام عبد الغنی ہے۔ یہ کسی سے نہیں کہیں گے کہ تم چندہ لاؤ۔ لیکن یاد رکھو اگر تم لوگوں نے چندہ نہ دیا تو تمہاری گردن قیامت کے دن پکڑی جائے گی۔

یہ بات شیخ نے مجھے سنائی اور میں آپ کو بتارہا ہوں۔ جو بات میری زبان سے سنو گے چاہے کوئی کتنا ہی بڑا مقرر ہو لیکن چوں کہ وہ ساتھ نہیں رہا لہٰذا روایت در روایت میں روایت کی صحت اور معانی کا صحیح تحفظ مشکل ہوتا ہے اور میں چوں کہ بڑی للچائی اور بہت ہی حرص اور طمع کے ساتھ حضرت کی بات سنتا تھا میری آنکھیں بھی شیخ پر حریص تھیں اور کان بھی حریص تھے کہ کوئی لفظ نہ رہ جائے، لہٰذا میرے شیخ نے مجھے سنایا کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سرائے میر تشریف لائے تھے اور فرمایا کہ اس مدرسے کا نام بیت العلوم رکھتا ہوں، اللہ اس کو دار العلوم بنادے اور یہ مصرع پڑھا ؎

ہر کجا پستی ست آب آں جا رود

جہاں پستی ہوتی ہے پانی اسی جگہ آجاتا ہے۔ اس لیے جو تواضع سے رہتا ہے اسی کو اللہ ملتا ہے، اور جو اکڑ کر رہتا ہے، اہل اللہ سے مستغنی رہتا ہے اس کو اللہ نہیں ملتا اور حضرت حکیم الامّت نے پھولپور کے لیے فرمایا کہ پھول کے لفظ کی رعایت سے پھولپور کے مدرسہ کا نام روضۃ العلوم رکھتا ہوں پھولپور کی مناسبت سے۔ پھر عوام سے فرمایا کہ بھئی! عبد الغنی ہے ان کا نام، ان سے امید مت رکھنا کہ یہ تم سے مانگیں گے۔ واقعی میں نے ساری زندگی دیکھا کہ کبھی کسی سیٹھ سے سوائے دردِ دل اور اللہ کی محبت کی باتوں

کے ان کی زبان سے پیسے کا نام نہیں سنا۔ اگر کوئی اس زمانے کا شمس الدین تبریزی ہو سکتا تو وہ شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ ہوتے۔

بعض مہتمم حضرات کے طرزِ عمل پر نکیر

ارشاد فرمایا کہ جتنی چادر ہے اتنے پاؤں پھیلاؤ، جتنی استطاعت ہے اس کے بقدر دین کا کام کرو۔ یہ کیا کہ طلباء سے مدرسہ بھر لیا اور چندے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں، جو مال دار آیا اس سے کہا: دیکھو! اس سال طلباء زیادہ لے لیے ہیں، بجٹ میں پیسے بھی نہیں ہیں ذرا مدرسہ کا خیال رکھنا، یہ کیا ہے؟ اگر دل میں نسبت مع اللہ نہیں ہے تو بجائے اللہ کی محبت کے درد کے تمہاری زبان سے طلبِ زر اور مال کی طلب نکلے گی۔ اور یہاں تک کہ اگر اس مال دار نے کرتے کے اندر ہاتھ ڈال کر کھجلایا تو وہ سفیر سمجھے گا کہ کوئی بڑا نوٹ نکالنے والا ہے۔ ایک سفیر نے خود بتایا کہ ایک سیٹھ سے میں نے کہا کہ چندہ لاؤ تو اس کے کھجلی لگ گئی۔ اس وقت اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا کھجلانے کے لیے سفیر صاحب سمجھے کہ بڑی جیب ہے کوئی بڑا نوٹ نکالے گا لیکن جب اس نے خالی ہاتھ نکالا تو اتنا غصہ آیا کہ بس۔ دوستو ہم نے تو اپنے شیخ سے یہ سیکھا ہے کہ پیٹ میں چٹنی روٹی ڈال لو مگر اہلِ مال سے مستغنی رہو۔ میں واللہ کہتا ہوں جو مہتمم کتنا ہی بڑا خلیفہ ہو لیکن اگر کبھی اس نے مال داروں سے چندہ کے لیے کہا تو اس سے دین کی بات لوگ نہیں سنیں گے، بلکہ صورت دیکھتے ہی ڈر جائیں گے کہ آ گئی کالی بلا، یہ پھر کچھ مانگے گا۔ بس اللہ کی محبت سکھانے کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دو، شعبہ تزکیہ نفس بہت حساس مضمون ہے۔ اللہ کی محبت سکھانا بہت حساس مضمون ہے یہ اتنا نازک مضمون ہے، یہ اتنا مبارک مضمون ہے کہ اس کے ساتھ چندہ اور طلب زر جمع نہیں ہو سکتے۔ بتایئے اگر دن بھر کوئی چندہ مانگے اور کسی رئیس سے کہے کہ میرا بیان کراؤ تو رئیس سنے گا اس کی بات؟ رئیس تو کیا عوام بھی ایسے مولوی کی بات نہیں سنتے۔

ایک عالم کا افسوسناک واقعہ

میں نے ڈھاکہ میں ایک محدث کے لیے ایک رئیس سے کہا کہ یہ بہت بڑے محدث ہیں آپ ان کے مدرسے میں جا کر خود چندہ دے دیں۔ کیوں کہ انہوں نے مجھے

بتایا ہے کہ وہ مقروض ہیں۔ اس رئیس نے کہا کہ ان محدّث صاحب سے کہیے گا کہ وہ آکر میرے گھر سے پیسے لے لیں۔ میں نے کہا کہ آپ گھر کیوں بلا رہے ہیں؟ کیا اس میں دین کی عظمت ہے؟ کہا نہیں وہ ہر مہینہ رسید بک لے کر خود آتے ہیں۔ تو آپ ہی بتائیے یہ کیا ہے؟ بس ہم کچھ نہیں کہتے ہیں، جن کے نزدیک اس طرح سوال کرنا جائز ہے وہ جانیں مگر اختر نے جو اپنے بزرگوں سے سیکھا ہے کہ اُمراء کے سامنے استغنا سے رہو لیکن جو لوگ میرے مزاج سے واقف ہیں اور بعض دفعہ میرے ساتھ سفر میں رہے ہیں، افسوس ہے کہ میرے مزاج کی رعایت نہیں کرتے، ان سے کہتا ہوں میرے مزاج کے خلاف کوئی بات ایسی میرے کان میں مت ڈالو کہ جس سے میں تمہاری محبت میں مجبور ہو کر لوگوں کو توجہ دلاؤں یہ میری غیرت اور میرے دینی مزاج کے خلاف ہے۔

علمائے کرام کے لیے آبِ زر سے لکھنے کے قابل بات

آپ بتائیے! سندھ بلوچ سوسائٹی کراچی میں ڈیڑھ سال تک زمین کے اوپر آسمان کے نیچے روزانہ دوستوں کے ساتھ نوافل پڑھ کر دعا کی کہ یا اللہ یہاں خانقاہ کے لیے کوئی زمین دلوا دیجیے جہاں اللہ کا نام لوں اور دوستوں کو تصوف اور آپ کی محبت سکھاؤں۔ مگر میں نے اس کے لیے کوئی اعلان نہیں کیا کہ مجھے خانقاہ کے لیے پیسے دو۔ تو بھئی میں نے اپنے بزرگوں سے یہ ہی سیکھا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کے لیے مامور فرمایا ہے وہ بہت محتاط رہیں۔ چاہے کوئی کتنا ہی خاص ہو، اخص الخواص ہو اس سے بھی کبھی سوال نہ کریں ورنہ اس کے قلب سے بھی ایسے عالم کی عظمت ختم ہو جاتی ہے۔ دو لفظ میں نے علماء کو بتائے کہ عزتِ نفس اور عظمتِ دین سے کام کرو یہ دو لفظ یاد کر لو، ڈائری میں نوٹ کر لو کہ عزتِ نفس اور عظمتِ دین۔ کوئی تمہارا خاص سے خاص بھی ہو، اس سے بھی نہ کہو تجربہ یہی ہے کہ جو مستغنی رہتا ہے لوگ اس کے دردِ دل کی بات سنتّے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ ہم بڑا مدرسہ بنائیں اور سوال کر کے اپنے دردِ دل کو مٹی کریں۔ جس کو سو دفع غرض ہوگی ان شاء اللہ ہم اسے دین سکھائیں گے، باقی جو اس کام کو دوسرے انداز سے کر رہے ہیں ان پر میرا کوئی اعتراض نہیں ہے کیوں کہ ہر شخص کے مختلف حالات ہیں۔ لہٰذا ہم سب علماء کی عظمتوں کو علی الرأس والعین رکھتے ہیں۔ مدارس کا وجود یقیناً بہت

ضروری ہے، لیکن ہم کو جو تعلیم دی گئی میں وہی تعلیم پیش کر رہا ہوں۔ جس کو اس تعلیم سے مناسبت نہ ہو وہ میری تعلیم کو چھوڑ کر دوسرے طبقے سے تعلق کرلے لیکن میں نے جو سبق لیا ہے وہ یہی لیا ہے اور میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔

اِستغنا کی برکات کا واضح ثبوت

کتنے سال سے میں جنوبی افریقہ جارہا ہوں۔ کتنے بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کبھی میں نے بتایا ہو کہ میرا ایک مدرسہ بھی ہے۔ یہی میں نے شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا ہے۔ ان شاء اللہ شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام قیامت تک روشن رہے گا۔ اگر مال داروں سے ربط ہوتا، تو نام ختم ہو جاتا۔ اگر کسی سے مدرسہ نہ چل سکے تو استعفا دے دو یا مدرسہ بند کر دو لیکن امیروں کے سامنے ہاتھ مت پھیلاؤ۔ صاحبِ باطن کو بہت زیادہ حساس رہنا چاہیے اور دیکھو اسی کی برکت سے کام ہو رہا ہے۔ اور مجھے طبعی طور پر اسی ذوق سے مناسبت ہے۔ اور میرے بزرگوں کی برکت ہے کہ جنوبی افریقہ میں تربیت یافتہ کتنے لوگ اس ذوق کے نتیجے میں میرے ہاتھ پر داخلِ سلسلہ ہوئے، میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں اور اپنے بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ سمجھتا ہوں۔

اللہ والوں سے چندے کی سفارش کرانے کی قباحت

مجھے کوئی مالیاتی معاملے میں مجبور نہ کرے۔ یعنی بعض لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے مریدوں میں سے سیٹھ لوگوں کو ایک خط لکھ دیں، کوئی کہتا ہے ٹیلی فون کر دیں، کوئی کہتا ہے چندے کی سفارش کر دیں۔ میں نے کہا میں اپنے لیے نہیں کرتا تو کسی کے لیے کیوں کروں؟ میں چھ سال تک مقروض رہا ہوں۔ جب خانقاہ بنی تھی مجھ پر چھ لاکھ روپے کا قرضہ تھا۔ لیکن یہ طریقہ کہ چندے کی سفارش کرنا اور مال داروں کے دَر پر جانا، بھائی! میرے حلق سے نہیں اترتا۔ اس لیے میں نے اپنے ایسے دوستوں سے کہا کہ مجھے چندے کے لیے مجبور نہ کرو، مجھ سے کہو بھی مت کہ اتنے روپے کا انتظام کر دو۔ اس بات سے میرے قلب کو اختلاج شروع ہو جاتا ہے، میرے مزاج کو سخت دھچکا لگتا ہے، کیوں کہ جب میں اپنے لیے ہی چندہ نہیں کرتا تو دوسروں کے لیے کیوں ذلّت اُٹھاؤں؟

ہم مہتمم لوگ تو خود غم میں اور ہزاروں ہموم میں رہتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے نہ میں اپنے لیے چندہ کرنا چاہتا ہوں نہ مجھے کوئی علمائے دین میں سے مجبور کرے۔

اہل اللہ کی اصل میراث اُن کا دردِ دل ہے

یہ بتارہا ہوں کہ اہلِ علم حضرات سے بہت ہی مؤدبانہ گزارش ہے کہ اللہ کے لیے کوئی مجھ سے رقومات اور مالیاتی گفتگو نہ کرے کہ میرے لیے اتنا انتظام کرو۔ جو میں نے زندگی بھر سیکھا، اللہ کی محبت سیکھی، یہ مجھ سے سیکھنا ہے تو میرے ساتھ رہو ورنہ مجھے متروکِ عنادل قرار دے دو۔ پھول مرجھا جاتے ہیں تو سارے بلبل بھاگ جاتے ہیں۔ ان کا نام متروکِ عنادل رکھا ہے۔ مجھے متروکِ عنادل قرار دے دو، لیکن جو بات میں نے اپنے بزرگوں سے سیکھی ہے وہ سکھاؤں گا۔ وہ میراث حاصل کرو جو اختر نے اپنے بزرگوں سے پائی ہے۔ پیسہ اور ساری دنیا، پوری کائنات اگر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو خدا کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا:

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً[۱۹۱]

آج مچھر کا پر مجھ سے مانگ رہے ہو۔ میرے ساتھ سفر کر کے دیکھو کہ دریاؤں کے کنارے، تالابوں کے کنارے، درختوں کی جھرمٹ میں، صحراؤں میں اور پہاڑوں کے دامنوں میں میں نے اللہ کا نام لیا ہے یا سیٹھوں سے مچھر کا پر طلب کیا ہے؟ سچ کہتا ہوں کہ جو مزہ مجھے صحراؤں میں آتا ہے وہ مجھے شہر میں نہیں آتا، میرا ذوق یہ ہے؎

آہ را جز آسماں ہم دم نبود
راز را غیر خدا محرم نبود

میرے بیٹے مولانا مظہر سلمہٗ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے خلیفہ ہیں۔ وہ کبھی کبھی مقروض بھی ہوئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس بیٹے کو جزائے خیر دے، کبھی

---

[۱۹۱] جامع الترمذی: ۵۸/۲، باب ما جاء فی ھوان الدنیا علی اللہ، ایچ ایم سعید

اس نے نہیں کہا کہ ابّا آج کل میں مقروض ہوں، کسی مرید سے، آپ اہلِ خیر سے کچھ اشارہ کردیں تاکہ میرا قرضہ ادا ہوجائے۔ مدرسہ وہی چلاتا ہے، یہ جو ڈیڑھ ہزار طلباء ہیں اس میں حافظ اور عالم ہو رہے ہیں، اس مدرسہ سے میرا تعلق مولانا کی محنتوں سے ہے۔ میرا تو وہی ذوق ہے کہ جہاں کسی ملک نے اللہ کی محبت میں بلایا فوراً پاسپورٹ ویزا لگوایا اور کبھی لندن، کبھی کینیڈا اور کبھی انگلینڈ روانہ ہوگیا۔

سارا عالم حضرتِ والا کے دردِ دل کا قدر دان ہے

ایڈمنٹن والوں سے میں نے کہا جو کینیڈا کا بڑا شہر ہے۔ میں تم سے چندہ مانگنے نہیں آیا ہوں۔ میں تمہارے لیے ایڈ من یعنی دل کی امداد لایا ہوں، ایڈ معنٰی مدد اور من معنٰی دل اور ٹن معنٰی خوشی۔ ایڈمنٹن میں تمہارے دل کی خوشیوں کا ایڈ یعنی امداد لایا ہوں۔ میں اللہ کی محبت سکھانے آیا ہوں۔ میرے دردِ دل کو غنیمت جان لو۔ مجھے اس سے نیچی چیزوں پر مت مجبور کرو، کیوں کہ میں عزت نفس اور عظمت دین پر عمل کرتا ہوں، جنوبی افریقہ کے علماء کو یہی دو لفظ سکھائے کہ عزت نفس اور عظمت دین کے ساتھ جتنا کام کرسکو کرو ورنہ کام نہیں کرو۔ مولانا مظہر میاں سے بھی میں نے کہا ہے کہ مدرسہ اتنا چلاؤ جتنا عزت نفس اور عظمت دین سے چلے، اور بابا سے یہ توقع نہ رکھنا کہ تم کہہ دو کہ آج کل مقروض ہوگیا ہوں اور باپ سب مریدوں کی جیب تلاش کرے۔ اس مضمون سے مجھے دور رکھو اللہ کے لیے، کیوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا درد بخشا ہے کہ سارے عالم میں جہاں بھی جارہا ہوں اس وقت ساری دنیا میرے درد کی خریدار ہے۔

شیخ کے ساتھ معاملے کا ایک سبق

دیکھیے! ایک بات کہتا ہوں کہ ایک زمانے تک مجھ پر قرضہ تھا۔ حضرت شیخ کے حکم پر چھ سال تک خانقاہ تعمیر ہوئی میں نے ایک دفعہ حضرتِ والا ہردوئی سے عرض کیا کہ حضرت! دعا فرمادیجیے کہ میرا قرضہ ادا ہو۔ بس حضرت نے کہا دعا کرتا ہوں۔ دوسری دفعہ لکھا تو وہاں سے بڑا کڑوا جواب آیا کہ خبردار! آیندہ سے اب مت لکھنا، دعا کے لیے بھی مت لکھنا۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ عجیب جلالی شیخ ہے، لیکن معلوم ہوا کہ

واقعی شیخ کو بار بار نہیں کہنا چاہیے۔ اس میں ایک قسم کا انشائیہ تو ہے، مگر اس میں دوسرا رخ بھی ہے کہ شیخ کو مجبور کیا جارہا ہے کہ شیخ کو اتنا پریس (Press) کرو کہ وہ کسی پریس والے کے پاس جائے کہ چھاپو نوٹ۔ تو میرے کان کھڑے ہوگئے وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ میں نے کبھی مالیاتی معاملے میں شیخ سے دعا بھی نہیں کروائی اور سندھ بلوچ میں کتنی زمینیں خرید رہا ہوں لیکن میں نے شیخ سے کبھی نہیں کہا کہ حضرت! دعا کر دیجیے کہ فلانی زمین بہت اہم ہے اس کے لیے پیسے کا انتظام ہو جائے۔ میں نے سوچا بھئی! دعا کی درخواست کر کے ایک دفعہ مزہ چکھ لیا۔ معلوم ہوا کہ اس معاملے میں شیخ کو استعمال کرنا صحیح نہیں۔ جو اس کے پاس اللہ کی محبت کا تربوز ہے اس کو یوز (use) کرو۔ لہٰذا دوسرے معاملات میں اس کو مت چھیڑو۔ یہ اس کی قدر و منزلت ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک کروڑ کا موتی ہے تو اس سے ہلکی اور ادنیٰ چیزیں مت مانگو۔ عزت نفس اور عظمت دین کی خاطر اپنے شیخ کو، اپنے بڑوں کو مجبور مت کرو جس کی وجہ سے ان کی زبان تمہاری محبت میں مغلوب ہو کر کہیں کھل نہ جائے اس سے بہتر ہے کہ مدرسہ کم کر دو اور استطاعت نہ ہو تو کام نہ کرو۔ جھونپڑی میں رہ کر دین کا کام کرو مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔

حضرتِ والا کی شانِ استغنا

میرے شیخ حضرت پھولپوری نے ایک جھونپڑی بنائی تھی۔ جو بانس اور پھونس کی تھی اس میں بیٹھ کر حضرت پانچ پانچ پارے تلاوت کرتے تھے۔ کوئی شیروانی ہو یا نواب کا بچہ ہو آؤ اسی جھونپڑی کے نیچے بیٹھو اور عبدالغنی سے دین سیکھو، استغنا سے رہو۔ میں نے اپنے شیخ سے یہی سیکھا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ مجھے سارے عالم میں لے چلو بس مالیاتی معاملے میں مجھے مت اُلجھاؤ۔ مجھ سے جنوبی افریقہ میں میرے بعض پیر بھائیوں نے کہا کہ آپ چندے کے لیے کسی سے نہ کہیے مگر ہم آپ کے مدرسہ کے لیے چندہ کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میری موجودگی میں آپ ہرگز ایسا نہ کریں۔ لوگ کہیں گے کہ یہ خود تو منبر پر خاموش ہے، اللہ کی محبت کا درد سکھا رہا ہے لیکن اپنے

ایجنٹ چھوڑے ہوئے ہیں جو مال گھسیٹ رہے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھا تمہارے جانے کے بعد ہم چندہ کر کے بھیجیں گے۔ میں نے کہا جانے کے بعد بھی چندہ مت کرنا، اس لیے کہ جانے کے بعد اگر تم کہو گے کہ فلانے جو آئے تھے ان کے مدرسے کے لیے چندہ دو تو پھر لوگ یہ سمجھیں گے کہ اس مرغے نے اپنی ککڑوں کوں سنائی مگر مرغیاں چھوڑ گیا جو کٹ کٹ کٹاک کر رہی ہیں۔ اور ہر طرف کٹ کٹ کٹاک کر کے اسٹاک جمع کر رہی ہیں۔ آج ان کے دلوں میں میری کتنی عزت ہے۔ چندہ کی طلب سے سب خاک میں مل جائے گی اور پھر وہ مجھ سے دین کی بات نہ سنیں گے میں اپنے دردِ دل کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کر سکتا۔ مولانا نے کہا کہ آپ نے تو کمال کر دیا۔ میں نے کہا یہ میرا کمال نہیں یہ شاہ عبد الغنی کا کمال ہے۔ کیا کہیں! اُنہوں نے اپنی آہ و فغاں کے سوا کبھی کسی سے اس قسم کی گفتگو نہیں کی۔ لیکن اللہ نے ان کی عزت رکھی۔ اللہ کی رحمت سے مدرسہ چلتا رہا اگرچہ غریب تھا۔ مگر اس غریبی سے جو لوگ پیدا ہوئے اور جو نور عطا ہوا کیا کہنے۔ اب آج کل اسی مدرسہ بیت العلوم میں ناشتے بہت مل رہے ہیں مگر مجھے میرے مدرسے میں بے ناشتہ رکھا، لیکن میں اسی میں خوش تھا۔ میرا ناشتہ مناجاتِ مقبول، نماز اشراق اور میرے شیخ کا بتایا ہوا ایک ہزار مرتبہ اللہ اللہ تھا اور کوئی ایک قطرہ چائے نہیں دیتا تھا، باسی روٹی بھی نہیں ملتی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پورے مدرسے میں مجھے جو تجلیات و انوارات حضرت شاہ عبد الغنی کے نظر آتے تھے وہ کسی کو دکھائی نہ دیتے تھے۔ مولانا سجاد صاحب نے تقریر میں وہاں کہا یہ طالب علم ہے جس نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ لیکن میں آج اس تربیت پر اور ان مجاہدات پر شکر ادا کرتا ہوں کہ اے میرے پالنے والے اللہ! تیری ادائے محبوبیت پر اختر فدا ہے۔ جوانی میں مال و دولت آجائے اور شہوات اور نفسانیت کی طغیانی ہو تو کیا ہو گا۔ تنگی میں رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل تھا جس سے میری جوانی محفوظ رہی، اس وقت تنگی کی وجہ سے ہم پیر چنگی بن گئے۔ (حضرتِ والا کی طبعی ظرافت کی وجہ سے اس طرح کے شگفتہ جملے بے اختیار نکل جاتے ہیں۔ مرتب)

مدرسۃ البنات سے متعلق ضروری ہدایات

(حضرت مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم اور اُن کی اولاد کے لیے)

مرشدنا و مولانا و مقتدانا شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم مدرسۃ البنات قائم کرنے کے حق میں نہیں تھے اس لیے مدرسۃ البنات کا قیام موقوف کر دیا گیا تھا لیکن بہت عرصہ بعد جب حضرتِ والا کو اطلاع ملی کہ بعض حضرات کے اصرار پر مدرسہ قائم کر دیا گیا ہے تو مندرجہ ذیل ہدایات تحریر فرمائیں: (جامع)

۱) دارالاقامہ نہ قائم کیا جائے کہ احتیاط میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔

۲) خواتین استانیوں کو مہتمم یا اساتذہ کرام براہِ راست کوئی ہدایت نہ دیں، نہ بات چیت کریں نہ پردہ سے، نہ فون پر۔ مہتمم کو اپنی بیوی یا خالہ یا بیٹی کے ذریعے استانیوں کو کوئی ضروری پیغام، ہدایت یا تنخواہ وغیرہ دینے کا اہتمام ضروری ہے۔ کسی بھی مرد کا استانیوں سے براہ راست ہرگز کوئی بات چیت اور رابطہ نہ ہو اور مہتمم اور اولادِ مہتمم اور مرد استاد کے براہِ راست بات چیت کرنے سے مدرسۃ البنات کے بجائے عشق البنات میں ابتلا کا اندیشہ ہے۔

۳) کوشش کی جاوے کہ پانچ سال سے نو سال تک کی طالبات کے لیے ناظرۂ قرآنِ پاک اور حفظِ قرآنِ پاک اور تعلیم الاسلام کے چار حصے اور بہشتی زیور تک تعلیم پر اکتفا کیا جاوے۔ اگر عالمہ نصاب پڑھانا ہو تو عربی کے مختصر نصاب سے تکمیل کرائیں، مگر پردہ شرعی کا سخت اہتمام ضروری ہے ورنہ لڑکیوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ ناظرۂ قرآنِ پاک، بہشتی زیور اور حکایاتِ صحابہ وغیرہ پر اکتفا کیا جاوے اور خواتین معلمات بھی باپردہ ہوں۔

۴) عالمہ نصاب کی لڑکیوں کو شوہر کی خدمات اور آدابِ شوہر کا اہتمام سکھایا جاوے، اور عالم شوہر کی تلاش ان کے لیے ہو، ورنہ اگر ڈاکٹر اور انجینئر یا تاجر ہو تو دیندار ہونے کی شرط ضروری ہے۔

۵) پورے مدرسۃ البنات میں عورتوں کا رابطہ صرف عورتوں سے رہے۔ مہتمم اپنی محرم یعنی بیوی یا والدہ اور بہن وغیرہ سے دریافتِ حالِ تعلیمی یا دریافتِ حالِ انتظامیہ کرے۔ اگر اتنی ہمت نہ ہو تو مدرسۃ البنات مت قائم کرو اور مدرسہ بند کردو۔ دوسروں کے نفع کے لیے خود کو جہنم کی راہ پر مت ڈالو۔ مخلوق کے نفع کے لیے مردوں کا لڑکیوں کو پڑھانا یا پردہ سے بھی بات چیت کرنا فتنہ سے خالی نہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ پردہ سے گفتگو کرنے والے بھی عشق مجازی میں مبتلا ہوگئے، لہٰذا اسلامتی کی راہ صرف یہی ہے کہ خواتین سے ہر طرح کی دوری رہے۔

احقر محمد اختر عفا اللہ عنہٗ

اخلاقیات

مندرجہ ذیل ملفوظات کو فیروز میمن صاحب نے کیسٹ سے نقل کیا اور احقر نے مرتب کیا۔ (سید عشرت جمیل میر عفا اللہ عنہٗ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ مبارک

ایک شخص آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آرہا ہے پورے خاندان کا سب سے بُرا آدمی ہے۔ یہ بہت اہم بات بتارہا ہوں، یہ بھی دیکھو کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کیا مضمون عطا فرمارہے ہیں، دنیاوی بارش کا تو موسم ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کوئی موسم نہیں جب چاہے برسادیں۔ اس وقت اس کا حکم بتارہا ہوں کہ اگر دل میں بیوی کی محبت نہ ہو تب بھی محبت کا اظہار کرو جس کی آپ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے دلیل بھی مل جائے گی۔ تو اس شخص کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! یہ جو شخص آرہا ہے یہ اپنے خاندان کا بدترین انسان ہے، اس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں، مگر جب وہ قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیئے آیئے یعنی شاباشی دی کہ آؤ بھئی آو، بیٹھو، ان کو کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ آپ اس سے اچھے اخلاق سے پیش آئے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ابھی تو آپ فرمارہے تھے کہ یہ اپنے خاندان اور قبیلے کا سب سے بُرا آدمی ہے لیکن آپ نے تو ایسا

استقبال فرمایا اور خوب اکرام فرمایا، یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ مدارات کے لیے پیدا کیا گیا ہوں اور مدارات سکھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤں:

بُعِثْتُ بِمُدَارَاةِ النَّاسِ[١٩٢]

میں مبعوث کیا گیا ہوں اچھے اخلاق سے پیش آنے کے لیے۔

اب اس میں کیا فائدہ ہے کہ دل تو نہیں چاہتا مگر زبان سے کہتا ہے کہ آئیے آئیے بیٹھیے! اس میں دو فائدے ہیں:

١) ایک یہ کہ آپ اس کے شر سے بچے رہیں گے، آپ کے دُشمن نہیں بڑھیں گے، وہ آپ کو ستائے گا نہیں۔ وہ سمجھ جائے گا کہ آپ کو اس سے بغض نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی بستی سے واپس ہوتے تھے تو وہاں کے کافر روتے تھے کہ آہ! یہ برکت والے لوگ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ لہٰذا اس طرح رہو کہ کافر بھی آپ کی جدائی سے روئیں۔

٢)......دوسرا فائدہ یہ کہ وہ اسلام سے اور ہدایت سے قریب ہو جائے گا، جب آپ دین کی کوئی بات بتائیں گے تو سن لے گا، لیکن اگر آپ نے اس کو کہا کہ نالائق، اُلّو کہیں کا، بدتمیز، تو خاندان کا سب سے بُرا آدمی ہے تو کبھی ہدایت قبول کرے گا؟ بعض لوگ داڑھی منڈانے والے کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ کیا کہوں ساری زندگی کے لیے اس کو داڑھی سے محروم کر دیتے ہیں۔ ایسے عالم کی زندگی بھی سنّت کے خلاف ہے۔

حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق

ایک ہندو پنڈت کا لڑکا چھت سے گر گیا۔ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ ہسپتال میں اس کو دیکھنے گئے اور فرمایا کہ کافر کی عیادت بھی سنّت ہے کیوں کہ اس سے وہ اسلام سے قریب ہو جائیں گے کہ مولوی صاحب کو دیکھو ہم جیسے

---

[١٩٢] شعب الایمان للبیہقی: ١١/٣٥-٣٦، (٨١١٧)، مکتبۃ الرشد

کافر کے بچے کو دیکھنے آئے ہیں۔ ہمارے بڑے بزرگ اخلاق کی بلندیوں کے مینارے تھے۔ سب سے بڑی چیز اصلاحِ اخلاق ہے۔

کامل ایمان والا کون ہے؟

حدیث شریف میں ہے کہ سب سے کامل ایمان اُس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں جبکہ ہمارے ذہنوں میں یہ ہے کہ جو زیادہ عبادت کرتا ہے، زیادہ حج اور عمرہ کرتا ہے، زیادہ تسبیح وظیفے پڑھتا ہے اس کا ایمان کامل ہے مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ جس کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں اس کا ایمان سب سے زیادہ اعلیٰ اور اکمل ہوتا ہے۔ اعلیٰ اخلاق نہ ہونے کی وجہ سے کم گھرانے ہیں جو سکون سے رہتے ہیں ورنہ کہیں شوہر کی طرف سے زیادتی ہے تو کہیں بیگم کی طرف سے زیادتی ہے جو شوہر کو بے غم نہیں رکھتی، اس کا نام تو بیگم ہے مگر اپنے شوہر کو بے غم رکھنا نہیں جانتی۔ اس لیے آج آپ جو کچھ سنیں وہ اپنے بیٹوں، بیٹیوں اور بیویوں کو بھی سنائیں۔

عورتوں پر شوہر کے حقوق

حضرت حکیم الامت مجدد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور حصہ نمبر چار میں ”شوہر کے ساتھ نباہ کرنے کا طریقہ“ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تحریر فرمائے ہیں کہ عورتوں کو شوہر کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے۔ اگر بیویاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کریں تو شوہر ان پر مہربان ہو جائے گا۔ ان ارشادات کو بار بار اپنے گھروں میں بھی سنائیے، ان شاء اللہ ان کی برکت سے میاں بیوی میں نہایت ہی محبت اور اُلفت کا تعلق قائم ہو جائے گا اور احقر کے تین مواعظ ہیں ”خوشگوار ازدواجی زندگی“، ”حقوق النساء“ اور ”حقوق الرجال“ ان کو بھی پڑھیے لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بیوی آپ سے محبت کرے، اکرام سے رہے، شرارت نہ کرے تو ”خوشگوار ازدواجی زندگی اور حقوق النساء“ پڑھیے اور اس کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیے، اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ میری بیٹی اپنے شوہر کے حقوق صحیح ادا کرے تو اس کو ”حقوق الرجال“ پڑھائیے۔

شوہر اور بیوی میں مساوات کا مسئلہ کم عقلی کی دلیل ہے

آج کل عورتوں میں مساوات کا مسئلہ چل رہا ہے کہ ہم شوہر سے کم نہیں ہیں، آپ بتایئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو یہ ارشاد ہے کہ خدا کے سوا اگر کسی اور کو سجدہ کرنے کے لیے کہتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، یہ مساوات ہے؟ اگر مرد اپنی بیوی کو حکم دے کہ ایک پہاڑ کے پتھر کو اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر لے جائے اور دوسرے پہاڑ کے پتھر کو تیسرے پہاڑ پر لے جائے تو اس کو یہی کرنا چاہیے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھی بیوی وہ ہے کہ جب اس کا میاں اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب کچھ کہے تو اس کا کہا مان لے اور اپنے جان اور مال میں شوہر کے خلاف ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے اس کو ناگواری ہو، بیوی کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہیں رکھنا چاہیے اور نفل نماز بھی نہ پڑھے، ہو سکتا ہے اس کو کوئی ضرورت پیش آجائے۔ اب بتائیں یہ مساوات ہے؟ بیوی شوہر کے برابر ہے؟ یہ تکبر ہے اور اس کی وجہ کم عقلی ہے۔

بہشتی زیور میں یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی کام شوہر کے مزاج کے خلاف نہ کرو، شوہر اگر دن کو رات بتلادے تو تم دن کو رات کہنے لگو، اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد بہشتی زیور کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے یعنی اس کی انتہائی فرماں برداری کرو۔

سسرال سے نباہ کرنے کا طریقہ

حضرت حکیم الامّت لکھتے ہیں کہ جب تک ساس سسر زندہ ہیں بہو کو چاہیے کہ اپنے ساس سسر کی خدمت اور تابعداری کو فرض سمجھے اور اس میں اپنی عزت سمجھے، ساس نندوں سے الگ ہو کر رہنے کی ہرگز فکر نہ کرے کہ ساس نندوں سے بگاڑ ہونے کی یہی جڑ ہے۔ خود سوچو کہ بچے کو ماں باپ نے پال پوس کر جوان کیا، اب جہاں میاں جوان ہوئے بیوی صاحبہ آتے ہی بوڑھے ماں باپ سے اس کو الگ کرنے کی سازش شروع کردیتی ہے، حالاں کہ ماں باپ اس امید پر شادی کرتے ہیں کہ ہم بوڑھے ہوگئے ہیں، بہو آئے گی تو ہمیں ایک گلاس پانی دے گی، کچھ پکا کر کھلائے گی

لیکن وہاں معاملہ اُلٹا ہوتا ہے، جب بہو آئی تو ڈولے سے اُترتے ہی یہ فکر کرنے لگی کہ میاں آج ہی ماں باپ کو چھوڑ دے، پھر جب ماں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے بیٹے کو مجھ سے چھڑا رہی ہے تو فساد شروع ہوجاتا ہے اور پھر بہو شکایت کرتی ہے کہ ساس بڑی ظالم ہے۔ ذرا خود بھی تو سوچو کہ تمہاری بھی کوئی زیادتی ہے یا نہیں؟ جب تمہارا بیٹا جوان ہوگا، تمہاری بہو آئے گی اور تمہارے بیٹے کو تمہارا مخالف بنائے گی تب پتا چلے گا۔ لہٰذا آج اپنے بڑوں کا ادب کرلو کل ہماری بیویاں بھی ساس بنیں گی یا نہیں پھر جتنا ادب اپنے ساس سسر کا کرے گی اتنا ہی ادب اللہ تعالیٰ ان کی بہو سے کرائے گا۔ یہ بات حدیث سے ثابت ہے اور راوی بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں کہ جو اپنے بڑے بوڑھوں کی عزت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے چھوٹوں سے اس کو عزت دلائیں گے، جو جوانی میں اپنے بڑوں کی عزت کرتا ہے جب یہ جوان بڈھا ہوگا اور اس کے چھوٹے جوان ہوں گے تو وہ اس کا ادب کریں گے کیوں کہ اس نے اپنے بڑوں کا ادب کیا تھا۔

بڑوں کا ادب کرنے پر دو انعامات کی بشارت

محدثین لکھتے ہیں کہ بڑے بوڑھوں کا ادب کرنے پر دو انعام ملتے ہیں، نمبر ۱: زندگی بڑھ جائے گی کیوں کہ جب یہ بڈھا ہوگا تب اس کے چھوٹے اس کا ادب کریں گے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت میں یہ علم موجود ہے کہ یہ بوڑھا ہوگا، تو جس کو شوق ہو کہ بوڑھا ہو کر مرے وہ اپنے بڑے بوڑھوں کا ادب کرے، اگر چاہتا ہے کہ میری زندگی میں خدا برکت دے، مجھے جوانی میں موت نہ آئے تو اپنے بڑے بوڑھوں کا ادب کرے اور دوسرا انعام یہ ہے کہ جب یہ بوڑھا ہوگا تو اس کے چھوٹے اس کا ادب کریں گے تو جو شخص اپنے چھوٹوں سے عزت چاہتا ہو وہ اپنے بڑے بوڑھوں کا، ماں باپ کا، اساتذہ کا، شیخ کا غرض کوئی بھی اپنی عمر سے بڑا ہو اُس کا ادب کرے اور اگر کسی بڑے کو نصیحت بھی کرنی ہے تو ادب سے نصیحت کرو یہ نہیں کہ غصہ سے چڑھ دوڑے کہ آپ نے سنّت کے خلاف وضو کیا ہے، آپ کو وضو کرنا بھی نہیں آتا، اب صاحب زادے بیس سال کے ہیں اور جو وضو کر رہا ہے وہ ساٹھ ستّر سال کا ہے، چھوٹے مولوی صاحب جو ابھی مدرسہ سے نکل کر آئے ہیں اس کو ڈانٹ لگا رہے ہیں۔ اسی لیے شیخ عبد القادر جیلانی

بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولوی کو چاہیے کہ مدرسہ سے نکل کر فوراً مسجد کے منبر پر نہ بیٹھے، کچھ دن اللہ والوں کی صحبت میں رہے اور نفس کو مٹا کر ادب اور انسانیت اور اخلاص سیکھے پھر وہ نصیحت کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو اپنے بڑوں کا ادب کرے گا تو جب یہ بوڑھا ہوگا تو اس کے چھوٹے اس کی عزت کریں گے۔ تو بڑوں کی عزت کرنے سے دو نعمتیں ملیں، عمر میں برکت اور چھوٹوں سے عزت، اور بڑوں کو بھی چاہیے کہ اپنے چھوٹوں پر رحم کریں، یہ حدیث کا جزء ہے، پہلے مقدم ہے:

مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا[۱۹۳]

جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتا، یہاں چھوٹوں پر رحم کرنا پہلے ہے تو ہم لوگوں پر بھی لازم ہے کہ اپنے چھوٹوں کو پیار دیں، محبت پیش کریں، اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يُبَجِّلْ عَالِمِيْنَا فَلَيْسَ مِنَّا[۱۹۴]

جو اپنے علماء کی عزت نہ کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

بار بار عرض کرتا ہوں کہ جب تقریر ہورہی ہو تو ادھر ادھر مت دیکھو مقرر کی طرف دیکھو ورنہ آپ کی آنکھیں اِدھر اور کان اُدھر ہوں گے۔ ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے ؎

قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا
کہاں جارہا ہے کدھر دیکھتا ہے

لہٰذا اِدھر اُدھر مت دیکھو، کوئی آتا ہے آنے دو، کوئی جاتا ہے جانے دو ؎

کوئی مرتا کوئی جیتا ہی رہا
عشق اپنا کام کرتا ہی رہا

---

[۱۹۳] جامع الترمذی: ۲/۱۴، کتاب البر والصلة، باب رحمة الصبیان، ایچ ایم سعید

[۱۹۴] کنز العمال: ۹/ ۱۵۷ (۲۵۵۰۳)، التعظیم والقیام، مؤسسة الرسالة، ذکره بلفظ بجلوا المشایخ فإن تبجیل المشایخ من إجلال الله، فمن لم یبجلهم فلیس منا

دنیا میں سب کچھ ہو گا، موت ہو گی، پیدائش ہو گی، غمی ہو گی، خوشی ہو گی لیکن ہمارا کام اپنے مالک کو راضی رکھنا ہے، جو اپنے مالک کو راضی رکھے وہ بالکل بے فکری سے سوئے، اس کو خوش رکھنا اللہ کے ذمہ ہے، جو غلام اپنے مالک کو خوش رکھتا ہے مالک کی ذمہ داری ہے کہ اس غلام کی خوشی کا انتظام کرے، اس غلام کو اپنی فکر ہی بھول جانی چاہیے، ہماری فکر بس اتنی ہو کہ ہم اپنے مالک کو ناراض نہ کریں، اپنے مالک کو خوش رکھو کہ ہم سے کوئی خطا تو نہیں ہو رہی، کہیں آنکھیں بغاوت تو نہیں کر رہیں، کان بغاوت تو نہیں کر رہے، دل میں خبیث خیالات تو نہیں آرہے، اللہ کی مخلوق کے ساتھ بد اخلاقی کے تصورات تو نہیں آرہے ہیں، سوچ لو کوئی دوست اپنے دوست کی اولاد کے بارے میں گندے خیالات لا رہا ہو تو کیا وہ ایسے شخص کو اپنا دوست بنائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو ولایت سے محروم رکھتے ہیں جو قصداً کمینہ پن اختیار کرتا ہے، بلا ارادہ برا خیال آجائے تو توبہ کر لو۔

اچھے اور بُرے اخلاق کے ثمرات

حدیث پاک میں ہے:

لَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَّا یَاْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ[۱۹۵]

اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور نہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک حدیث اور سن لیجیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عورتیں تھیں، ایک عورت بہت عبادت کرتی تھی، صحابہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس عورت کے متعلق عرض کیا کہ ایک عورت بڑی عبادت گزار ہے مگر اس کے اخلاق نہایت خراب ہیں، زبان کی نہایت کڑوی ہے، ہر ایک سے ذرا ذرا سی بات پر لڑتی ہے، ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی، سارا محلہ اس سے تنگ ہے۔ آپ نے فرمایا هِیَ فِی النَّارِ یہ جہنم میں جائے گی۔ آہ! کہاں گیا تہجد، کہاں گئی تلاوت، کہاں گئی نماز، کہاں گیا روزہ، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہنم کی وعید سنا دی تو جو اخلاق کا کڑوا ہو اور اس کا کڑوا پن لوگوں میں مشہور ہو کہ یہ آدمی غصے کا تیز

---

[۱۹۵] المستدرك للحاكم: ۲۳/۱، دار المعرفة، بيروت

اور اخلاق کا بد تمیز ہے، مغلوب الغضب ہے، ہر آدمی اس سے پناہ مانگتا ہو، ڈرتا ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص انسان نہیں بھیڑیا ہے۔ اور دوسری عورت کے بارے میں خبر دی گئی کہ یارسول اللہ! ایک عورت ہے جو فرض، واجب اور سنّت مؤکدہ ادا کرتی ہے، ضروری ضروری اعمال کرتی ہے لیکن اس کے اخلاق سے سارا محلہ خوش ہے، اس کا ایسا ٹھنڈا مزاج اور نرم دل ہے کہ سارا محلہ اس سے خوش ہے، کسی کے مصیبت میں کام آنا، کسی کے غم میں غم زدہ ہو جانا، ہر وقت اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنا اور سن لو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے، مسکراتے چہرے سے ملاقات کرنا صدقہ ہے، اگرچہ مال نہیں خرچ ہوا لیکن مفت میں صدقہ کا ثواب مل گیا۔ اگر آپ غمگین بھی ہیں تو بھی اس وقت قصداً تبسم لے آئیے، دل نہیں چاہتا مسکرانے کو لیکن ایک مسلمان کو خوش کرنے کے لیے اس سے مسکرا کر پوچھ لیں کہ بھائی کیا حال ہے؟ خیریت ہے؟ جب پیٹ کے لیے تبسم کر سکتے ہو تو اللہ کو خوش کرنے کے لیے تبسم تو مفت کا صدقہ ہے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اچھے اخلاق والی عورت کے بارے میں فرمایا هِیَ فِی الْجَنَّةِ یعنی وہ جنّتی ہے۔

مسلمان کے لیے مجلس میں جگہ بنانا اس کا حق ہے

اسی طرح اگر کوئی ملنے آئے تو وہیں اپنی جگہ پہاڑ کی طرح نہ بیٹھے رہیں، ذرا سا کھسک کر اسے جگہ دے دیں، ایسا نہ ہو کہ وہ بے چارہ تنگی سے بیٹھا رہے کیوں کہ آگے دوسرا بیٹھا ہوا ہے اور اس کو کچھ ہوش نہیں، یہ بے خودی والے لوگ ہیں، اتنا ہوش نہیں کہ ذرا سا کھسک کر جگہ دے دیں اگر جگہ نہیں ہے پھر بھی تھوڑا سا حرکت کر لو کہ آیئے آیئے تشریف لایئے۔ یہ سنّت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

ایک صحابی مسجدِ نبوی میں آئے، مسجد میں بہت جگہ تھی مگر پھر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا کہ آؤ آؤ مرحبا اور اپنی جگہ سے ذرا سا کھسک گئے، صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ! مسجد میں تو بہت جگہ تھی پھر آپ نے اپنی جگہ سے کیوں حرکت فرمائی؟ فرمایا مسلمان پر مسلمان کا حق ہے کہ جب وہ ملنے آئے تو تھوڑا سا جسم کو

حرکت دے دے، ذراسی جگہ بنادے تاکہ معلوم ہو کہ اس نے ہمارا اکرام کیا، دیکھا آپ نے! اسلام اس کا نام ہے:

اَکۡمَلُکُمۡ اِیۡمَانًا اَحۡسَنُکُمۡ خُلُقًا[۱۹۶]

سب سے کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ آج تصوف کی بنیاد تسبیحات، وظائف، اذکار، نوافل اور مختلف ختمات پر رکھ دی گئی اور اخلاقیات میں یہ معاملہ ہے کہ جب دیکھو بس غصہ چڑھا ہوا ہے۔ بارہا اپنے دوستوں کو دیکھتا ہوں کوئی ملنے آیا ذرا سا حرکت نہیں کرتے کہ آیئے آیئے تشریف لایئے، بیٹھ جایئے۔ یہاں تک کہ بعض کو دیکھا کہ تنگی سے بیٹھے ہیں تو مجھے کہنا پڑا کہ ذرا جگہ دے دو بھائی، تھوڑا سا کھسک جاؤ، ادھر جگہ موجود ہے، لیکن انہیں خود سے ہوش نہیں آتا، عالمِ بے خودی سے خدا نہیں ملتا، دین سراسر بیداری کا نام ہے، ہر لمحۂ حیات، ہر سانس یہ خیال ہو کہ میرا اللہ اس سانس میں ہم سے خوش ہے یا نہیں یہ اصلی پاس انفاس ہے، پاس معنیٰ خیال رکھنا اور انفاس جمع ہے نفس کی، نفس معنیٰ سانس، بعض لوگوں کے ہر سانس میں ذکر جاری ہے مگر کسی گناہ سے پرہیز نہیں ہے، ایسا پاس انفاس اللہ والوں کا شیوہ نہیں ہے۔

مخلوق کے ساتھ بھی اخلاص مطلوب ہے

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصلی پاسِ انفاس یہ ہے کہ ہر سانس میں خیال رکھو کہ کون سی سانس اللہ کی مرضی کے مطابق گزری اور کون سی سانس اللہ کے تحت الغضب اور نافرمانی میں گزری، جس شخص کو یہ خیال ہو جائے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ والا ہو گیا، اس کو اللہ تعالیٰ سے نسبت قائم ہو گئی، لہٰذا دل کی نگرانی کرو کہ دل میں کیسے خیالات آرہے ہیں، ان خیالات سے اللہ خوش ہے یا نہیں یا اپنی ہی حرام لذت سمیٹ رہے ہو، جب دل میں کوئی خیال آئے فوراً سوچو کہ اس خیال سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے یا ناراض جب دل فیصلہ کرے کہ

---

[۱۹۶] تخریج الاحادیث المرفوعة المسندة فی کتاب التاریخ الکبیر للبخاری: ۹۶۹/۱، مکتبة الرشد، ذکرہ البیهقی فی شعب الایمان بالفاظ ألا أخبرکم بأکملکم إیمانا؟ أحاسنکم أخلاقا

اللہ تعالیٰ کو تو گندے خیالات سے خوشی نہیں ہوتی تو فوراً کہو یا اللہ ان خیالات سے ہم توبہ کرتے ہیں، معافی چاہتے ہیں اگر یاد ہو تو یہ دعا بھی پڑھ لو اَللّٰھُمَّ اَخْلِصْنِیْ بِذَاتِكَ وَبِمَخْلُوْقَاتِكَ اے اللہ! میں آپ کی ذات کے ساتھ بھی اخلاص چاہتا ہوں اور آپ کی مخلوق کے ساتھ بھی اخلاص اور اچھے اخلاق چاہتا ہوں۔

آپ بتاؤ! کسی کی بیٹی کو کوئی بری نظر سے دیکھ رہا ہو، کسی کے بیٹے کو کوئی بری نظر سے دیکھ رہا ہو تو کیا اس وقت باپ کی دوستی کا حق ادا ہو رہا ہے؟ جو اس کی اولاد کا نہیں ہے وہ باپ کا بھی نہیں ہے، جو اللہ کی مخلوق کا نہیں ہے وہ اللہ کا بھی نہیں ہے جو اللہ کی مخلوق کو بری نظر سے دیکھتا ہے یا مخلوقِ خدا کے ساتھ بدگمانی اور بدخیالی اور خیانت کے خیالات میں مشغول ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوں گے یا ناراض ہوں گے؟ بتاؤ! کیا اللہ تعالیٰ کو پتا نہیں چلتا؟ اللہ تعالیٰ سینوں کے راز سے باخبر ہیں۔

میری گزارشات غور سے سنیے! آنکھ بند کر کے مت سنیے، آنکھ کھول کر سنیے، کان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، کان کے اوپر کوئی پردہ نہیں ہے، آنکھ کے اوپر پردہ ہے تاکہ آنکھ نامناسب جگہ نہ دیکھے، اس لیے اللہ نے پلکوں کا پردہ لٹکا دیا کہ جب میرے بندے کو ضرورت پڑے اور نامناسب جگہ آنکھ جانے کی کوشش کرے تو جلدی سے پردہ لٹکا لے لیکن جہاں دیکھنا عبادت ہو وہاں یہ پردہ اٹھالے، بتاؤ! عالم کو دیکھنا عبادت ہے یا نہیں؟

اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ الْعَالِمِ عِبَادَۃٌ[۱۹۷]

عالم کو دیکھنا عبادت ہے، بیت اللہ کو دیکھنا عبادت ہے، اپنے ماں باپ کو محبت و اکرام سے دیکھنے کا ثواب مقبول حج کے برابر ہے، لہٰذا میری باتیں جتنی محبت سے سنیں گے اور مجھے غور سے دیکھتے رہیں گے اتنا ہی آپ کی برکت سے مضمون کی آمد ہو گی۔

مخلوق کی تکلیف دُور کرنے پر جنّت کی بشارت

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن ہم کامل ایمان کے ساتھ اُٹھیں اَکْمَلُکُمْ اِیْمَانًا بلکہ کامل نہیں اکمل ایمان جو کامل سے

---

[۱۹۷] کنز العمال: ۱۵/۸۸۰ (۴۳۴۹۳)، مؤسسة الرسالة

اعلیٰ درجہ کا ہے تو اپنے اخلاق کی اصلاح کرائیے، ہم سب اپنے اخلاق کی فکر کریں، بعض وقت ایک خُلق اللہ کو پسند آگیا، کوئی ایک عبادت بھا گئی اور اسی سے جنّت مل گئی۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ایک بدکار عورت جنگل میں جا رہی تھی، ایک کنویں کے پاس ایک کُتّا پیاس سے مر رہا تھا، اس بدکار عورت نے اپنا موزہ نکالا اور اسے اپنے دوپٹے سے باندھا۔ بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوپٹہ اوڑھتی تھی، آج تو شریف لڑکیاں بھی سر سے دوپٹہ اتار چکی ہیں، اگر کسی نے بہت زیادہ شرافت دِکھائی تو گلے میں لپیٹ لیا یا کندھے پر ڈال لیا مگر سر کھلا ہوا ہے جبکہ بالوں کا کھولنا حرام ہے، حرام کاموں سے اُمّت کو فلاح کیسے ملے گی؟ لاکھ رات دن وظیفے پڑھ لو، وظیفوں سے کام نہیں بنے گا، جب تک اللہ کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو گا، اللہ خوش نہیں ہو گا وظیفہ کچھ نہیں کر سکتا۔ گھر میں وی سی آر، ٹیلی ویژن، ننگی فلمیں، لڑکے لڑکیوں کا مخلوط نظامِ تعلیم جہاں لڑکیاں ننگے سر پڑھ رہی ہیں آپ بتاؤ کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کے اعمال ہیں یا نہیں؟ جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو نابینا صحابی سے پردہ کرایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی دو بیویوں حضرت میمونہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ ابن امّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو، دونوں بیویوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! یہ تو اندھے ہیں، فرمایا یہ اندھے ہیں تم تو اندھی نہیں ہو۔

تو دوستو! میں کہہ رہا تھا کہ اس بدکار عورت نے اپنا موزہ نکال کر دوپٹے سے باندھا پھر اسے کنویں میں ڈال کر پانی سے موزہ بھگویا اور کتے کے منہ میں نچوڑ کر اس کی پیاس بجھائی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسی عمل پر اللہ تعالیٰ نے اس کو جنّت عطا فرما دی۔ اخلاق کا درجہ دیکھا آپ نے! لیکن افسوس ہے کہ جو تصوف سیکھ رہے ہیں وہ بھی اخلاقیات کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں، جو خانقاہوں سے جڑے ہیں وہ بھی اخلاقیات کو اہمیت نہیں دیتے، حج اور عمرے تو خوب کرتے ہیں لیکن کسی مسلمان کو اذیت پہنچ جائے تو ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ لاؤ کم از کم اس سے معافی تو مانگ

لیں، کسی کو اذیت پہنچانا حرام ہے، تکلیف دینے والا کبھی اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا، ولی ہونا تو درکنار ابرار کے رجسٹر سے، نیک لوگوں کے رجسٹر سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

مخلوق میں محبوبیت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

حدیث شریف میں ہے کہ اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور نہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق میں محبوب ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو دو دعائیں دیں اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَحَبِّبْهُ اِلَی النَّاسِ اے خدا! اس کو دین کا علم عطا فرما اور اپنی مخلوق میں محبوب کر دے، یہ جملہ بتاتا ہے کہ انسان کا اپنی بیوی میں، ماں میں، باپ میں، دوستوں میں اور اپنے ماحول میں محبوب ہونا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی دعا ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً[۱۹۸]

کہ اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی حَسَنَةً یعنی بھلائی دے اور آخرت میں بھی حَسَنَةً دے۔ مفسرین حَسَنَةً کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آخرت کے حسنہ سے مراد بے حساب مغفرت اور جنّت میں داخلہ ہے اور دنیا میں حَسَنَةً کی دس تفسیریں ہیں:

۱) نیک بیوی ۲) نیک اولاد ۳) علمِ دین ۴) اعمالِ صالحہ ۵) رزقِ حلال ۶) صحبتِ صالحین ۷) تفقہ فی الدین ۸) صحت وعافیت ۹) نصرۃ علی الاعداء ۱۰) ثناء الخلق

یعنی مخلوق میں تعریف ہو کہ بہت اچھے آدمی ہیں لیکن جب مخلوق میں کسی کا ہر وقت برائی سے تذکرہ ہو رہا ہو تو سمجھ لو کہ اس کے اخلاق خراب ہیں، مگر متکبر انسان اس کو تسلیم نہیں کرتا، وہ کہتا ہے کہ ہم کسی کی پروا نہیں کرتے، ہم تو اللہ پر نظر رکھتے ہیں، اس جیسا بد تمیز اور متکبر انسان کوئی نہیں ہو گا کہ اللہ پر نظر ہے مگر مخلوق کو ستا رہا ہے، جیسے کوئی کسی کو ستائے اور اس سے کہے کہ مجھے تمہاری پروا نہیں، مجھے تمہارے ابا کو خوش کرنا ہے تو بتاؤ کسی کا ابا اپنی اولاد کو ستانے والے سے خوش ہو گا؟ تو ربا بھی اپنی

---

[۱۹۸] البقرۃ:۲۰۱

مخلوق کو ستانے والوں سے خوش نہیں ہوتا اس کے برعکس ایک بدکار عورت کتے کو پانی پلا کر اس کی زندگی کا سبب بن کر جنّت لے لیتی ہے۔

میں خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کو بہت پیاری دعائیں دیں، آج ہم اپنے لیے، آپ سب کے لیے اور یہاں جو پردہ نشین عورتیں بیٹھی ہیں ان کے لیے یہ دعا مانگتے ہیں اَللّٰھُمَّ فَقِّھْنَا فِی الدِّیْنِ اے اللہ! ہم سب کو علمِ دین عطا فرما اور خالی علمِ دین مراد نہیں ہے ورنہ فرماتے اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الدِّیْنَ اللہ تعالیٰ اس کو دین کا علم دے دے بلکہ فرمایا اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ اے اللہ! دین کی فہم، دین کی سمجھ عطا فرما۔ اب ہم ان دعاؤں کو اپنے لیے کیسے مانگیں اَللّٰھُمَّ فَقِّھْنَا فِی الدِّیْنِ وَحَبِّبْنَا اِلَی النَّاسِ اے اللہ! ہمیں دین کی تفقہ اور سمجھ عطا فرما اور ہم سب حاضرین و حاضرات کو مخلوق میں محبوب کر دے اور ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو تب سمجھ لو کہ وہ اللہ کا پیارا بندہ بن گیا، مخلوق کو ستانے والا اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ تو یہ دونوں دعائیں یاد کر لیجیے۔ ثنائے خلق پر ایک بات یاد آئی، میدانِ عرفات میں سب سے اعلیٰ دعا جو حدیث سے ثابت ہے، وہ ہے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ
وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۱۹۹]

آپ بتاؤ اس کلمہ میں کوئی دعا ہے سوا اس کے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لَہُ الْمُلْکُ سلطنت اسی کی ہے وَلَہُ الْحَمْدُ سب تعریف اسی کی ہیں غرض اس میں کوئی دعا نہیں ہے، اس میں کچھ نہیں مانگا گیا سوائے اللہ کی تعریف کے، اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیسی دعا ہے جس میں نہ دنیا مانگی گئی نہ آخرت مانگی گئی پھر بھی اسے سب سے اعلیٰ دعا قرار دیا گیا تو اس کا جواب فقہائے کرام نے دیا ہے کہ ثَنَاءُ الْکَرِیْمِ دُعَاءٌ کریم کی تعریف کرنا دعا ہے مثلاً کوئی کسی کریم کی تعریف کرے تو گویا اس نے اپنی ہر حاجت مانگ لی کیوں کہ کریم خوش ہو کر اس کی حاجت روائی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تو اصلی

---

[۱۹۹] کنز العمال: ۵/۱۹۰ (۱۲۵۶۷)، کتاب الحج فصل فی وقوف العرفۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

کریم ہیں لہٰذا اس کی تعریف میں ساری دعائیں آ گئیں۔

تو مخلوق میں کسی بندے کا تذکرۂ حَسَن ہونا کہ ماشاء اللہ بڑے حلیم الطبع ہیں، بڑے ٹھنڈے مزاج کے ہیں، بڑے ضبط اور صبر والے ہیں، اپنی بیوی کو بھی آرام سے رکھتے ہیں اور دوستوں سے بھی آرام اور اخلاق سے رہتے ہیں، صاحب میں نے تو ان پر کبھی غصہ دیکھا ہی نہیں الّا یہ کہ شریعت کا کوئی معاملہ ہو، شریعت کے خلاف غصہ کرنا بھی تو ضروری ہے تو یہ شخص رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً کی تفسیر ہے کہ ثناء الخلق کی نعمت اس کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں دعائیں قبول فرمالیں۔ آج کی مجلس میں آپ نے بھی یہ دو دعائیں سیکھ لیں، آج آپ کا آنا سولہ آنہ ہو گیا ان شاء اللہ، اللہ سے یہ دونوں دعائیں مانگ لو اَللّٰھُمَّ فَقِّھۡنَا فِی الدِّیۡنِ وَحَبِّبۡنَآ اِلَی النَّاسِ اے خدا! ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اپنی مخلوق میں ہمیں محبوب کر دے۔ اب خواجہ حسن بصری کی ایک تفسیر سنیے۔

ابرار کون لوگ ہیں؟

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ۚ وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ﴿۱۴﴾ۚۖ[200]

یعنی نیک بندے جنّت میں جائیں گے اور نافرمان جہنم میں جائیں گے تو ہمیں ابرار بننا چاہیے یا نہیں؟ لیکن ابرار کون لوگ ہیں؟ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ابرار کی تفسیر کرتے ہیں کہ ابرار کون بندے ہیں؟ قَالَ الۡحَسَنُ الۡبَصۡرِیُّ فِیۡ تَفۡسِیۡرِ الۡاَبۡرَارِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡذُوۡنَ الذَّرَّ[201] ابرار وہ ہیں جو چیونٹی کو بھی تکلیف نہ دیں، سن لو اس کو، بعض لوگ بے خیالی میں چیونٹیوں پر پیر رکھے چلے جاتے ہیں۔ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

---

[200] الانفطار: ۱۴-۱۳

[201] عمدۃ القاری: ۱/۲۱۸، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

کہ جب کوئی چیونٹی پر پیر رکھتا ہے تو چیونٹی کا وہی حال ہوتا ہے جیسے انسان پر ہاتھی پیر رکھ دے۔ پس اگر ابرار بننا ہے تو بیوی بچوں اور ماں اور باپ کو ستانا تو بہت بڑی بات ہے چیونٹیوں کو بھی تکلیف نہ دو اَلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡذُوۡنَ الذَّرَّ وَلَا یَرۡضَوۡنَ الشَّرَّ۔

ابرار وہ بندے ہیں جو کسی چیونٹی کو بھی تکلیف نہ دیں اور کسی گناہ سے خوش نہ ہوں۔ آہ! گندے گندے خیالات پکا کر اندر حرام خوشی لی جارہی ہے اور ابرار بنے ہوئے ہیں جبکہ ابرار کی تفسیر یہ ہے کہ ابرار وہ بندے ہیں جو اللہ کی نافرمانی سے خوش نہیں ہوتے۔ آپ بتائیے! دل میں گندے گندے خیالات پکانا یا پرانے گناہوں کو سوچ سوچ کر حرام مزہ لینا، گھنٹوں اس میں مشغول رہنا اور توبہ نہ کرنا، کیا یہ شخص اللہ کا مقبول ہے؟ اگر یہ اللہ کا مقبول ہوتا تو فوراً تنبیہ ہو جاتی کہ میں یہ کیا کررہا ہوں، کیسے خیالات لارہا ہوں اور نفس سے کہتا کہ نالائق خبیث کیا سوچ رہا ہے؟ جس گناہ پر اللہ نے ایک قوم پر عذاب نازل کیا اس گناہ کے خیالوں سے مزہ لیتا ہے؟ تو جس پر اللہ کی مہربانی ہوتی ہے اسے فوراً توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، جس کو توفیق توبہ نہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثُمَّ تَابَ عَلَیۡہِمۡ لِیَتُوۡبُوۡا[۲۰۲]

یعنی اللہ نے ان پر اپنی مہربانی فرمائی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اَیۡ وَفَّقَہُمۡ لِلتَّوۡبَۃِ[۲۰۳] اللہ نے مہربانی فرمائی یعنی توفیقِ توبہ بخشی۔ معلوم ہوا کہ توفیقِ توبہ آسمان سے آتی ہے اور زمین والوں پر یہ اللہ کی رحمت کی علامت ہے کہ اس کو توفیقِ توبہ نصیب ہو جائے۔ اختر قرآن پاک کی آیت پیش کررہا ہے تَابَ عَلَیۡہِمۡ اللہ نے اپنی مہربانی کی۔ واہ! اس آیت کی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تفسیر کی ہے اَیۡ وَفَّقَہُمۡ لِلتَّوۡبَۃِ اللہ نے آسمان سے توفیقِ توبہ زمین والے کو بھیج دی، تو جس کو توفیق توبہ نصیب ہو جائے، یہ اس زمین والے پر اللہ کی رحمت کی علامت ہے لِیَتُوۡبُوۡا تاکہ وہ توبہ کریں اور ہمارے بن جائیں۔ گناہ کرکے نفس کے بن رہے تھے اب توبہ کرکے دوست کے بن گئے۔

---

[۲۰۲] التوبۃ:۱۱۸

[۲۰۳] تفسیر روح المعانی: ۱۱/۴۲، التوبۃ (۱۱۸)، دار احیاء التراث، بیروت

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ابرار کے رجسٹر میں ہمارا نام کیسے درج ہو جائے تو چاہیے کہ ہم چیونٹیوں کو بھی تکلیف نہ دیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خوش نہ ہوں، نہ اپنے گناہ سے خوش ہوں، نہ دوسروں کے گناہ سے خوش ہوں، اللہ کی نافرمانی دیکھ کر دل غمگین ہو جائے، اپنا گناہ ہو یا کسی اور کو گناہ کرتے دیکھا تو دل کو صدمہ پہنچ جائے۔ یہ تعلق مع اللہ کی دلیل ہے، جس کو اپنے باپ سے محبت ہوتی ہے تو باپ کی نافرمانی کرنے والے بھائیوں کو دیکھ کر وہ دل میں غمگین ہو جاتا ہے کہ تم کیسے نالائق بھائی ہو کہ ابا کو تکلیف دیتے ہو۔ پس مومن کے دل میں خدائے تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے وہ گناہ کے کاموں سے صدمہ محسوس کرتا ہے۔

ایک مرتبہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے تین مرتبہ اپنی جگہ سے ہٹ کر وضو کیا، ایک جگہ وضو شروع کیا پھر اُٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ گئے پھر وہاں سے ہٹ کر تیسری جگہ بیٹھ گئے، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا: وہاں چیونٹیاں تھیں جو وضو کے پانی سے منتشر ہو جاتیں اور اُن کا خاندان اِدھر اُدھر بکھر جاتا جس سے ان کو اذیت پہنچتی۔ آہ! یہ ہیں اللہ والے، یہ ہیں ابرار جو چیونٹیوں کو بھی اذیت نہیں پہنچاتے۔

بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین

اپنی بیویوں کی ایک لاکھ خطا معاف کرو، اگر اپنی ایک لاکھ معاف کرانی ہے۔ بھئی! سوچئے کہ جب سے ہم بالغ ہوئے ہیں ہم سے کتنی خطائیں ہوئی ہیں، ہم لوگوں سے کتنی نظر خراب ہوئی، کتنے گناہ ہوئے، کس قدر جھوٹ بولے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ سے اپنی لاکھ خطائیں معاف کرانی ہیں تو اپنی بیویوں کی لاکھ خطا معاف کرو۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے گھر میں لڑائی رہتی ہے۔ میں نے کہا کہ میں جو مشورہ دوں گا عمل کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! میں نے کہا کہ دفتر جانے سے پہلے الگ کمرے میں جاؤ جہاں کوئی دوسرا نہ ہو اور بیوی سے معانقہ کرو، اس کے گالوں کا پیار سے چُمّہ لو اور پیشانی بھی چومو، پیشانی چومنا سنّت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چومی

تھی۔ کبھی یہ سنّت بھی ادا کرو۔ بہر حال اگر قیامت کے دن اپنی ایک لاکھ خطائیں معاف کرانی ہیں تو اپنی بیوی کی ایک لاکھ خطائیں معاف کرو۔

حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار اپنے نوکر سے کہا کہ میں تمہیں کتنا معاف کروں؟ تم نے مجھے اتنا ستایا ہے کہ میں بھگتتے بھگتتے عاجز ہو گیا، اب کتنا بھگتوں؟ بھگتنا کے معنیٰ ہیں برداشت کرنا۔ تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! جتنا تجھے اپنا بھگتوانا ہے اتنا بھگت لے۔ آہ! کیا جملہ ہے۔

غرض اپنی بیویوں کی ایک لاکھ خطا معاف کرو اور ان کو پیار سے رکھو۔ تو ان صاحب نے جن کے یہاں لڑائی رہتی تھی اور بیوی ناراض رہتی تھی جب میری بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کیا اور دفتر جاتے وقت اور آتے وقت اور سوتے وقت اس کو پیار کیا تو ساری لڑائی ختم ہوگئی اور بیوی نے کہا کہ بس اسی بات کی کمی تھی کہ تم مجھے پیار نہیں دیتے تھے۔ بیوی کی پیشانی کا بوسہ لینا اور گال چومنا بھی جائز ہے، مکروہ بھی نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں کہ میری بندی کو پیار کر رہا ہے۔ خاص کر بڈھا جب کسی بڑھیا کو پیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ جوانی میں تو طبیعت کے تقاضے سے پیار کر رہا تھا، اب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے تقاضے سے پیار کر رہا ہے۔ دل نہیں چاہتا بڈھے کا کہ بڈھی کو پیار کرے کیوں کہ اس کے دانت باہر آگئے، گال پچک گئے اور آنکھ پر پونے گیارہ نمبر کا چشمہ لگ گیا۔ اس لیے میں نے لندن میں کہا تھا کہ اپنی بڈھی بیویوں سے اکیلے میں کمرہ بند کر کے جہاں کوئی اور نہ ہو پیار کرو اور چاہے دل سے نہ کہو، زبان سے کہو تو بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہے کہ اے میری بڑھیا، شکر کی پُڑیا، واہ رے میری گڑیا۔ خصوصاً بڑھاپے میں خوب پیار کرو۔ اگرچہ دل ساتھ نہ دے رہا ہو، پھر بھی اجر ہے، ثواب ہے، ان شاء اللہ۔ اخلاقِ ظاہرہ دکھانا بھی بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہے۔

بیویوں کا ایک حق

لہٰذا دل نہ چاہے پھر بھی بیوی کو پیار کرو، کبھی کوئی جائز فرمائش کرے اس کو پورا کرنا نہ بھولو ورنہ اس کے دل میں یہ ہو گا کہ شوہر کے دل میں ہماری قدر نہیں ورنہ

ہماری چائے، بسکٹ وغیرہ کی چھوٹی سی فرمائش ضرور پوری کرتا۔ اس کی فرمائش کو خاص طور سے نوٹ کرو اور جلدی پورا کرو۔ اگر ایک بسکٹ کی فرمائش کرے تو تین پیکٹ لے آؤ، وہ کہے گی کہ تین کیوں لے آئے؟ تو کہو کہ تمہاری فرمائش تو ایک کی ہے، مگر ہماری محبت نہیں مانتی، میرا دل چاہتا ہے کہ میں تین ڈبے لاؤں۔ آہ! ارے یہی اخلاق پیش کرکے جنّت چلے جاؤ، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ قیامت کے دن تہجد کا نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے تہجد کیوں نہیں پڑھی، یہ پوچھا جائے گا کہ میرے بندوں کے ساتھ تمہارے کیا اخلاق تھے؟

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنا حق معاف کردیا لیکن مخلوق کے حق کو زیادہ بڑھایا کیوں کہ مخلوق تکلیف محسوس کرتی ہے لیکن ہماری نالائقیوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ حدیثِ پاک کی دعا ہے:

یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ فَھَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُكَ وَاغْفِرْلِیْ مَا لَا یَضُرُّكَ[٢٠٤]

اے وہ ذات! اے میرے اللہ! میرے گناہوں سے تجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اگر تو ہم کو بخش دے تو تیرے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہوگی، پس تیرا جو خزانہ کم ہونے والا نہیں وہ ہمیں دے دے یعنی تو ہمیں معاف کردے اور ہمیں بخش دے اور ہمارے جن گناہوں سے تجھ کو تکلیف نہیں ہوئی تو انہیں معاف کرنے میں آپ کا کیا بگڑتا ہے، پس آپ اپنی رحمت سے ہم کو معافی دے دیں۔ یہ مضمون حدیث شریف کا ہے۔

مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو اگر تم فرض نماز پڑھ رہے ہو اور کوئی اندھا جارہا ہے اور سامنے کوئی گڑھا یا کنواں ہے اور ڈر ہے کہ وہ اس کنویں میں گر جائے گا تو تم نماز توڑ دو، میرا حق چھوڑ دو، میری مخلوق کا خیال کرو۔ دیکھا آپ نے یہ ہے اللہ تعالیٰ۔ اللہ اللہ ہے بھائی! اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے معاملے میں کبھی ظلم نہ کرو۔

---

[٢٠٤] شعب الایمان للبیھقی: ٩/٤٢٤-٤٢٥ (٦٩٢٣)، مکتبة الرشد

والدین کوستانے والے کی توبہ کا طریقہ

اگر کبھی کسی کو ستا دیا ہے مثلاً اگر ماں باپ کو ستایا ہے اور ان کا انتقال ہو گیا، اب پچھتاوا ہوا کہ میں نے ماں باپ کو بہت ستایا ہے تو اس کے لیے بھی راستہ موجود ہے۔ روزانہ یٰسین شریف پڑھ کر ثواب بخشو، صدقہ خیرات سے ایصالِ ثواب کرو اور ان کی مغفرت کے لیے دعا بھی کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اللہ اس کو فرماں برداروں میں لکھ دے گا۔

حدیثِ پاک میں اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ماں باپ ناراض ہو کر وفات پا گئے اور وہ ساری عمر قرآنِ پاک پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتا رہے اور کچھ مال بھی مدرسہ وغیرہ میں ان کے نام سے صدقہ جاریہ میں لگا دے تو ان شاء اللہ قیامت کے دن فرماں بردار لکھ دیا جائے گا۔ اور اگر ماں باپ زندہ ہیں تو ان کے پیر پکڑ کر معافی مانگو۔ بیوی بھی زندہ ہے تو اس کو الگ کمرے میں بلا کر لپٹ جاؤ اور کہہ دو کہ ہمیں معاف کرو اور صرف سوکھی معافی مت مانگو۔ ایک عالم سے سب نے لپٹ کر مصافحہ تو کیا مگر کسی نے ایک روپیہ بھی ہدیہ نہ دیا تو اس نے جنوبی افریقہ سے لندن جا کر مولانا ایوب سورتی سے کہا کہ محبت تو خوب کی مگر مصافحہ خشک کیا۔ لہٰذا محبت کرو تو کچھ ہدیہ بھی دو اور پیر بھی ہدیہ دے، یہ نہیں کہ ون وے ٹریفک چلائے، پیر کے لیے بھی ضروری ہے کہ کبھی وہ بھی ہدیہ دے، دونوں طرف سے ہدیہ ہے، جن احباب سے بے تکلفی ہو ان سے کبھی ہدیہ مانگنا بھی سنّت ہے۔ ایک کنجوس سے کسی نے انگوٹھی مانگی کہ اسے دیکھ کر تمہیں یاد کر لیا کروں گا۔ اس نے کہا کہ میں انگوٹھی نہیں دوں گا، جب اپنی خالی انگلی دیکھو تو یاد کر لینا کہ میں نے انگوٹھی نہیں دی۔

بتاؤ! میری تقریر میں مزہ آرہا ہے یا نہیں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میری تقریر اور مجلس کو اللہ تعالیٰ نے چٹ پٹی مزیدار بنایا ہے، آج تک کسی نے نہیں کہا کہ میرا دل گھبرا رہا ہے بلکہ جس کا دل گھبراتا ہے یہاں آکر اس کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان اور کرم ہے۔ اس لیے میں نے اس وقت چند نصیحتیں کی ہیں کہ

اپنی بیوی کی ایک لاکھ خطائیں معاف کرو اور غیرت کا نام نہ لو کہ مجھے غیرت آتی ہے کہ بیوی ہو کر ہمیں غلام بنانا چاہتی ہے، لفظ غیرت سے توبہ کرو۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غیرت تمہاری نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَغْلِبْنَ کَرِیْمًا وَیَغْلِبُهُنَّ لَئِیْمٌ فَاُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ کَرِیْمًا مَغْلُوْبًا
وَلَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ لَئِیْمًا غَالِبًا[۲۰۵]

جو کریم شوہر ہیں، لائق شوہر ہیں اُن پر بیویاں غالب رہتی ہیں اور جو نالائق اور کمینے لوگ ہیں وہ بیویوں پر غالب رہتے ہیں، پس میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں کریم رہوں، ان سے مغلوب رہوں، میرے اخلاق خراب نہ ہوں اور اس کو محبوب نہیں رکھتا کہ کمینہ ہو کر ان پر غالب رہوں۔

سن لو! بڑی غیرت غیرت کرتے ہو خاص کر بعض علاقے کے لوگ غیرت کے نام پر بہت ظلم کرتے ہیں، پہلی رات میں بیوی کو بلا قصور مارتے ہیں، کہتے ہیں تاکہ ہمیشہ کے لیے اس پر رُعب رہے۔ کیا کہیں ظلم ہی ظلم ہے۔ ارے محبت ایسی چیز ہے کہ اگر تم پیار سے رکھو گے تو تم پر فدا رہے گی، غلام بنی رہے گی، ہر طرف تعریف کرے گی، اپنے ماں باپ سے بھی کہے گی کہ ہم تو زبان کی کڑوی ہیں، نالائق ہیں مگر آپ کو داماد فرشتہ ملا ہے۔ لہٰذا فرشتے بن کر رہو اور بیوی کی ایک لاکھ خطا معاف کرو، اور قیامت کے دن اپنی معاف کرالو، ان شاء اللہ! اور دل نہ چاہے تو بھی پیار کرو، خاص کر بڑھاپے میں کیوں کہ بڑھاپے میں چہرہ خراب ہو جاتا ہے، اس وقت بھی تم پیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس پر ڈبل اجر دے گا کہ اب میرے بندے کا دل نہیں چاہتا، چہرے کا نقشہ بدل گیا، صورت خراب ہو گئی پھر بھی آسمان پر مجھ کو خوش کرنے کے لیے زمین پر مہربانی کر رہا ہے۔ جوانی میں تو سب ہی پیار کرتے ہیں، کافر بھی پیار کرتا ہے لیکن بڈھی بیوی کو پیار کرنا اولیاء اللہ کا کام ہے کہ یااللہ! تیری بندی ہے۔ اس کا دل خوش کرنے کے لیے کلیجہ سے لگالیا اور یہ نہیں کہ خشک معانقہ اور خشک مصافحہ کیا بلکہ کبھی سو روپیہ پیش کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اگر زیادہ دیا

---

[۲۰۵] روح المعانی: ۲/۶۵، البقرة (۱۸۰)، دار إحیاء التراث، بیروت

ہے تو ایک ہزار کا نوٹ پیش کر دیا اور کہا کہ یہ تمہارا ہے جو چاہو خرچ کرو، پوتوں کو دو، نواسوں کو دو، اپنے ماں باپ کو دو، خود کھاؤ۔ حضرت حکیم الامّت نے لکھا ہے کہ بیوی کو وظیفہ دینا اس کا ایک حق ہے۔ اس کا نام ہدیہ ہے۔ کچھ رقم ہر ماہ اس کو دو جس کا اس سے حساب نہ لو کہ ایک ہزار روپیہ دیا تھا، کہاں خرچ کیا؟

ماضی میں بیوی پر ظلم کیا ہو تو اسے لپٹا کر معافی مانگ لو کہ جب سے شادی ہوئی ہے آج تک مجھ سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو مجھے معاف کر دو، اب ہم آیندہ آپ کو محبت سے رکھیں گے، کبھی نہیں جھڑکیں گے، نہ ڈانٹیں گے۔ ان کا ہر مہینہ ہدیہ مقرر کر دو اور اس کا حساب نہ لو۔

غرض جن سے دل نہ چاہے ان کے ساتھ بھی اخلاق سے پیش آؤ۔ مخلوق ستائے تو اس کے لیے موت کی تمنا یا بیماری کی تمنا مت کرو، بس یہ کہو کہ اے اللہ! اس کو ہدایت دے دے، اس کے ظلم سے ہم کو نجات دے اور اس کو تلافی کی توفیق دے دے۔

ارے دوستو! قدر کر لو ایک دن اختر بھی قبر میں جانے والا ہے، یہ باتیں اللہ کی رحمت کے صدقے میں ہیں، ہماری اپنی کمائی اور مطالعہ نہیں ہے۔ بزرگوں کی صحبت اُٹھانے کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ وقت پر میرے دل پر مضامین عطا فرماتا ہے۔ آج اس زمانے میں روئے زمین پر اتنی صحبت اُٹھانے والا آپ کو نہیں ملے گا۔ ہر عالم اور ہر دینی مربی سے جا کر پوچھو کہ تم شیخ کے ساتھ کتنا رہے تو ان شاء اللہ میرا عرصۂ صحبت بڑھ جائے گا۔ دس برس تو میں اپنے شیخ کے ساتھ جنگل میں رہا اور سات برس اپنے مدرسہ کا ملا کر سترہ سال ہوئے اور تین سال یہاں، تین برس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ، رات دن روزانہ بلاناغہ ان کی صحبت میں جاتا تھا۔

اور مولانا شاہ محمد احمد صاحب اتنے بڑے شیخ تھے کہ میرے شیخ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے ان کو اپنا پیر بنایا ہوا تھا۔ اور میرے شیخِ اوّل حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر گئے اور حضرت نے وہاں کی زمین اور آسمان کو دیکھا اور فرمایا کہ مولانا محمد احمد صاحب کا نور میں زمین سے آسمان تک دیکھ رہا ہوں، اتنا بڑا شخص اور حکیم الامّت کا

خلیفہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب کے بارے میں یہ کہہ رہا ہے، تو مولانا شاہ محمد احمد صاحب کے ساتھ میں تین سال رہا۔

میں فخر نہیں کر رہا ہوں، میں حق تعالیٰ کی رحمت کا شکریہ ادا کر رہا ہوں کہ اختر ان بزرگوں کے پاس نہیں جاسکتا تھا اگر آپ توفیق نہ دیتے کیوں کہ میری بالکل جوانی کا آغاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اولیاء اللہ کی گود میں، اللہ والوں کی گود میں ڈال دیا۔ میں ان کے اولیاء اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن اُمت مسلمہ ان کو ولی اللہ سمجھتی ہے اور میں بھی ان کے بارے میں یہی نیک گمان رکھتا ہوں اور ان کے آثار اور علامات بھی ایسے ہی تھے کہ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ اللہ والے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب کی مجلس ہو رہی تھی، دیوبند کے صدر مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجلس میں موجود تھے کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب تقریر کرتے کرتے تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے۔ حضرت مفتی صاحب نے جُھک کر مولانا کے چہرے کی طرف دیکھا اور میرے کان میں فرمایا کہ اب مولانا یہاں نہیں ہیں یعنی زمین پر نہیں ہیں۔ یہ وہ اللہ والے ہیں کہ ذرا سی دیر میں فرش سے عرش پر پہنچ جاتے ہیں۔ تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ اب مولانا یہاں نہیں ہیں۔ الحمد للہ! ایسے ایسے بزرگوں کی اللہ نے زیارت نصیب فرمائی۔ ان ہی کے صدقے میں یہ مضمون بیان ہو رہا ہے، آپ کا دل فیصلہ کرے گا کہ یہ باتیں آپ کو کم ملیں گی، ہم نایاب نہیں کہتے کمیاب کہتے ہیں، نایاب کہنا جائز نہیں ہے کیوں کہ دعویٰ ہو جائے گا، ہو سکتا ہے اللہ کا کوئی بندہ چھپا ہوا ہو لیکن مختلف خانقاہوں میں بیٹھ کر پھر میری بات سنو پھر آپ کو قدر معلوم ہو گی۔

بندیوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی سفارش

تو یہ عرض کر رہا ہوں کہ سب سے بڑا کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں لہٰذا آج سے ارادہ کر لو کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے خاص کر اپنی بیویوں کے معاملے میں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے سفارش نازل کی:

وَعَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ[۲۰۶]

اے ایمان والو! اپنی بیویوں سے بھلائی سے پیش آؤ، اگر تم نے بیویوں کو رُلایا اور ان کی آہ نکلوائی تو یاد رکھو یہ آہ تمہارے اوپر گرے گی، گردہ خراب ہو جائے گا یا کینسر ہو گا یا کوئی اور عذاب نازل ہو جائے گا۔ اختر نے یہ بات اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے اتنی زیادہ دیکھی ہے کہ جنہوں نے اپنی بیویوں کو رُلایا، ان کی آہ نکلوائی وہ سخت عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ وہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر، بھائیوں کو چھوڑ کر اللہ کی شریعت و قانون کے مطابق اپنی ساری زندگی ہمیں سونپ دیتی ہیں تو ہمارا بھی فرض بنتا ہے کہ جب ان کے ماں باپ، ان کے بہن بھائی ان کے پاس نہیں ہیں تو ہم ان کی دلجوئی کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی بندیوں کی سفارش نازل فرمائی ہے وَعَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ اپنی بیویوں سے بھلائی سے پیش آؤ۔ کیوں صاحب! اگر کسی ملک کا وزیرِ اعظم آپ کو خط لکھ دے کہ تم اپنی بیوی سے اچھے اخلاق سے پیش آنا کیوں کہ تمہاری بیوی میری بیٹی کے ساتھ پڑھی ہوئی ہے تو آپ اپنی بیوی کو ستا سکتے ہیں؟ بولیے! تو اللہ تعالیٰ کی سفارش کے بعد اپنی بیویوں کو ستانے کی ہمت کیسے ہوتی ہے۔ بیوی چاہے جوان ہو، چاہے بڈھی ہو، منہ میں اس کے دانت نہ ہو، دانت ٹوٹ گئے ہوں، جب جوانی تھی تو خوب پیار کیا، جب بیچاری کے دانت ٹوٹ گئے، گال پچک گئے اب اس کو حقیر سمجھ رہے ہو، یہ ٹھیک نہیں ہے، اس بڈھی کا بھی خیال کرو کیوں کہ تمہارے ساتھ بڈھی ہوئی ہے، اُس وقت طبیعت سے پیار کرتے تھے اب اللہ کا حکم سمجھ کر اس کے ساتھ شفقت کرو، اگر اس کے سر میں درد ہو جائے تو دوا لے آؤ۔ غرض اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرو۔

اچھے اخلاق کثرتِ عبادت کا نام نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے اچھے اخلاق اس کے ہیں جس کے اپنی بیوی کے ساتھ اخلاق اچھے ہیں، ہم دوستوں میں تو خوب ہنسیں گے،

---

[۲۰۶] النسآء:۱۹

خوب لطیفے سنائیں گے اور بیوی کے پاس منہ سکوڑے ہوئے جائیں گے یا سنجیدہ بزرگ بن جائیں گے، جیسے ہنسنا جانتے ہی نہیں۔ اب وہ بیچاری تعجب میں ہے کہ یا اللہ میں دن بھر منتظر تھی کہ رات کو میرا شوہر آئے گا تو اس کے ساتھ ہنسوں بولوں گی، بیویوں کے ساتھ ہنسنا بولنا عبادت میں داخل ہے، دوستوں میں رات بھر جاگنا اور بیوی سے بات نہ کرنا صحابہ کی سنّت کے خلاف ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادت کرتے ہیں، نہ بیوی کے پاس جاتے ہیں نہ لوگوں سے ملتے جُلتے ہیں تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان کے گھر گئے، جب حضرت ابو درداء نے ان کی خدمت میں کچھ کھانے کے لیے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ، حضرت ابو درداء نے عرض کیا کہ میں روزہ سے ہوں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ اگر تم نہیں کھاؤ گے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا اور پھر یہ حدیث پیش کی:

اِنَّ لِضَیۡفِكَ عَلَیۡكَ حَقًّا

تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے۔ اور فرمایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں مجھ سے باتیں کرو، اس کے بعد فرمایا: اچھا جاؤ کچھ نفلیں پڑھو، جب نفلیں پڑھ لیں تو فرمایا

اِنَّ لِزَوۡجَتِكَ عَلَیۡكَ حَقًّا[۲۰۷]

تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ پس جاؤ اپنی بیوی کا بھی حق ادا کرو، اس سے بھی باتیں کرو۔

اسی لیے حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کے لیے سفارش نازل کی ہے تو جو خدا کی سفارش کو رد کردے، یہ حکیم الامت کے الفاظ ہیں میں نہیں کہہ رہا، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے زمانے کے مجدد تھے، وہ فرماتے ہیں کہ جو اپنی بیویوں کو ستائے اور اللہ تعالیٰ کی سفارش کو رد کردے، ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش نہ آئے تو یہ بے غیرت مرد ہے کیوں کہ وہ بے چاری کمزور ہے، اس کے ماں باپ اور بھائی اس سے دور ہیں، وہ تمہارے قبضے

---

[۲۰۷] سنن النسائی: ۲/۱۲۸، دار الکتب العلمیة

میں ہے، دو تین بچوں کے بعد وہ اور بھی کمزور ہو جاتی ہیں اور مرد صاحب مسٹنڈے رہتے ہیں، انڈے کھا کھا کر ڈنڈے دِکھاتے ہیں اور کہتے ہیں صاحب کیا کروں میں تو غصے سے پاگل ہو جاتا ہوں، کہتا ہوں تولیہ دھوؤ، اس نے تولیہ نہیں دھویا۔ ارے بھائی! کیوں تم نے اس کو خادمہ سمجھ رکھا ہے اپنا تولیہ خود دھولو، بیوی اس لیے تھوڑی دی گئی ہے کہ تمہارے کپڑے دھوتی رہے، خود دھولو لیکن اس کو مت ستاؤ۔

غصہ چالاک ہوتا ہے

کراچی میں ہمارے ایک دوست تھے وہ کہتے تھے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم غصے سے پاگل ہو جاتے ہیں بالکل غلط کہتے ہیں، غصہ کبھی پاگل نہیں ہوتا، غصہ بہت ہوشیار ہوتا ہے، جب سیر بھر طاقت والے کے پاس سوا سیر والا آجائے اور ڈنڈا اور چھرا اور چاقو دکھائے تب اس وقت غصہ کہتا ہے کہ معاف کر دینا۔ اب غصہ کو یہ عقل کہاں سے آگئی؟ خوب سُن لو دوستو! سیر بھر طاقت والا غصہ آدھے سیر والے پر پاگل ہوتا ہے، اپنے سے کمزور پر پاگل ہوتا ہے لیکن جب سوا سیر والا آگیا، محمد علی کلے نے بوکسنگ کا ایک ہاتھ دکھایا تو وہاں ہاتھ جوڑ کر بلی بن گئے۔ معلوم ہوا کہ غصے میں کوئی پاگل نہیں ہوتا، یہ سب بے وقوفی اور مکاری کی باتیں ہیں پھر بھی میں غصہ کا علاج بتائے دیتا ہوں۔

غصہ کا علاج

جدہ سے میرے پاس ایک خط آیا کہ میری بیوی میں، میرے بچوں میں، سارے خاندان میں غصہ بہت ہے، غصہ کا یہ مرض ایک عذاب بنا ہوا ہے۔ میں نے ان کو لکھا کہ جب دستر خوان بچھاؤ تو سب لوگ مل کر کھاؤ اور کھانے پر سات مرتبہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر دم کرو اور دم کرتے وقت تھوڑا سا تھوک بھی گر جائے مگر ذرّہ کے برابر یہ نہیں کہ ایک تولہ تھوک دیا۔ ملا علی قاری مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں لکھتے ہیں خُرُوۡجُ الۡبُزَاقِ مِنَ الۡفَمِ بزاق کے معنٰی ہیں کہ تھوک کے تھوڑے سے ذرات گر جائیں۔ تو انہوں نے اس پر عمل کیا، ایک مہینے کے بعد خط لکھا کہ اللہ کے رحمٰن اور رحیم نام کے صدقہ میں ہم سب پر شانِ رحمت آگئی، ہمارے غصے ختم ہوگئے اور ہم

معتدل مزاج کے ہوگئے۔ اس لیے اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ کسی بزرگ سے مشورہ کرلو، آج ہم نے بزرگوں سے، اللہ والوں سے تعلق چھوڑ دیا، اپنا علاج خود ہی کرنے لگے، روحانی بیماری کا کوئی مرض ایسا نہیں جو اچھا نہ ہو سکے، پوچھ کر عمل کر کے دیکھو۔

پُر سکون زندگی حاصل کرنے کا طریقہ

بعض لوگ اپنے ماں باپ کو ستاتے ہیں، اپنے شیخ کو ستاتے ہیں، اپنی بیویوں کو ستاتے ہیں، اپنے بچوں کی بے جا پٹائی کرتے ہیں، گلاس گر گیا تو مار مار کر ہڈی توڑ دی اور بچے کو ہسپتال میں داخل کرنا پڑا جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسے تمہاری زندگی ہے برتنوں کی بھی زندگی ہے، ان کی بھی موت لکھی ہوتی ہے جس دن گرنا ہے گر کر رہے گا، اس لیے ذرا نرمی سے تنبیہ کر دو کہ مضبوط ہاتھوں سے برتن پکڑو، یہ نہیں کہ مار، پٹائی اور ظلم و تشدد شروع کر دیا، یہ اسی کا عذاب ہے کہ آج ہم سکون سے نہیں ہیں۔

بیوی کو ستانے کا عذاب

بیویوں کا دل اتنا حساس ہوتا ہے کہ ان کو ذرا سا جھڑک دو کہ آج ہم بہت تھک گئے ہیں، تم کیا کام کرتی ہو دن بھر آرام سے پڑی رہتی ہو، اب وہ بے چاری رات بھر رو رہی ہے کہ یا اللہ میں اس ظالم کے پیار کی بھوکی تھی کہ گھر آئے گا، مسکرائے گا، کچھ بولے گا، یہ تو ایسا تھکا ماندہ آیا ہے کہ آتے ہی سو گیا، ان مظلوموں کی آہ براہِ راست آسمان پر جاتی ہے، اللہ ان کے آنسوؤں کو دیکھتا ہے، ایسے ظالم شوہروں کو میں نے سخت عذاب میں مبتلا پایا۔

ایک صاحب کی بیوی کالی رنگت کی تھی، انہوں نے اسے چھ بچوں کی ماں ہونے کے باوجود طلاق دے دی کہ ہم بہت حُسن پرست ہیں، ہمیں بہت خوبصورت بیوی چاہیے، میری ماں نے غلطی کی جو ایسی عورت سے میری شادی کر دی۔ یہ بات انہوں نے خود مجھ سے کہی، یہ سنا سنایا قصہ نہیں آنکھوں دیکھا حال ہے، انہوں نے کہا کہ اب مجھ سے گزارہ نہیں ہوگا۔ میں نے ان کو بہت سمجھایا کہ ایسا نہ کرو لیکن وہ نہیں مانے۔ اس عورت نے کہا کہ جب میں آپ کو پسند نہیں تھی تو یہ چھ بچے کہاں سے آگئے؟ اُسی وقت

طلاق دے دیتے تو میری شادی آسانی سے ہو جاتی، اب چھ بچوں والی بنا کر مجھے طلاق دے رہے ہیں، ان صاحب نے کہا کہ نہیں میں مجبور ہوں، اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، میں کسی حسین عورت سے شادی کروں گا اور اسے طلاق دے دی، جب وہ چھ بچوں کو لے کر گھر سے نکلی تو سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور بزبانِ حال یہ شعر پڑھا۔

ہم بتاتے کسے اپنی مجبوریاں
رہ گئے جانبِ آسماں دیکھ کر

اس کے بعد شوہر صاحب نے ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کرلی، چھ مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ ان پر فالج گر گیا، اس کے بعد تقریباً دس سال تک زندہ رہے اور چارپائی پر پاخانہ پھرتے رہے اور وہ حسین لڑکی بھی بھاگ گئی کہ ایسے شخص سے میرا گزارہ کیسے ہو گا؟ دیکھا آپ نے یہ ہوتا ہے خدا کی بندیوں کو ستانے کا انجام! اس لیے عرض کرتا ہوں کہ اپنی مظلوم بیویوں کی آہ مت خریدو۔

بیوی پر مہربانی کرنے کا انعام

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

خَیۡرُکُمۡ خَیۡرُکُمۡ لِاَھۡلِہٖ[۲۰۸]

تم میں سب سے اچھے اخلاق اس کے ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ مہربانی کرتا ہے، ان کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے۔ حکیم الامّت تھانوی نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ایک مزدور نے بڑی محنت کرکے پسینہ گرا کر پیسے جمع کیے اور مرغی لایا، بھوک بھی سخت لگی ہوئی تھی مگر کھانے میں بیوی سے نمک اتنا تیز ہو گیا کہ اس سے کھایا نہیں گیا، مگر بیوی کو کچھ نہیں کہا، اللہ والا آدمی تھا، اس نے سوچا کہ اگر میری بیٹی کے ہاتھ سے نمک تیز ہو جاتا تو میں کبھی نہ چاہتا کہ میرا داماد اس کو جوتے مارے تو میری بیوی بھی کسی کی بیٹی ہے، ہم اپنی بیٹیوں کے لیے تو تعویذ مانگتے ہیں کہ مولانا صاحب تعویذ دے دو تاکہ میرا داماد میری بیٹی

---

[۲۰۸] جامع الترمذی: ۲/۲۲۸، باب فضل ازواج النبی، ایچ ایم سعید

کو پیار محبت سے رکھے، خطا ہو جائے تو اس کو معاف کر دے، اسے گالیاں نہ دے، جوتے نہ مارے، اس سے منہ نہ پھلائے، اپنی بیٹی کے لیے تعویذ لیتے ہیں یا نہیں؟ اور آپ کی بیویاں بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں یا نہیں؟ بولو بھئی! تو کھانے میں نمک تیز ہو جانے کے باوجود شوہر نے بیوی کو معاف کر دیا اور کہا کہ یا اللہ آپ کی بندی سمجھ کر اس کو معاف کرتا ہوں جو چند دن کے لیے مجھے ملی ہے، پھر نہ ہم ہوں گے نہ یہ ہوگی، سب قبروں میں لیٹے ہوں گے، میں آپ کو خوش کرنے کے لیے آپ کی اس بندی کی خطاء کو معاف کرتا ہوں۔ حکیم الامت مجددالملت اپنے وعظ میں بیان کرتے ہیں کہ جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کو ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اے بھائی! اللہ کے یہاں تیرا کیا معاملہ ہوا؟ اس نے کہا کہ میرے بڑے گناہ تھے لیکن اللہ نے فرمایا کہ تو نے جو نمک تیز کرنے پر میری بندی کو معاف کر دیا تھا اس کے بدلہ میں میں تجھ کو معاف کرتا ہوں۔

اکمل ایمان کیسے حاصل کریں؟

آج ایک حدیث سن لیجیے، ان شاء اللہ اس کی برکت سے ایمان کامل نہیں اکمل ہو جائے گا، بس فرض، واجب، سنّت مؤکدہ پڑھ لو، زیادہ نفل، حج، عمرہ بہت زیادہ تسبیح اور نفلی عبادات چاہے کم ہوں مگر اخلاق اچھے کر لو تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کے اخلاق مخلوقِ خدا کے ساتھ اچھے ہوں گے قیامت کے دن اس کا ایمان کامل ہی نہیں اکمل ہوگا۔ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ[۲۰۹]

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہاں علامہ بدر الدین عینی نے ایک علمی اِشکال کیا ہے کہ کیا پیر سے مارنے کی اجازت ہے؟ کیوں کہ حدیث میں صرف دو باتیں ہیں زبان سے تکلیف نہ دو اور ہاتھ سے تکلیف نہ دو مگر پیر کا ذکر نہیں فرمایا لہٰذا کیا زبان اور ہاتھ کو بچاؤ اور دولات لگا دو؟ تو علامہ بدر الدین عینی اس

---

[۲۰۹] صحیح البخاری: ۶/۱(۱۰)، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، المکتبة المظهرية

کا جواب دیتے ہیں کہ جو اعضاء تکلیف پہنچانے میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں وہ دو ہیں زبان اور ہاتھ، لات کی نوبت تو بہت کم آتی ہے تو جب زیادہ استعمال ہونے والے اعضاء کی حفاظت کی مشق ہو جائے گی تو لات کی تو نوبت ہی نہیں آئے گی، اس کو قابو کرنا بالکل آسان ہو جائے گا۔

علامہ ایک اِشکال اور کرتے ہیں کہ زبان سے تکلیف ہوتی ہے یا زبان کے الفاظ سے تکلیف ہوتی ہے، زبان میں تو ہڈی بھی نہیں ہے، وہ تو ملائم گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر آپ غصے میں اپنی بیوی کے گال پر زبان کو زور سے رگڑیں تو کیا وہ کہے گی کہ ہائے میں مر گئی؟ اسی لیے علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ اَلْفَاظِ لِسَانِہٖ یعنی مسلمان وہ ہے جس کے الفاظ سے لوگوں کو اذیت نہ پہنچے، زبان بے چاری کیا تکلیف پہنچائے گی۔ علامہ بدر الدین عینی اس کا جواب دیتے ہیں کہ بعض وقت بغیر الفاظ کے بھی زبان سے تکلیف دی جاسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ نبوت میں کمالِ بلاغت دیا گیا تھا، آپ نے لِسَانْ اس لیے فرمایا تاکہ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہو جائیں لِیَشْمُلَ اِخْرَاجُہٗ اِسْتِھْزَاءً بِغَیْرِ[۲۱۰] جو کسی کا مذاق اُڑانے کے لیے زبان کو باہر نکالتے ہیں اور ہلا کر بھاگ جاتے ہیں، اس میں کوئی لفظ بھی نہیں نکلتا، بچے اکثر ایسا کرتے ہیں، جب دیکھتے ہیں کہ پٹائی ہو رہی ہے اور بدلہ نہیں لے سکتے تو بچے زبان نکال کر، منہ چڑا کر بھاگ جاتے ہیں اور بعضے بڑے بھی ایسا کرتے ہیں تو علامہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مِنْ لِّسَانِہٖ اس لیے فرمایا تاکہ وہ ظالم، وہ موذی، وہ تکلیف دینے والے بھی اس حدیث میں شامل ہو جائیں جو زبان کو نکال کر ہلا کر مذاق اڑا دیتے ہیں اور بولتے کچھ نہیں۔

مخلوق پر احسان کرنا اچھے اخلاق کی نشانی ہے

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک ملازم کو ڈانٹ رہے

---

[۲۱۰] مرقاۃ المفاتیح: ۱/۱۷۲(۶)، کتاب الایمان، دار الفکر، بیروت

تھے، اس نے کہا: حضور! خطا ہو گئی معاف کر دیجیے، فرمایا تم نے ایک درجن خطائیں کی ہیں، میں کتنا بھگتوں؟ یعنی کتنا برداشت کروں تو تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پاس بیٹھے ہوئے تھے جو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے سگے چچا بھی تھے، انہوں نے شیخ الحدیث کے کان میں فرمایا کہ قیامت کے دن جتنا اپنا بھگتوانا ہو، جتنی اپنی خطاؤں کی معافی کرانی ہو اتنا یہاں بھگت لو اور اللہ کے بندوں کو معاف کر دو۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھانجے حضرت مسطح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ناراض ہو گئے اور قسم اُٹھائی کہ اب میں ان کو کبھی کچھ نہیں دوں گا۔ حضرت مسطح بدری صحابی تھے، بدری صحابہ اللہ کے مقبولین میں سے ہیں اور اللہ ایک دفعہ جس کو قبول کرتا ہے پھر اس کو کبھی مردود نہیں کرتا، ہم لوگ تو اس لیے مردود کر دیتے ہیں کہ ہم کو مستقبل میں کسی کی وفاداری کا علم نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ اُسی کو مقبول بناتے ہیں جو علمِ الٰہی میں ہمیشہ مقبول ہوتا ہے، ماضی، حال، مستقبل اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے چناں چہ جس کو ایک مرتبہ قبول کر لیتے ہیں پھر کبھی اس کو مردود نہیں فرماتے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر سے حضرت مسطح کے لیے سفارش نازل فرمائی:

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللہُ لَکُمْ[٢١١]

اے ابو بکر صدیق! کیا تم محبوب نہیں رکھتے کہ میرے اس بدری صحابی کو جس نے بدر میں جنگ لڑی تھی اور میں نے اس کو اپنا مقبول بنالیا تھا، جس سے بے شک غلطی ہو گئی لیکن میں اس کو معاف کرتا ہوں اگر تم اس کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تم کو بخش دے تو تم میرے مسطح کو معاف کر دو۔ یہ تفسیر جو میں پیش کر رہا ہوں روح المعانی میں اس آیت کے شانِ نزول میں موجود ہے۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ آپ مجھے قیامت کے دن بخش دیں، میں آپ کے اس بندے کو معاف کرتا ہوں بلکہ اس پر پہلے سے بھی زیادہ احسان کروں گا۔

---

[٢١١] النور:٢٢

بیویوں کی کڑوی باتوں پر درگزر سے کام لیں

اب رہ گیا یہ کہ بیویاں بھی تو ہمیں ستاتی ہیں تو اس کے بارے میں سن لو کہ اگر یہ عورتوں کا مجمع ہوتا تو میں ان کے سامنے آپ کی طرف داری کرتا، ان کو یہ سکھلاتا کہ اپنے شوہروں کی عزت کرو، ان کو ناراض مت کرو ورنہ تمہاری عبادت قبول نہیں ہوگی لیکن اس وقت آپ ہمارے ہاتھ لگے ہوئے ہیں تو اس کے خلاف والا مقدمہ پیش کررہا ہوں کہ بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ لیکن پھر بھی میں چند واقعے پیش کیے دیتا ہوں جن سے آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ اگر وہ ستاتی بھی ہیں تو بھی آپ صبر کریں، اگر بیوی غصہ کی تیز ہے، کڑوی کڑوی باتیں سناتی ہے تو اس کو برداشت کریں، ان شاء اللہ اسی سے آپ اللہ کے پیارے ہوجائیں گے۔

مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کی بیٹی کڑوی زبان والی ہے اور آپ کو داماد شریف مل گیا اور آپ کی بیٹی نے آپ سے آکر کہا کہ اگر میں اپنے شوہر کو کڑوی بات کہہ دیتی ہوں، ستاتی ہوں، غصہ دِکھاتی ہوں پھر بھی میرا شوہر مجھے کچھ نہیں کہتا، آپ کا داماد فرشتہ ہے، مجھ سے کوئی بدلہ نہیں لیتا بلکہ جب اس سے برداشت نہیں ہوتا تو باہر چلا جاتا ہے، تو آپ بتائیے کہ ایسے داماد کے بارے میں ابا کا دل کیا کہے گا؟ بولو بھئی! ابّا کہے گا کہ کوئی بلڈنگ ہوتی تو اس کے نام لکھ دیتا، کار ہوتی تو اس کو دے دیتا تو جو لوگ ربّا کی کڑوی مزاج اور غصے والی بندیوں کی بد اخلاقیوں اور کڑوی باتوں کو برداشت کررہے ہیں تو ربّا بھی ایسے بندوں سے خوش ہوجاتے ہیں کہ اپنے اس بندے کو میں کیا دوں، نسبت مع اللہ کا اعلیٰ مقام، تعلق مع اللہ کا اعلیٰ مقام عطا فرماتے ہیں۔ بہر حال اللہ ایسے لوگوں کو اپنا بہت بڑا ولی بناتا ہے، جب ابّا داماد کو انعام دے سکتا ہے تو رَبّا اس بندے کو کیوں انعام نہ دے گا جو اس کی ایسی بندیوں کو پار لگادے جو زبان کی کڑوی ہوں۔ اب ایک واقعہ اور سنیں۔

ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے کوئی کرامت دے دیں، تیری یہ بندی جو میری بیوی ہے بڑی کڑوی کڑوی باتیں کرتی ہے جو مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں، میرا بھی غصہ تیز ہے اس کا بھی غصہ تیز ہے۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

لٰہذا آپ مجھے کوئی کرامت دے دیں تاکہ میں اس پر اپنی بزرگی کا رعب جمادوں تاکہ وہ مجھ کو ولی اللہ سمجھ کر میری بد دعا کے ڈر سے مجھے نہ ستائے۔ آسمان سے آواز آئی کہ اپنی چارپائی پر بیٹھ جا میں اس کو اُڑنے کا حکم دوں گا، پھر اس کو بتانا کہ دیکھ آج میں نے تجھ کو کیسی کرامت دکھائی، اب تو تو مجھے بزرگ مان کر مجھے ستانا چھوڑ دے۔ تو ان کے بیٹھتے ہی چارپائی اُڑنے لگی، انہوں نے اپنے گھر کے صحن کے اوپر سے اُڑاُڑ کر بیوی کو دِکھایا، پھر آکر اس سے پوچھا کہ آج تم نے کوئی بزرگ دیکھا؟ کہا: ہاں! آج ایسے بزرگ دیکھے جو آسمان پر اُڑ رہے تھے، میرے صحن پر سے کئی دفعہ گزرے، بزرگ اس کو کہتے ہیں، ایک تو ہے خوامخواہ کا بزرگ بنا ہوا ہے، ہر وقت زمین ہی پر دھرا رہتا ہے کبھی تو نے اُڑ کر دکھایا؟ تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! وہ میں ہی تھا، اللہ نے مجھ کو کرامت دی تھی، تو بیوی کہتی ہے توبہ توبہ وہ تم تھے! جب ہی تو کہوں ٹیڑھے ٹیڑھے کیوں اُڑ رہے تھے۔ دیکھا آپ نے کرامت کو بھی اس نے گڑبڑ کر دیا۔

ایک صاحبِ کرامت بزرگ تھے شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ، ایک شخص ہزار میل دور سے ان سے مرید ہونے آیا، شیخ اس وقت جنگل میں لکڑی کاٹنے گئے ہوئے تھے، اس شخص نے ان کے گھر پہنچ کر ان کی بیوی سے پوچھا کہ شیخ کہاں ہیں، وہ تڑخ کر بولی واہ! شیخ کیا ہے میخ ہے وہ تو، میں تو رات دن اس کے ساتھ رہتی ہوں، وہ کوئی بزرگ وزرگ نہیں ہے، تم لوگ نہ جانے کن چکروں میں پھنس گئے ہو۔ اب وہ بیچارہ رونے لگا کہ یا اللہ! ہزار میل دور سے بزرگ سمجھ کر آیا تھا اور یہ عورت اتنی شکایتیں کر رہی ہے، اتنے میں محلہ والوں نے کہا کہ یہ عورت بد تمیز ہے، ان کو بہت ستاتی ہے لیکن ان کا ظرف ہے کہ اس کو برداشت کر رہے ہیں، اس کے ساتھ نباہ کر رہے ہیں۔ جاؤ! جنگل میں جا کر ان کی بزرگی دیکھو۔ جب وہ جنگل گیا تو دیکھا کہ شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ شیر پر بیٹھے لکڑی لادے چلے آرہے ہیں اور ہاتھ میں سانپ کا کوڑا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں اس قصہ کو بیان فرمارہے

ہیں۔ اب تو یہ حیران رہ گیا کہ یا اللہ! بیوی تو شکایت کر رہی تھی کہ بزرگ نہیں ہے اور اِدھر یہ کرامت۔ تب شیخ نے فرمایا کہ لگتا ہے تم میرے گھر سے آرہے ہو تبھی چہرہ اُترا ہوا ہے، میری بیوی سے تم نے کوئی شکایت سنی ہوگی، اس کا خیال مت کرو، میں جو اس کے ساتھ نباہ کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے اسی کی برکت سے یہ کرامت دی ہے کہ میں شیر نر سے بے گار لے رہا ہوں، یہ شیر میرے قبضے میں ہے، میں روزانہ اس پر لکڑی لاد کر لے جاتا ہوں اور سانپ کا کوڑا بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے، مجھے آسمان سے آواز آئی تھی کہ تو نے جو میری کڑوی زبان والی بندی کی کشتی پار لگادی اس کے صدقہ میں تجھے اتنی بڑی کرامت دیتا ہوں۔ اس واقعہ پر میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ مست ہو کر مولانا رومی کا یہ شعر پڑھتے تھے؎

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیر نر بیگارِ من

اگر میں اس کڑوی زبان والی عورت کو برداشت نہ کرتا اور میرا صبر اس عورت کی بداخلاقی کا بوجھ نہ اُٹھاتا تو یہ شیر نر بھی میری بے گاری، میری مزدوری نہ کرتا، یہ انعام اللہ تعالیٰ نے اسی صبر کے صدقہ میں دیا ہے۔

دوستو! میں یہی بات عرض کر رہا ہوں کہ بیویوں کے معاملے میں اچھے اخلاق سے پیش آؤ، ان کی کڑوی زبان کو برداشت کرلو، نہ برداشت ہو تو تھوڑی دیر کے لیے گھر سے باہر چلے جاؤ۔ سعدی شیرازی نے فرمایا کہ اگر کوئی کڑوی بات کرے تو اس کے منہ میں مٹھائی ڈال دو تاکہ گالی بھی میٹھی میٹھی نکلے۔ لوگ ڈنڈے سے بیویوں کو ٹھیک کرتے ہیں حالاں کہ بیویاں ڈنڈے سے ٹھیک نہیں ہوتیں۔

عورت کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنے کی وجہ

بخاری شریف کی حدیث ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے، بابا آدم کی ایک پسلی نکالی گئی تھی جس سے امّاں حوا پیدا کی گئیں، آپ سب اپنی پسلیاں گن لو بائیں طرف ایک پسلی کم ہوگی اسی ٹیڑھی پسلی سے

اماں حوا پیدا ہوئیں۔ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورت ٹیڑھی پسلی کی طرح ہے اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اسی ٹیڑھے پن کے ساتھ فائدہ اٹھالو، بتایئے! آپ لوگ ٹیڑھی پسلی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں یا نہیں یا ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں کہ میری ٹیڑھی پسلی کو سیدھا کر دو، اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَرْءَةُ کَالضِّلَعِ اِنْ اَقَمْتَهَا کَسَرْتَهَا وَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيْهَا عِوَجٌ[۲۱۲]

عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس ٹیڑھے پن کے ساتھ فائدہ اٹھالو بجائے اس کے کہ ناک بھوں چڑھاؤ کہ اس کی ناک چپٹی ہے، اس کا منہ کالا ہے، مجھے حسین بیوی ملنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کے پیٹ سے کوئی عالم، حافظ، ولی اللہ پیدا کر دے جو قیامت کے دن تمہارے کام آئے۔ اس لیے ان کو حقیر مت سمجھو، صورت کو مت دیکھو، بعض وقت زمین کالی ہوتی ہے مگر غلہ بہت بڑھیا نکلتا ہے، بعض وقت کالی کلوٹی عورت سے ولی اللہ پیدا ہوئے ہیں اور گوری چٹیوں سے شیطان پیدا ہوئے۔ اس لیے اپنی بیویوں کو حقیر نہ سمجھو، ان کے رنگ و روغن کو مت دیکھو، تو فرمایا اِنْ اَقَمْتَهَا اگر تم عورتوں کو سیدھا کروگے کَسَرْتَهَا تو انہیں توڑ دو گے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

فِيْهِ تَعْلِيْمٌ لِّلْاِحْسَانِ اِلَى النِّسَاءِ وَالرِّفْقِ بِهِنَّ وَالصَّبْرِ عَلٰى عِوَجِ اَخْلَاقِهِنَّ لِاِحْتِمَالِ ضُعْفِ عُقُوْلِهِنَّ[۲۱۳]

اس حدیث میں تعلیم ہے عورتوں کے ساتھ احسان کرنے کی اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کی اور ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنے کی کیوں کہ ان کی عقل کمزور ہے اور

---

[۲۱۲] صحیح البخاری: ۲/۷۷۹، (۵۲۰۰)، باب المداراۃ مع النساء، المکتبۃ المظھریۃ

[۲۱۳] ارشاد الساری للقسطلانی: ۸/۸۷، باب الوصایا بالنساء، المطبعۃ الکبریٰ، مصر

جن کی عقل کم ہوتی ہے وہ زیادہ جلد لڑ جاتے ہیں، دیکھو بچوں میں جس کی عقل کم ہوگی وہ زیادہ لڑتا ہے اور روح المعانی میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورتوں کا مزاج ایسا ہے کہ یَغْلِبْنَ کَرِیْمًا کریم شوہر جو انتقام نہیں لیتے، ڈنڈے نہیں مارتے بلکہ ڈنڈے کی جگہ انڈے کھلاتے ہیں تو ایسے شوہروں پر بیویاں غالب آجاتی ہیں، جانتی ہیں کہ یہ بدلہ نہیں لے گا، ڈنڈے نہیں مارے گا، گالی نہیں دے گا، اسی لیے کریم شوہر سے زور زور سے بولتی ہیں کہ ارے! میں نے تم سے کہا تھا کہ ایسا کپڑا لانا تم چیتھڑے لے آئے، میں نے اچھی چپل کے لیے کہا تھا تم لیتھڑے اٹھالائے اور میں نے کہا تھا چائے کی اچھی پیالیاں لے آنا تم ٹھیکرے لے آئے اور وہ بے چارہ مسکرا کر رہ جاتا ہے اور بولتا کچھ نہیں:

یَغْلِبْنَ کَرِیْمًا وَیَغْلِبُھُنَّ لَئِیْمٌ[۲۱۴]

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظِ نبوت ہیں، تفسیر روح المعانی کے اندر دیکھ لو، میں نے اپنی کتاب ”کشکولِ معرفت“ کے اندر اس کا حوالہ بھی لکھ دیا ہے۔

شوہر کو نازِ دِکھانا عورت کا حق ہے

تو نیک و لائق شوہر پر عورتیں غالب آجاتی ہیں، زبان سے تیز بولتی ہیں اور کمینے و مسٹنڈے لوگ ڈنڈے مار مار کر ان پر غالب آجاتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ یہ کمزور ہیں، ان کا بھائی باپ تو پاس ہے نہیں لہٰذا ایک لات اور دو گھونسے مار دیے، اب ایسے شوہر کو مارے ڈر کے وہ کبھی ناز بھی نہیں دِکھاتیں حالاں کہ اپنے شوہر کو نازِ دِکھانا ان کا شرعی حق ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تو ناراض ہوتی ہے تو مجھے پتا چل جاتا ہے، معلوم ہوا عورتوں کو تھوڑا روٹھنے کا، تھوڑا ناراض ہونے کا حق حاصل ہے لیکن آپ کو انہیں جوتا مارنے کی اجازت نہیں ہے، ان کے ناز برداشت کرو،

---

[۲۱۴] روح المعانی: ۲/۶۵، البقرة (۱۸۰)، دار إحياء التراث، بيروت

تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے کہ میں آپ سے ناراض ہوں؟ فرمایا کہ جب تو مجھ سے ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ ابراہیم کے رب کی قسم۔ اور جب مجھ سے خوش ہوتی ہے تو کہتی ہے بَلٰی وَرَبِّ مُحَمَّدٍ[۲۱۵] محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہنس پڑیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے بالکل صحیح فرمایا، تو معلوم ہوا کہ عورتوں کو تھوڑا سا روٹھنے کا بھی حق حاصل ہے، اگر وہ منہ پھلالے تو آپ گھونسے مت مارو، پیار سے پھسلا کر، منہ میں گلاب جامن ڈال کر اس کو منالو۔ مگر یہاں تو لوگ اس کو کہتے ہیں تم کو کیا حق ہے روٹھنے کا؟ بس ایک آیت یاد کرلی:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ[۲۱۶]

اور باقی حدیثیں اور آیتیں ان کو نظر نہیں آتیں، مولوی بھی اس میں مبتلا ہیں، وہ بھی گھونسا مار کر منہ سُجا دیتے ہیں کہ خبر دار! اگر آئندہ منہ پھلایا، حالاں کہ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر وہ منہ پھلائے تو اس کو خوش کرو، پوچھو کہ کیا تکلیف ہے؟ آپ کے حق میں مجھ سے کیا کوتاہی ہوئی؟ گلاب جامن چھپا کر لے جاؤ اور جلدی سے اس کے منہ میں ڈالو، بیویوں کے منہ میں لقمہ ڈالنا سنّت ہے یا نہیں؟ کبھی تو اس پر بھی عمل کرلو اور لقمہ سے مراد یہ نہیں کہ اس کے منہ میں چٹنی ڈال دی اور مرچوں سے اس کو پیچش لگ گئی۔

بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معیار

آگے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں:

فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ مَغْلُوْبًا کَرِیْمًا

میں محبوب رکھتا ہوں اس بات کو کہ عورتیں مجھ سے تیز آواز سے باتیں کریں لیکن میں کریم رہوں، میں اپنے اخلاق کی بلندیوں کے مینار کو نہ گرنے دوں، میں اپنی اخلاقی بلندیوں کو قائم رکھوں اور اللہ کی بندیاں سمجھ کر بیویوں کی باتوں کو برداشت کروں:

---

[۲۱۵] صحیح البخاری: ۲/۷۸۶، (۵۲۴۳)، باب غیرۃ النساء ووجدھن، المکتبۃ المظھریۃ

[۲۱۶] النساء: ۳۴

وَلَآ اُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ غَالِبًا لَئِيْمًا

اور میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں کمینہ و بد اخلاق بنوں، ڈنڈے جوتے مار مار کر ان کو ٹھیک کروں اور میری اخلاقی بلندیوں میں نقص آجائے۔ ایک مرتبہ نان و نفقہ کے بارے میں ہماری مائیں زور زور سے بول رہی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو سب فوراً خاموش ہو گئیں، لیکن انہوں نے آوازیں سن لی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تیز آواز سے باتیں ہو رہی ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی بندیو! تم نبی سے تیز آواز سے بولتی ہو اور عمر سے ڈر گئیں؟ تو ہماری ماؤں نے کہا کہ اے عمر! تم سخت مزاج کے ہو جبکہ ہمارا پالا رحمۃ للعالمین سے پڑا ہے، وہ ہمارے ناز اُٹھانے والے ہیں۔ جبکہ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم عورتوں کے ناز کیا اٹھاتے اُلٹا عورتوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے ناز اٹھائیں، بعضے شوہر ایسے نالائق ہوتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر ہاتھ چھوڑ بیٹھتے ہیں، رات کو کہتے ہیں کہ تم کو محبت کا اعلیٰ مقام پیش کریں گے اور دن کو ڈنڈے لگاتے ہیں۔

دوستو! اس لیے عرض کرتا ہوں کہ اگر بیوی سے کوئی تکلیف پہنچے تو علماء سے مسئلہ پوچھ لو مثلاً نماز نہیں پڑھتی تو علماء سے پوچھ لو، فضائلِ نماز اس کو روزانہ پڑھ کر سناؤ لیکن مار پیٹ کا طریقہ اچھا نہیں ہے، جہاں تک ہو سکے برداشت کرو لیکن اگر سختی کی ضرورت پیش آجائے تو منع بھی نہیں کرتا، دین کے معاملے میں کچھ اجازت بھی ہے جیسے وہ سینما دیکھنے کے لیے کہے تو اس میں تھوڑی سختی کر سکتے ہو، وی سی آر لانے کو کہے تو ہرگز نہ لاؤ کہہ دو کہ ہمارے گھر میں گناہ کا کام نہیں ہوگا، اگر اپنے بچوں کے لیے پلاسٹک کی بلی لے آئے تو فوراً اس کو توڑ کر پھینک دو لیکن اس سے پہلے کوئی عمدہ چیز لا دو ورنہ لڑائی ہو جائے گی۔

حقوق میں کوتاہی پر بیویوں سے بھی معافی مانگی جائے

تو دوستو! جن لوگوں سے اپنی بیویوں کے حقوق میں کوتاہی ہو گئی ہے وہ اب ان سے معافی مانگ لیں اور کہہ دیں کہ آئندہ میں تمہیں اللہ کی بندی سمجھ کر تم سے اخلاق سے پیش آؤں گا، تمہیں مجھ سے جو بھی اذیت پہنچی ہو، غصہ کی حالت میں کچھ کہہ دیا ہو اس کو معاف کر دو اور قیامت کے دن جو بڑا ہولناک دن ہوگا مجھ سے کچھ بدلہ نہ لینا

اور جیسے میں اپنی بیٹی کے لیے چاہتا ہوں کہ میرا داماد اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے، اس کی خطاؤں کو معاف کردے آج سے میں تمہاری خطاؤں کو معاف کرتا ہوں بلکہ پیشگی معاف کیا اور اب تمہیں کبھی نہیں رُلاؤں گا، کبھی ناراض نہیں کروں گا، اس طریقہ سے اس کو خوش کردو اور محض زبانی جمع خرچ نہیں کرو بلکہ اس کو کچھ رقم ہدیہ بھی دے دیا کرو اور اس کا حساب بھی نہ لو، کہہ دو کہ یہ رقم تم کو دے دی اب تمہیں اختیار ہے جہاں چاہے خرچ کرو، چاہے اپنے بھائی بہن، ماں باپ، رشتہ داروں پر خرچ کرو، آج سے میں اس کا کوئی حساب نہیں لوں گا۔

جیب خرچ دینا بیوی کا حق ہے

حکیم الامت نے کمالاتِ اشرفیہ میں لکھا ہے کہ بیویوں کا یہ حق ہے کہ ان کو جیب خرچ بھی دو پھر اس کا حساب بھی نہ لو کیوں کہ وہ مجبور ہیں کما تو سکتی نہیں، اب ان کا دل چاہتا ہے کہ میرا بھائی آیا ہے، غریب ہے، لاؤ اس کو ہدیہ دے دوں تو کہاں سے دے گی؟ لہٰذا اس کی خواہشات اور جذبات کا احترام کرو، وہ بے چاری ساری زندگی کے لیے تمہاری پابند ہے، رفیقِ حیات ہے، دروازے سے باہر نہیں جاسکتی، ساری زندگی تمہارا ساتھ دے رہی ہے لہٰذا غیروں کی طرح اس سے پائی پائی کا حساب مت لو۔ عورت کی وفاداری اور شوہر کے ساتھ نباہ کرنے پر ایک چشم دید واقعہ عرض کرتا ہوں۔

عورت کی وفاداری کا عبرت انگیز واقعہ

ایک صاحب دوسری عورتوں پر نظریں مارتے تھے اور اپنی بیوی کو کم حُسن کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے، ان کو ہیضہ ہوگیا، دست پر دست آرہے ہیں، تو ایسے وقت میں وہی عورت ان کا پاخانہ دھویا کرتی تھی، اس کی اتنی خدمت کی کہ جب وہ اچھا ہوگیا تو رونے لگا کہ اے میری بیوی تو نے تو میرا پاخانہ دھویا اور جن عورتوں سے میں نظر بازی کرتا تھا ان میں سے آج کوئی کام نہیں آئی، کام تو بس تو ہی آئی۔ ارے میاں! جب بڈھا چارپائی پر بیٹھتا ہے تو بڈھی ہی کام آتی ہے، جب کوئی بیماری آتی ہے تو بتاؤ بڈھی کام آتی ہے یا نہیں؟ اس لیے ان کو حقیر مت سمجھو، بس آج

وعدہ کرلو، اگر آپ حضرات نے اللہ پر نظر کرکے اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے رہنے کا ارادہ کرلیا کہ میرے اللہ کی بندی ہے لہٰذا اس کا دل خوش کردو تو اختر کا آنا وصول ہوگیا، ان شاء اللہ۔

اگر میرا یہ وعظ قبول ہوجائے تو میری یہاں تک آنے کی ساری تکلیفیں، سارا کچھ قبول ہوجائے گا، میں سارے عالم میں یہی باتیں پیش کررہا ہوں کہ ایک تو نظر کی حفاظت کرو، غیر عورتوں کو اور پُرکشش لڑکوں کو مت دیکھو، ایسے آدمی پر اللہ کی لعنت برستی ہے، نمبر دو کسی پر ظلم نہ کرو، جانور پالو تو اس پر بھی ظلم نہ کرو اور بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ، اللہ کی کسی مخلوق پر ظلم نہ کرو۔ بس یہ آج کی تقریر کا خلاصہ ہے کہ کسی کا برادری خاندان میں کوئی جھگڑا ہوگیا ہو تو اس کو معاف کردو اور سچے دل سے درگزر کردو۔

بس جتنا بھی عرض کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالیں، اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سب کو اللہ والی زندگی عطا فرمائیں۔ اے اللہ! ہمیں نفس و شیطان کی غلامی سے نکال کر سو فیصد اپنی فرماں برداری اور اطاعت کی زندگی نصیب فرمادیجیے، ہمارے گناہوں کو معاف کردیجیے۔ یا اللہ! ہم نے آپ کی کسی مخلوق پر ظلم کیا ہو، کوئی چیونٹی بھی نالائقی اور غفلت کی بنا پر ہم سے کچلی گئی ہو یا بیویوں کو ہم نے ستایا ہو یا خاندان والوں کو، ماں باپ کو ستایا ہو تو ہماری ان خطاؤں کو معاف فرمادیجیے اور ان میں سے جو لوگ زندہ ہیں ان سے ہمیں معافی مانگنے کی توفیق عطا فرمادیجیے، ہم سب کو اپنے حقوق میں کوتاہی پر بھی معاف کردیجیے اور اپنی مخلوق کے حقوق میں کوتاہی پر بھی معاف کردیجیے۔ یا اللہ! آپ مسافر کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں، بس ہم سب کو صاحبِ نسبت بنادیجیے، کسی کو محروم نہ فرمائیے، سب کو اللہ والا بنادیجیے، جو خواتین یہاں نہیں ہیں ان کو اور ان کے خاندان والوں کو، ہماری بیویوں کو، بچوں کو اے اللہ! نیک بنادے، ہماری دنیا بھی بنادیجیے اور آخرت بھی بنادیجیے، آمین۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

تیرے دیوانوں کے دل میں عشقِ مولیٰ چاہیے

قیس کو لیلیٰ اگر وامق کو عذرا چاہیے
تیرے دیوانوں کے دل میں عشقِ مولیٰ چاہیے

میرے سر کو اے خدا تیرا ہی سودا چاہیے
نغمۂ گلشن تو ہو پر آہِ صحرا چاہیے

عشق کہتا ہے کہ میرے سر کو سنگِ در ملے
عقل کہتی ہے کہ مجھ کو فکرِ فردا چاہیے

ڈھونڈتا ہوں ہر زمیں پر اہلِ دردِ دل کو میں
مجھ کو تیرے عاشقوں کے چند اسما چاہیے

دین کی خدمت سکونِ قلب سے کرتا رہوں
اس کی خاطر مجھ کو یارب حفظِ اعدا چاہیے

یاد تیری ہر نفس غالب رہے دل پر مرے
یہ شرف اخترؔ کو بھی امروز و فردا چاہیے

میں پہنچا خدا تک سرِ دار ہو کر

عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نگہ جس نے نامحرموں سے بچالی
حلاوت بھی ایمان کی اس نے پالی

دیا ملک و اقبال جاہِ بلخ کا
ہے شہرہ زبانوں پہ شاہِ بلخ کا

مگر پی گیا جو لہو آرزو کا
نہ دیکھا کبھی منہ کسی خوبرو کا

اگر شاہ ادہم سے برتر نہیں ہے
ولے شاہِ ادہم سے کمتر نہیں ہے

جو دل روکش غیر حق ہو رہا ہے
فقیری میں شاہِ بلخ ہو رہا ہے

مہ و شمس سے دست بردار ہو کر
میں پہنچا خدا تک سرِ دار ہو کر

ہوئی تیغ حق سے شہادت کسی کی
نہیں جس پہ لیکن شہادت کسی کی

قیامت کے دن باطنی یہ شہادت
کرے گی شہیدوں کی صف میں اقامت

جس عاشق کا سر ہو تری تیغ سے خم
عجب کیا کہ ہو رشک سلطان ادہم

اصلاح کا آسان نسخہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو:

> ”اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں فرماں برداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں، سخت خبیث ہوں، سخت گناہ گار ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ میرا قلب ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں ہے، آپ ہی قوت دیجیے۔ میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجیے۔ اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کیے ہیں، انہیں آپ اپنی رحمت سے معاف فرمائیے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ آیندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا، میں جانتا ہوں کہ آیندہ پھر کروں گا، لیکن پھر معاف کرالوں گا۔“

غرض اسی طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار، اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو۔ بدپرہیزی بھی مت چھوڑو۔ صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا انتظام ہو جائے گا کہ ہمت بھی قوی ہو جائے گی، شان میں بٹہ بھی نہ لگے گا اور دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جائے گا کہ جو آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

* * *

اللہ تعالیٰ نے شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ مبارک سے قرآن وحدیث اور اپنی معرفت پر مبنی ایسے منفرد اور انوکھے مضامین جاری فرمائے جو بڑے بڑے علماء کو حیرت زدہ کر جاتے اور ان کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلتا کہ ہم نے ایسے علوم نہ کسی کتاب میں پڑھے، نہ کسی کی زبان سے سنے اور نہ ہی ہمارا ذہن کبھی ان کی طرف منتقل ہوا۔ غرض حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک ملفوظ سالکینِ طریق کے لیے علوم ومعارف کا خزینہ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا گنجینہ ہے اور مایوس و ناامید لوگوں کے لیے آس اور اُمیدوں کے بے شمار راستوں کی مشعلِ راہ ہے جس کی روشنی میں مایوسی اور ناامیدی کے اندھیروں کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔

زیر نظر کتاب ”خزائنِ معرفت ومحبت“ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ان ہی الہامی مضامین پر مشتمل ایک عظیم الشان اور بیش قیمت مجموعہ ہے جو شریعت اور تصوف کے علوم ومعارف کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے آتشِ دردِ محبت کا غماز بھی ہے۔ ان علوم نے اللہ کے عاشقوں کے سینوں میں عشقِ الٰہی کی آگ لگا کر گناہوں کے جنگل کو جلا کر راکھ کر دیا اور اللہ کے ان عاشقوں کو واصل باللہ کر دیا۔

www.khanqah.org

ناشر
کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال ۲، کراچی ۷۵۳۰۰، فون: ۳۴۹۹۲۱۷۶